Akhtarul Islam

محمد اختر الاسلام القادری العلیمی، چریاکوٹ، مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم



زیر سرپرستی

مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں قبلہ ازہری

اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۲ء

صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

ادارۂ تحریر

مدیر اعلیٰ: سید محمد ولی الدین رضوی

مدیر مسئول: محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری

سرکولیشن منیجر: سید محمد ضیاء الدین رضوی

تمام متنازعہ امور میں حق سماعت عدالتہائے پٹنہ کو حاصل ہوگا ٥ گول دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہیکہ آپکی خریداری ختم ہوگئی زر سالانہ جلد روانہ کریں۔

مراسلت کا پتہ: منیجر ماہنامہ نور مصطفیٰ مغلپورہ پٹنہ سٹی ۸

شرح خریداری

سالانہ ۷۵ — لائف ممبری ۱۰۰۰

بذریعہ رجسٹری ۳۵۰ — غیر ممالک ۵۰۰

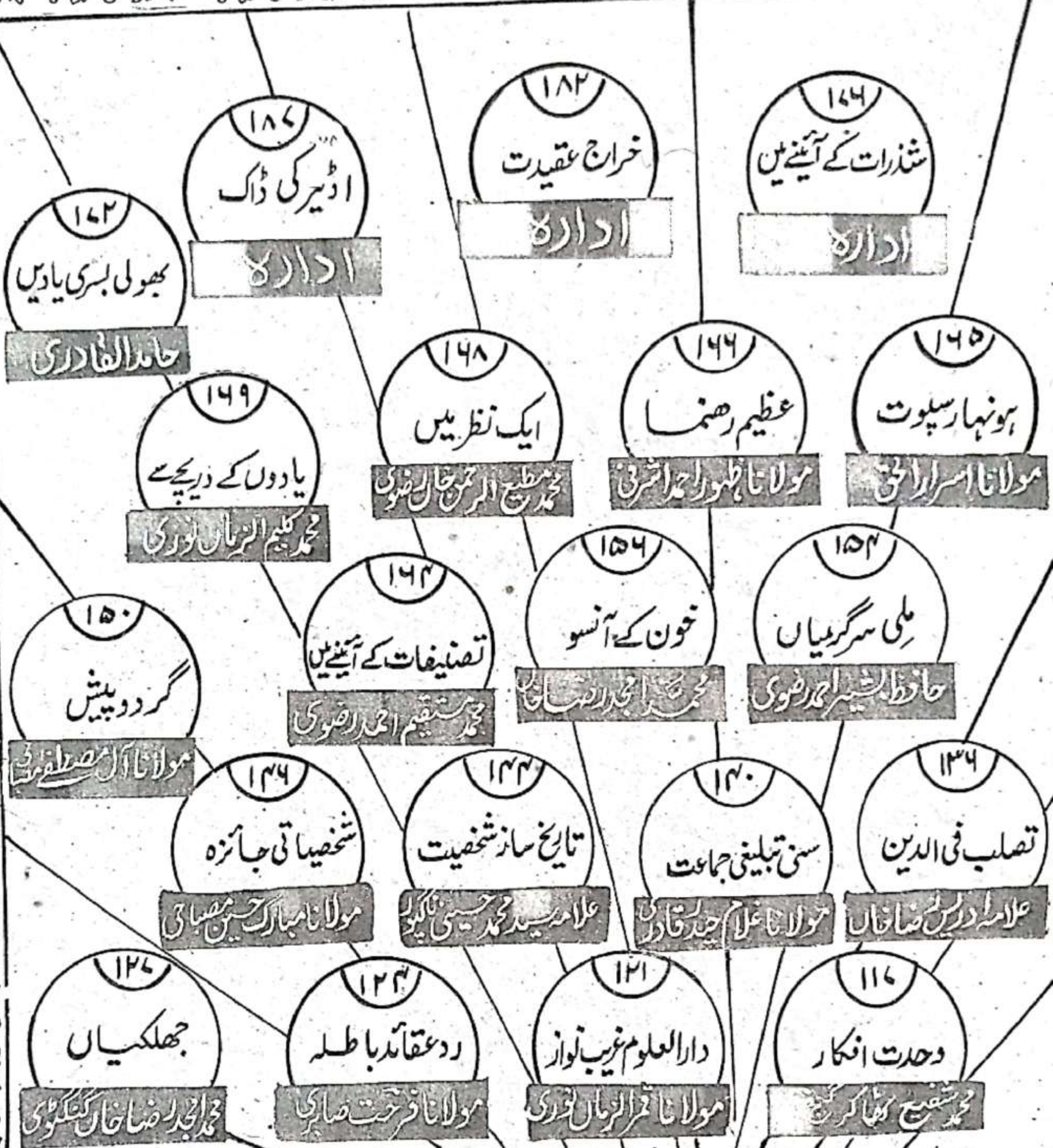
قیمت: ۲۲ روپئے

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلیشر سید محمد ولی الدین رضوی نے سنجے آفسٹ پریس بھکنا پہاڑی پٹنہ ۶ سے چھپوا کر دفتر نور مصطفیٰ مغلپورہ پٹنہ سیٹی ۸ سے شائع کیا۔

شعاعیں



Akhtarul Islam



اداریہ

سیّد ولی الدین رضوی

پاسبانِ ملّت اور ہماری ذمہ داریاں

کچھ نہ لو لو نگا زباں سے ان کی بزم خاص میں
آنسوؤں کے ساز پہ کہنا ہے افسانہ مجھے

ہر دور اور ہر زمانے میں کچھ ایسی نابغۂ روزگار اور نازشِ باغ و بہار ہستیاں منصۂ شہود پر آتی رہی ہیں جو اپنی تبلیغی سرگرمیوں، اصلاحی کارناموں، صالح فکر و شعور، پختہ تدبر و دانائی اور صحت مند کردار و عمل سے قوم کا ناخدا بن کر ملّت کی کشتی کو گمرہی و ضلالت کے بھنور سے نکال کر ساحلِ مقصود تک پہنچانے میں کامران و کامیاب ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی زندگی کا مطمح نظر، ان کی حیات کا مقصد صرف اور صرف یہ رہا ہے کہ قوم مسلم کو اس راہ کا مسافر بنایا جائے جہاں سے ہدایت کی ضیا پاشیاں، خوف خدا اور عشق مصطفےٰ کی دلفریبیاں ہر لمحہ انکو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہوں ——— ایسے مرد پاکباز، حق نگر، حق گو، حق آگاہ، حق آشنا کو تاریخ اپنے سینے میں محفوظ رکھنا اپنے مقدر کی بلندی اور قسمت کی ارجمندی تصور کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر ہر ادا تاریخ کے پردے پر صاف اور شفاف آئینہ کی طرح جھلملاتی نظر آتی ہے ———

حضور پاسبان ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ انھیں آفاقی شخصیتوں اور نقری ہستیوں میں سے ایک تھے جو اپنی علمی عبقریت، فکری جلالت، دلگیر خطابت، تطہیر خیال، تقدیس فکر اور مختلف الانواع خوبیوں کی بنیاد پر نصف صدی تک عالم اسلام پر سحاب رحمت بنکر چھائے رہے۔ اور اپنی متاع عزیز کا آخری لمحہ تک ملّت بیضہ کی حفاظت شریعت مصطفےٰ کی صیانت اور مسلک امام احمد رضا قدس سرہ کی اشاعت میں وقف کردی۔ کسی نے کہا اور سچ کہا ہے کہ

نگہ بلند، سخن دلنواز جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

یہ ایک حقیقت ہے کہ جانے والے کا روشن کردار، بانکپن بھر انداز اور پاکیزہ سیرت اس کے صالح فکر و نظر کی غماز ہوا کرتی ہے اگر یہ بات سچ ہے تو اسے بھی تسلیم کر لینے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہیئے کہ صالح نظریات کی ترویج، مذہب مہذب کی تشہیر، مسلک اہلسنت کی تبلیغ اور اظہار حق کی جو دولت گرانمایہ حضرت پاسبان ملّت نے اپنے اکابرین سے وراثت میں پائی تھی، کبھی کسی موڑ پر اس کا سودا نہیں کیا۔ بلکہ علم حق بلند کرنے کیلئے جس محاذ سے آپکو پکارا گیا صدائے لبیک

بلند کرتے ہوئے دوڑ پڑے کیوں کہ وہ ہر پُرپیچ اور خار زار، وادی کو تن تنہا طے کرنے کے عادی تھے اس لئے انھوں نے نہ کبھی اپنی ہمت شکنی کا گلہ کیا اور نہ ہی اپنے آپ میں تنہائی کا احساس ہونے دیا بلکہ شان رہبری کا عالم یہ تھا کہ ؎

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گذرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

آپ ہر پُرہول راہ سے اس قدر خوش اسلوبی کے ساتھ گزرے کہ آپ کے روشن نقوش کو دیکھکر جادۂ حق اور راہِ صداقت کا مسافر بہ آسانی اپنی منزل کا سراغ لگا سکتا ہے ــــــ صحافت ہو کہ خطابت، تصنیف ہو کہ تالیف، تدریس ہو کہ تبلیغ ہر فن کو نہ صرف یہ کہ نیا رخ دیا بلکہ ہر میدان میں سوپر اسٹار بنکر چمکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ژرف نگاہی، قائدانہ صلاحیت فاضلانہ طمطراق اور عالمانہ شان وشوکت کا ترانہ اپنوں سے لیکر پرائے تک، موافقت سے مخالفت تک، دوست سے لیکر دشمن تک سبھوں کی زبان پر رقص کر رہا ہے۔

ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی حیات وخدمات سے لوگوں کو متعارف کرایا جاتا۔ ان کی بارگاہ عبقری میں عقیدت ومحبت کے گلدستے پیش کئے جاتے۔ ان کے زریں کارناموں سے دنیا اور اہل دنیا کو روشناس کرایا جاتا۔ لیکن اسی نیک مقصد، پاکیزہ تمنا، مبارک آرزو اور صالح نظریہ کے تحت ادارہ نور مصطفےٰ پٹنہ نے توکل علی اللہ کا سہارا لیکر پاسبان ملت نمبر کا اعلان کردیا۔ ہم ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اس نمبر میں علامہ نظامی کی حیات وخدمات کے ہر گوشہ کا احصار کرلیا گیا ہے۔ بلکہ ہمیں اس بات کا بھرپور اعتراف ہے کہ سو دو سو صفحات پر پھیلے ہوئے مضامین ان کی زندگی اور ملک میں پھیلے ہوئے کارنامے کے تعارف کیلئے اب بھی تشنہ ہیں۔ آپ کا عالم تو یہ تھا کہ ؎

میری حیات کا افسانہ دیکھنے والو
کہیں کہیں سے یہ قصہ پڑھا نہیں جاتا

فکری جمود ہم نے اس نمبر کیلئے ملک کے پچاسوں اہل قلم اور اصحاب فکر کی خدمت میں دعوت نامے ارسال کئے جن میں کچھ ایسے مخلص حضرات سامنے آئے جنھوں نے ہماری آواز سے آواز اور قدم سے قدم ملاکر چلنا ایک ملی فریضہ سمجھا اور پاسبان ملت سے اپنی نیازمندی اور عقیدت ووابستگی کا پورا پورا ثبوت فراہم کیا ان حضرات کی بارگاہ میں ہم کلمات تحسین اور ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے بہت زیادہ خوشی ومسرت محسوس کرتے ہیں اور آئندہ بھی ان سے ایسے ہی کرم نوازی کی توقع رکھتے ہیں ــــــ اور بعض وہ ہیں جنھوں نے کچھ مصروفیات کے پیش نظر اپنی عدم شرکت کا اظہار کیا تاہم ہمارے شکستہ حوصلوں کو جلا اور توانائی بخشنے میں اہم رول ادا کرتے رہے اس لئے یہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں ــــ لیکن کچھ ایسے بھی کرم فرما نکلے جنھوں نے ہماری آواز کو صدا بصحرا سمجھ کر اپنی بے توجہی اور بے اعتنائی کا بھرپور مظاہرہ فرمایا اور انھوں نے نہ تو اپنا کوئی آرٹیکل روانہ کیا اور نہ ہی خطوط کے جواب مرحمت فرمائے ــــ کچھ ایسے بھی دوستوں سے ملاقات ہوئی جو خط دیکر بھی مضمون نہ بھیج سکے ہم ان لوگوں کے بھی تہ دل سے مشکور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان کے مطابق پرچہ تاخیر سے شائع ہو رہا ہے جس کا صد درجہ افسوس ہے

یقیناً اس کے انتظار میں قارئین نورِ مصطفےٰ کی نگاہیں خیرہ ہو رہی ہوں گی مگر ہماری اس بات سے سو فیصد اتفاق کریں گے کہ ؎

کچھ تو مجبوریاں رہی ہوں گی
یوں ہی کوئی بے وفا نہیں ہوتا

بہر حال جو کچھ ہے ہماری عقیدتوں کا حقیر نذرانہ بشکل پاسبانِ ملت نمبر آپکے ہاتھوں میں ہے اس گلدستہ کی بناوٹ و سجاوٹ میں ہم کہاں تک کامیاب ہیں اس کے حسن و قبح کا فیصلہ آپکی عدالت سے چاہوں گا۔

کیا نذر کروں تم کو کیا چیز ہماری ہے،
یہ دل بھی تمہارا ہے یہ جان بھی تمہاری ہے

نغمۂ تشکر

یہاں پر اگر ہم اپنے ان کرم فرماؤں کا تذکرہ نہ کریں تو بڑی ناسپاسی ہوگی جنہوں نے نمبر کو سجانے اور سنوارنے میں رات دن ایک کر دیا اور اسے مہہ و انجم کی تابانی اور کہکشاں کا جمال بخشنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان میں گرامی قدر مولینا قمر الزماں مصباحی مظفر پوری محب مخلص مولانا امجد رضا خاں گنگٹوی مولانا فرحت صابری رضوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ دعا ہے کہ پروردگار انھیں دارین کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔

مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ

امام احمد رضا

فاضل بریلوی قدس سرہٗ

علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آباد

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انّ اللہ یبعث علی راس الخ

(۱) سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتوں کو یاد دلاتا ہے وہ مرد حق تجدید و احیائے دین کی کٹھن راہوں سے گذرنے میں تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے اور کبھی کبھی تو قید و بند کی کٹھنائیوں سے بھی اسے دوچار ہونا پڑتا ہے چونکہ وہ سیاسی قیدی نہیں جو حالات کے تیور سے مرعوب ہوکر کلمۂ حق کو واپس لے لے بلکہ آمرانہ و جابرانہ طاقتیں خود اسکے قدموں پر جھکتی ہیں اور حق کا پرستار بلا خوف لومتہ لائم دین کی صاف اور کشادہ راہوں کو پیش کرنے میں جرأت و بیباکی سے کام لیتا ہے غیر تو غیر بسا اوقات اپنے بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوتے ہیں مگر نہ پوچھئے اسکے عزم و استقلال کی خداداد طاقت کی کرشمہ سازیاں کہ قہر و غضب کے بادل امنڈتے ہیں مگر برسنے سے پہلے مطلع صاف نظر آتا ہے نہیں معلوم ایسے کتنے طوفان اٹھتے ہیں مگر اسکی جبین استقلال پر بل نہیں آتا یہاں تک کہ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے جس کے باعث دنیا اسے مجدد کے نام سے یاد کرتی ہے۔

---

(۲) یہ ایک سنت الٰہیہ ہے کہ آفتاب نبوت کے پردہ فرمانے کے بعد کسی قرن اور صدی کو مقدس ہستیوں سے خالی نہ رکھا گیا ملت اسلامیہ کی صحیح نمائندگی و رہنمائی کیلئے ہر تیرہ و تاریک فضا میں کوئی نہ کوئی آفتاب ہدایت مطلع شہود پر آتا رہا اور وقت کی بگڑتی ہوئی فضا کو سازگار بنانے میں یا یوں کہہ لیجئے کہ نظامِ شریعت کے سانچے میں ڈھال دینے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس سلسلے کی سب

> ٭ ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ گرد و پیش کے ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اسکے صحیح ماحول کا اندازہ ہو سکے اس وقت تک اس کے کار تجدید کی بحث کرنی دشوار ہوگی۔

سے پہلی کڑی حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے اور مجددین کی آخری کڑی میں جس کو نامزد کیا جاسکتا ہے۔ وہ تاجدار اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ اعلحضرت مولینا شاہ احمد رضا خاں صاحب

فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی ہے حضرت عمر ابن عبدالعزیز
اور اعلحضرت کی درمیانی صدیوں میں امام شافعی امام فخر الدین رازی
امام غزالی ابوبکر باقر تلانی یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مجدد الف ثانی
جیسے بلند پایہ حضرات اپنے اپنے وقت میں احیائے دین فرماتے
رہے اور قریب قریب ہر ایک کی تاریخ میں یہ قدر مشترک نظر آئیگا۔
کہ آسمان ہدایت کے ان چمکتے ہوئے ستاروں پر غبار ڈالنے کی کوشش
کی گئی مگر ـــــ

(الحق یعلو ولا یعلی) حق خود بلند ہوتا ہے ـــ
وہ کسی کے بلند کرنے سے عظمت و رفعت کی چٹان پر نہیں پہنچتا
اور نہ تو کسی باطل کی ہوا خیزی سے اسکی صداقت پر پردہ پڑتا ہے دنیا
کی فرعونی و طاغوتی طاقتوں نے ان کا مقابلہ کیا آخرش ایک صبح
ایسی نمودار ہوئی جسکی روشنی پر تاریکی کا پردہ نہ پڑ سکا اور انکے کارنامے
نمایاں کے سامنے غیروں کی بھی گردنیں جھک گئیں۔ چنانچہ تاجدار
اہلسنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علمائے دیوبند
یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا خاں (علیہ الرحمہ) قلم کے
بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑا۔

---

(۳) قلم کی پختہ کاری کا اعتراف ہی اعلحضرت کی شانِ تجدید
پر روشن دلیل ہے چونکہ امام اہلسنت کا مجدد ہونا حسن صورت یا
امارت و ریاست یا کثرت تلامذہ و حلقۂ ارادت کی وسعت غرض کہ
اس قسم کے دوسرے عوارضات پر مبنی نہیں بلکہ کشور علم کا تاجدار
جس وقت سیف قلم لیکر رزمگاہ حق و باطل میں اترا ہے اپنے تو اپنے
غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے اور تجدید نام ہی ہے انسان کی اس
صفت راسخہ کا جس کی قوت سے وہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت پر قابو
یافتہ ہو کر حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے یہی وہ جوہر
ہے جو اعلیٰ حضرت کی تصنیف و تالیف تقریر و تحریر میں نمایاں حیثیت
سے اجاگر ہے اور اس جوہر گرانمایہ سے ہر اس شخص کا دامن نہیں پُر
ہو سکتا جس نے درس نظامیہ کی کتب متداولہ کی حرف حرف
حاصل کلہو یہ خدا کی ایک بخشی ہوئی طاقت ہے جو احیائے سنیت کی
خاطر کسی برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے (ذٰلِكَ فضل اللّٰہ
یؤتیہ من یشاء) یہ اللہ کا ایک فضل ہے وہ جسے چاہتا
ہے عطا فرماتا ہے انہیں برگزیدہ شخصیتوں میں فاضل بریلوی کا بھی نام
نامی ہے۔

---

(۴) الحاد و بے دینی کی مہیب فضا کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا
نجدیت و وہابیت کی مطلق العنان مارکٹ جس میں شرک و بدعت ٹکے سیر
بھاجی ٹکے سیر کھاجا کی جگہ لے چکی تھی بات بات پر شرک و بدعت کے

تاجدار اہلسنت کے متعلق آج بھی مخالفت کے باوجود اکابر علمائے
دیوبند یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ جو کچھ بھی ہو مولانا احمد
رضا خاں علیہ الرحمہ قلم کے بادشاہ تھے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کا
کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑا۔

فتوے دیئے جاتے استمداد و ندائے و میلاد و قیام ختم نبوت و علم غیب جیسے
قطعی الدلائل مسائل پر نہ صرف قیل و قال کے دروازے
کھل گئے تھے بلکہ اخبار و پریس کی طاقت و نیز حکومت وقت کے ایماء و
اشارے پر سچے پکے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہا جاتا تھا اور یہ فتاوے
کیوں نہ دیئے جاتے (سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا) انگریزوں
سے ساز باز تھا علمائے اہلسنت اپنی پوری طاقت سے انگریزی سامراج
کو مٹانا چاہتے تھے چنانچہ مجاہد جلیل حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی
انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ صادر فرما چکے تھے جس کی پاداش
میں دریائے شور کی مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور بہت سے حق پرست مسلمانوں
کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا علمائے اہلسنت کا شیرازہ منتشر تھا

ضروری تنبیہ

نور مصطفےٰ ایک دینی مذہبی اور اسلامی رسالہ ہے اس کا مطالعہ کریں اور مطالعہ کی ہوئی فائلیں بطور دستاویز محفوظ رکھیں تاکہ اسکی حرمت برقرار رہے اور آنیوالی نسلیں اس سے فیضیاب ہوں

یک جہتی ختم ہو چکی تھی تنظیم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر و نا آشنا تھے اور ملک کی دوسری فتنہ انگیز جماعت انگریزوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن چکی تھی۔ برطانیہ گورنمنٹ کی نوازشات سے دامن بھرپور تھا موقع غنیمت جان کر عقائد کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اب انکے پاس دارالعلوم تھا جمعیۃ کا جتھا بھی تھا طفل مکتب مصنف بن چکے تھے ہر کتاب پر ہنگامہ ہوتا ہر عبارت پر مکالمہ بازی کا بازار گرم ہوتا۔ حفظ الایمان کی ایک گندہ اور توہین آمیز عبارت پر بسط البنان توضیح البیان مکالمۃ الصدرین جیسے نہیں معلوم کتنے رسالے و پمفلٹ کوچہ و بازار میں آچکے تھے کسی طرح عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اس لئے نئے نئے شگوفے کھلانا اور نئی پھلجڑی چھوڑنا مصلحت وقت کا عین تقاضہ تھا کبھی علم غیب پر حملہ ہے تو کبھی ختم نبوت پر کبھی شان نبوت کی تنقیص ہے تو کبھی عظمت ولایت کی توہین۔

(۵) غرض کہ زمین ہند ماتم گسار تھی چرخ کہن نوحہ گر تھا قدسی صفات فرشتے رحمت باری کے منتظر تھے اہل سنت کا کلیجہ زخموں سے چور تھا حق پرستوں کی آنکھ ساون بھادو کی جھڑی تھی عقیدت مندوں کا سینہ نالاں کناں تھا رسول پاک کے فدائی ماہئ بے آب تھے۔

حرمت نبوت پر جان دینے والے کراہ رہے تھے عظمت ولایت پر مر مٹنے والے سسک رہے تھے اس طرف الغنی یا رسول اللہ کے نعرے تھے یا غوث المدد کی صدائیں تھیں اور دوسری طرف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر تیر و کمان کی مشق جاری تھی ـــــ مقابلہ آسان نہ تھا نجدیت کے علاوہ ان سفید چمڑے والوں سے زیادہ سخت تھا۔

(۶) مگر مرد مومن کی آہ رنگ لا کر رہی اہلسنت کے آنسو رحم و کرم کی موسلا دھار بارش بن کر رہے یہاں تک کہ سرزمین بریلی کا مقدر اوج ثریا سے بھی بلند ہوا شب دیجور کے پردے چاک ہوئے پو پھٹی گگر نمودار ہوئی کرن ضیا پاش ہوئی آسمان ہدایت پر ایک ستارہ چمکا بزم علم میں ایک روشن چراغ منور ہوا چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا جس نے عرب و عجم کو چمکایا اور جنوب و شمال کو اپنی عطر بیزیوں سے مہکایا۔ کون آیا وہ وہی جس پر دنیائے سنیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے ہاں وہ آیا جو سفینۂ سنیت کا ناخدا بن کر آیا جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہلسنت مجدد

کون آیا وہ وہی جس پر دنیائے سنیت عقیدت کے ہار چڑھاتی ہے ہاں وہ آیا جو سفینۂ سنیت کا ناخدا بن کر آیا جو قلم کا بادشاہ اور زبان کا دھنی بن کر آیا جس کو ہماری زبان میں تاجدار اہلسنت مجدد دین وملت اعلحضرت عبد المصطفےٰ مولنا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔

دین وملت اعلحضرت عبد المصطفےٰ مولنا شاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے جن کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت کی صبح تک ان کی عظمت و شوکت کی پرچم کشائی ہوتی رہے گی۔

(۷) ویسے تو اعلحضرت کی زندگی پیکر علم و عمل تھی علمائے عرب و عجم نے

خراج عقیدت پیش کیا۔ جس کی ادنیٰ شہادت حسام الحرمین ہے جس
میں علمائے عرب نے اعلیٰحضرت حضرت کے فتاوے کی نہ صرف تصدیق فرمائی
بلکہ آپکے علمی فضل و کمال کا اعتراف کرتے ہوئے تقریظات کا حصہ
بھی شامل فرمایا لیکن آج ہمیں اس مسئلہ پر توجہ کرنی ہے کہ وہ کون سی
خصوصی علل و اسباب ہیں جس کی بنا پر دنیا امام اہلسنت کو مجدد
ماننے پر مجبور ہے اس موقع پر مجھے اپنی بے مائیگی کا پورا پورا احساس
ہے کہ میں ایسی سنگلاخ زمین پر قدم رکھ رہا ہوں جس کا میں قطعی طور
پر اہل نہیں محترم مخلص مفتی ظفر علی صاحب نعمانی پرنسپل دارالعلوم امجدیہ
کراچی کا مرسلہ پیکٹ جس وقت مجھے موصول ہوا اور کتاب کے سرورق
حیات اعلحضرت پر نظر پڑی تو وفور شوق میں ورق گردانی کرنے لگا مگر
اپنی حرماں نصیبی کہ جس عنوان کا متلاشی تھا وہ مجھے نہ مل سکا یعنی
اعلیٰ حضرت کی شان تجدید میرے خیال میں جلد اول کا سب سے اہم
اور ضروری باب یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت کی مجددیت پر سیر حاصل گفتگو کی جاتی
اسکے بعد زندگی کے دوسرے گوشوں پر روشنی ڈالی جاتی ہوسکتا ہے
بعد کے دوسرے نسخوں میں حضرت ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین رحمۃ اللہ
پرنسپل جامعہ لطیفیہ کیٹہار نے اس خصوصی مسئلہ پر گفتگو فرمائی ہو
لیکن اگر ایسا نہ ہوسکا تو مکتبہ کراچی کو چاہیئے کہ وہ موصوف سے
اس عنوان پر ایک علمی و تحقیقی مقالہ لے کر دوسری یا تیسری جلد
میں شامل کریے ورنہ میری نگاہ میں حیات اعلحضرت ایک عالم و
فاضل کی تاریخ تو کہی جائے گی مگر وہ کسی مجدد کی تاریخ نہ بن سکے
گی ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شان تجدید پر محققانہ گفتگو کی
جائے یہ تنقید و تبصرہ نہیں بلکہ اپنی رائے ناقص کا اظہار ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

---

(۸) اعلحضرت کے عہد زندگی پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے انداز
سے گفتگو کی ہے لیکن وہ کیا نہ تھے میری نگاہ میں اعلیٰ حضرت
چمنستان علم و ادب کے ایسے شاداب و بے مثل گلدستہ تھے جسکی وجہ
سے انہیں مجمع محاسن اور جامع کمالات کہا جاسکتا ہے متبحر عالم علیم فاضل
مفتی دوراں مناظر اعظم فقیہ زماں ماہر فلکیات جامع معقول و منقول
آفتاب شریعت ماہتاب طریقت غرض کہ عربی گرامر سے لے کر ادب معانی
و بیان و بدیع فقہ تفسیر و حدیث منطق و فلسفہ علم جفر تکسیر ہیئات و ریاضی
سب پر یکساں نگاہ تھی اور ہر ایک میں ایسی دستگاہ کامل حاصل تھی کہ کوئی
ہم عصر اس باب میں آپ کا ہم پلہ نہیں لیکن ان تمام محاسن کے ساتھ ایک
اور بھی ایسی وہبی و وجدانی طاقت قدرت کی طرف سے ودیعت تھی جو اعلیٰ حضرت
اور آپ کے دوسرے ہم عصر علماء کے درمیان خط فاصل کھینچتی ہے وہ
ہے آپ کا مجدد کامل ہونا۔

---

(۹) ایک مجدد کی تاریخ کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس
کے گرد و پیش کے ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جائے تاوقتیکہ اسکے صحیح ماحول کا
اندازہ نہ ہوسکے اس وقت تک اسکے کار تجدید پر بحث کرنی دشوار ہوگی
اعلحضرت کی زندگی کا خلاصہ یا نچوڑ احقاق حق و ابطال باطل ہے زندگی

> ★ سرور کائنات کا فرمان گرامی ہے کہ پروردگار عالم ہر صدی
> کے آخر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا
> اور قوم کو بھولی بسری باتوں کو یاد دلاتا ہے۔

سے مراد آپ کی تصنیف و تالیف، تقریر و تحریر اور وہ روایات جو
یکے بعد دیگرے خصوصی ہم تک پہنچی ہیں جہاں تک رد وہابیہ کا تعلق ہے اس
میں اعلحضرت کے متقدمین میں علامہ فضل حق خیر آبادی مولانا
فضل رسول بدایونی کا نام بھی لیا جاسکتا ہے لیکن علامہ فضل حق کی
تاریخ پر ان کا مجاہدانہ کردار اتنا غالب ہے کہ زندگی کے دوسرے
نقوش کا نگاہ اولیٰ ہی جائزہ لے سکتی اور مولانا فضل رسول کی زندگی پر

تصوف وکشف وکرامات کی ایسی حسین غلاف چڑھی ہے کہ زندگی کے دوسرے نقوش خود بخود اس میں گم ہوجاتے ہیں علامہ فضل حق خواص کی نگاہ میں ایوان معقول کے شکسپیئر سمجھے جاتے ہیں اور تاریخ میں طبقہ کی نظر میں آزادی ہند کے تاجدار اول تصور کئے جاتے ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی علماء کے طبقہ میں جید عالم اور عقیدتمندوں کی جھرمٹ میں مرشد کامل کی جگہ پاتے ہیں لیکن امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب عالم شریعت، شیخ طریقت متعلم ومعلم راعی ورعایا، حاکم ومحکوم ایک پروفیسر ورنسپل سے لیکر تاجر ومزدور تک کی نگاہ میں مجدد کامل سمجھے جاتے ہیں۔

---

(۱۰) میں نے منقدمین کی فہرست میں کسی اور کا اضافہ اس لئے نہیں کیا چونکہ اصول موازنہ کا آئینی تقاضہ ہے کہ نقاد کا نقاد سے طبیب کا طبیب سے اور پروفیسر کا پروفیسر سے موازنہ کیا جائے غرض کہ دو ایسے مقابل جو کسی ایک وصف میں شریک ہوں یا امکان شرکت ہو ایسی ہی شخصیتوں کو ایک دوسرے کے مقابل لایا جاسکتا ہے۔ چونکہ اعلیحضرت کے کارتجدید میں نمایاں پہلو عقائد باطلہ کی تردید کو حاصل ہے اور اس بارے میں اگر کسی کو آپکا شریک وسہیم قرار دیا جاسکتا ہے تو علامہ فضل حق اور علامہ فضل رسول بدایونی کو لیکن ان دونوں کی زندگی میں یہ حصہ جزوی حیثیت سے نظر آتا ہے اور اعلیحضرت کی پوری زندگی احیائے سنت اور ردو ابطال کی آئینہ دار ہے یہ موازنہ من حیث تجدید نہیں ہے بلکہ محض رد وہابیہ کے مخصوص شعبہ سے متعلق ہے ـــــ

امام اہلسنت کا کارتجدید ۱۴ برس کی عمر سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ اوائل عمر میں جو داغ بیل ڈالی گئی زندگی کے آخری حصہ میں پروان چڑھتی رہی۔ اللہ اکبر نہ پوچھئے اس مرد حق کی مجاہدانہ تاریخ کہ زمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے مگر شیر حق کی ایک گرج نے زمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

(۱۱) فرنگی محل کی عظیم ترین شخصیت جس کو آثار السلف کہا جاسکتا ہے حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی سیاسیات کا بہتا ہوا دھارا نہ سمجھ سکے جس وقت ہندوستان کے محبوب لیڈر مولانا محمد علی اور انکے دوسرے حوارین تحریک خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ اور کانگریس کے مایہ ناز لیڈران بھی ترکی وبرطانیہ جنگ کے احتجاج میں ہندی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے ایسے نازک وقت میں حضرت مولینا عبدالباری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریک خلافت کے ایک جزو بن گئے تھے لیکن اعلیحضرت کی عاقبت اندیش نگاہ مستقبل سے ناآشنا نہ تھی چنانچہ حضرت صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کو وحید عصر حضرت مولینا عبدالباری صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت گرامی میں بھیجا گیا کہ مولینا اپنے الفاظ سے رجوع فرمالیں قربان جایئے ان حق پرستوں کی للّٰہیت پر کہ نہ تو توبہ لینے والے کو کسی قسم کی شرم وعار یہ ہے اعلیحضرت کی وہ جرأت بیباک جس کے سامنے اکابر علماء کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

---

(۱۲) اگر ایک طرف مولانا شبلی نعمانی کا قلم آزاد خیال طبقے سے خراج عقیدت حاصل کررہا تھا تو دوسری طرف اعلیحضرت کا زور قلم علماء عرب وعجم کو دعوت فکر دے رہا تھا مگر قلم کی وہ پختہ کاری جو اعلیحضرت کی تصنیف وتالیف میں پائی جاتی ہے وہ دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ مولوی شبلی نعمانی کی تالیف سے سیرت النبی مایہ ناز تالیف ہے لیکن ارباب فکر ونظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ سیرت النبی میں مولانا شبلی نے مسئلہ معراج پر گفتگو کرتے ہوئے نفس روایات کا تسلسل باندھ دیا ہے مگر اس فیصلہ میں ان کا قلم خاموش ہے کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو آیا معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ ایک مؤلف کی بہت بڑی کمزوری ہے بلکہ ایسی صورت میں اسکی عدم تحقیق اس کا کتمان حق تصور کیا جاتا ہے اگر سیرت النبی میں واقعات کی فراہمی کو دخل ہوتا تو میں اس مسئلہ کو نہ

۔ چھیڑتا لیکن حضور کی ولادت سے متعلق ۹ ربیع الاول کی اپنی تحقیق پیش کرنا واقعۂ ہجرت پر گفتگو کرتے ہوئے غار ثور پر کبوتر کے انڈے دینے سے انکار یا معجزہ شق القمر کی روایات پر جرح کرنا وغیرہ اور مسئلہ معراج میں روایتوں کی فراہمی کے بعد اظہار حقیقت میں خاموش رہنا کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے کا مصداق ہے لیکن اعلیٰحضرت کے قلم میں نقل روایات کے ساتھ تحکم اور قوت فیصلہ کی بے پناہ طاقت موجود تھی۔ یہی وہ طاقت ہے جو دوسرے علماء کے درمیان اعلیٰ حضرت کو شرف امتیاز بخشتی ہے۔

---

(۱۳) بات بہت دور آگئی مقصود بحرف یہ ہے کہ اب اعلیٰ حضرت کو ایسے ماحول میں دیکھنا ہے جہاں تک کہ ممتاز لوگ اپنے اپنے علمی فضل وکمال کی داد لے رہے تھے البتہ ابتک میں نے جتنے نام پیش کئے ہیں ان میں کسی کو مجدد نہیں کہا گیا خواہ وہ مسٹر شبلی ہوں یا علامہ محمد علی یا حضرت مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ ان میں سے ایک مؤرخ ہے دوسرا سیاسی لیڈر اور تیسری ذات گرامی متبحر عالم اور شیخ طریقت ہاں ایک نام باقی رہ گیا جس کو ہندوستان کی ایک مخصوص ٹولی اپنا خانہ ساز مجدد تصور کرتی ہے وہ بہشتی زیور کے مؤلف مولوی اشرف علی تھانوی ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ تھانوی صاحب کا موازنہ کس حیثیت سے اعلیٰ حضرت سے کیا جائے۔

---

(۱۴) ہاں اگر پیر کی مخالفت کرنے والا مجدد ہو سکتا ہے تو تھانوی صاحب نے مسئلہ میلاد و قیام وغیرہ میں اپنے روحانی باپ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی مخالفت کی ہے اس نہج سے انہیں مجدد کہا جا سکتا ہے اگر آپ کی اصطلاح میں ایسے مؤلف کو مجدد کہتے ہیں جسکی عبارت میں نہ صرف ایہام توہین بلکہ رسول پاک کی کھلی ہوئی توہین ہو تو حفظ الایمان کے مؤلف شاتم رسول جناب تھانوی صاحب کو مجدد کہا جا سکتا ہے جس میں سرور کائنات کے علوم غیبیہ کو جانور پاگل مجنوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ العیاذ باللہ من ذلک۔ اگر آپکی اصطلاح میں مجدد ایسے مصلحت کو کہتے ہیں کہ جب تک زمین سازگار نہ ہو۔ کتمان حق کیا جائے اور اپنے عقائد باطلہ پر پردہ ڈال کر زمین کو جائے تو کانپور کی سرزمین پر تھانوی صاحب نے پہلے اسی اصول کو برتا ہے جیسے جیسے زمین ہوتی گئی شرک و بدعت کو رواج دینے

اللہ اکبر ذرا پوچھئے اس مرد حق کی مجاہدانہ تاریخ کہ سرزمین ہند پر نہ معلوم کتنے صاحب کمال آسمان بن کر چھائے تھے مگر شیر حق کی ایک گرج نے سرزمین ہند کی کایا پلٹ دی۔

لگے ـــــ اگر آپ کا یہی اصول ہے کہ دین میں نئی بات پیدا کرنے والا مجدد ہے خواہ بدعات و منکرات ہی کو رواج کیوں نہ دیتا ہو تو مجھے معاف فرمائیے ایسے مجدد کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبد العزیز کی ذات گرامی قرار نہ پائے گی بلکہ ایسے مجدد کا رشتہ تو ابوجہل اور یزید سے جوڑنا پڑے گا اور اگر تصنیف و تالیف کی کثرت و بہتات پر نگاہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بہت سے رسائل لکھے ہیں تو مصنف اپنے قلم سے پہچانا جاتا ہے اس اصول کے پیش نظر اعلیٰ حضرت کے دسترخوان کرم کے خوشہ چیں فقیہ اعظم مولانا امجد علی صاحب کی بہار شریعت اور تھانوی صاحب کی بہشتی زیور کا اگر موازنہ کیا جائے تو ادائے محض نہیں بلکہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ بہشتی زیور کے دس حصے پر کوئی نسبت کیا ایک نسخہ وزنی ہے بلکہ دس حصے کو بہار شریعت کے ایک حصہ سے کوئی نسبت نہیں اب میں آپ کی زبان عدالت کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جسکی معرکۃ الآرا تصنیف بہار شریعت کے مقابل نہ لائی جاسکے وہ

فتاویٰ رضویہ کے مقابل کس طرح لائی جاسکتی ہے جسکی ایک سطر میں علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ محفوظ ہے اب آپ ہی بتلائیے کہ اعلحضرت اور تھانوی صاحب کے درمیان وہ کونسا قدر مشترک ہے جسکی بناپر وہ ایک دوسرے کے مقابل لایا جاسکے۔

اسلئے جمہور علماء کا باتفاق رائے یہ آخری فیصلہ ہے کہ اعلحضرت بغیر کسی موازنہ کے اس صدی کے مجدد تھے۔ مگر یہ واضح رہے کہ اس آخری صدی کے مجدد کی شان ہی نرالی تھی پوری زندگی احیائے سنت اور فرقہ باطلہ کی تردید میں گزاری مگر نوک قلم پر کبھی ایسی بات نہ آئی۔ جس سے اشارتًا وکنایتًا یہ سمجھا جاسکے کہ یہ شخص اپنے کو مجدد کہلانا چاہتا ہے لیکن آج ایسے بھی صاحب قلم ہیں جو اپنی کتاب ہی کا نام تجدید و احیائے دین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی تاکہ ان کی جماعت کتاب کا نام ہی دیکھکر انہیں مجدد کہہ سکے۔

اے پروردگار عالم جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغزاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں اے کائنات کے پالنہار جب تک سمندر کی روانی اور سطح سمندر پر مچھلیوں کا کھیل کود ہو۔

اے خالق کائنات! جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل و نہار ہو!

اے رب کریم جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے پر بلبلوں کی نوا سنجی ہو! — اس وقت تک — آقائے نعمت سیدی مولائی تاجدار اہلسنت مجدد دین وملت مولٰینا شاہ عبدالمصطفیٰ محمد احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر تیرے رحم وکرم کے پھولوں کی بارش ہو —!

آمین ثم آمین

اپنی ذات میں ایک انجمن کا بقیہ

اخبار پوچھنا، ذہین ومحنتی طلبہ سے خاص انسیت اور ان کی ترقی کے اسباب فراہم کرنا، مسلک اعلیٰ حضرت پہ گامزن رہنے کی تاکید کرنا، بزرگوں سے ملنے کے آداب سکھانا۔ مہمانوں کی آمد پر بیحد خوش ہونا۔ اور اپنے ہاتھوں ان کی ضیافت کرنا۔ فرصت ملنے پر طلبہ کے اسباق کا جائزہ لینا۔ خارجی وقتوں میں کتابیں، مقالے، نعتیں اور غزلیں لکھنا، علماء ومشائخ کی خدمت کرنا۔ پورے ہندستان کے جلسوں، مذہبی تقریبات اور اعراس بزرگان میں بلاتعین نذرانہ شریک ہونا دنیوی حرص وہوس سے بالکل مبرا اور دین ومسلک کے لئے اپنا سب کچھ نثار کردینا۔

حلیہ۔ لانبا قد، مناسب اعضاء، گندمی رنگ، خوبصورت چہرہ، کشادہ پرنور پیشانی، اونچی ناک، بڑی اور گھنی داڑھی، چمکدار دانت، دلنواز تبسم، لباس نفیس وپاکیزہ۔ لیکن سرتاپا سفید، کپڑے کی بنی ٹوپی۔ کرتے کے اوپر سفید صدری یا سفید شیروانی۔ پاؤں میں جے پوری جوتا۔ وضع قطع سے اسلاف کی یادگار، چہرے، مہرے اور رفتار وگفتار سے عالمانہ شان وضاحت ظاہر ہوتی۔

اولاد۔ اناث وذکور میں سے کوئی نہیں۔ خاندانی اعتبار سے بہت بلند۔ آباء واجداد کا اشراف میں شمار۔ علم ظاہر وباطن کا ایسا سنگم جہاں پر تشنہ لبوں کو آسودگی کی دولت گرانمایہ ملتی تھی، دنیائے سنیت کا وہ مذہبی رہنما جس نے دین ومسلک کے لئے اپنا سب کچھ تج دیا اپنی طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۹۱ء بروز پیر، وصال غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنی آنکھیں بند کر کے رب سے جاملا۔ اور دارالعلوم غریب نواز کے ہال میں مدفون۔ الاسترجاع

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
شبنم نورستہ اس گل کی نگہبانی کرے

پاسبان ملت کی انفرادیت

علامہ شبنم کمالی دربھنگہ

پاسبان ملت، خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ سے میری پہلی ملاقات اپریل ۱۹۵۶ء میں اپنے مولد و مسکن موضع پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (بہار) کے ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوئی، دو دن یہاں ساتھ رہنے کا موقعہ ملا، پھر اسی سے متصل مدرسہ مظہر العلوم اسلام پور چھپوا ضلع مدھوبنی (بہار) میں تبلیغ سیرت کانفرنس کے سہ روزہ اجلاس میں ان کی رفاقت کا موقعہ حاصل ہوا۔ اس وقت میں اسی مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت درس انجام دے رہا تھا۔ اس طرح پانچ دن مسلسل ان کے ساتھ گذارنے کی سعادت میسر ہوئی اس کے بعد بیسیوں جلسوں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، پھر "پاسبان" میں مضمون نویسی، نعتوں کی اشاعت اور دیگر معاملات کے ضمن میں مراسلت بھی ہمیشہ جاری رہی، یہانتک کہ آخری ملاقات جامعہ قادریہ مقصود پور مظفرپور کے جلسۂ دستار فراغت میں ہوئی۔ یہ جلسہ ۱۹۸۸ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس وقت بھی نظامی صاحب ایک طویل علالت سے شفا پاکر کمزوری اور احتیاط کی منزل میں تھے۔ ان کو اس جلسہ میں حصول برکت ہی کی نیت سے بلایا گیا تھا، پھر بھی مولانا نے کچھ تقریر فرمائی اور یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے حیات کے ساتھ صحت بھی بخشی تو وعدہ کرتا ہوں جامعہ قادریہ کے آئندہ جلسۂ فراغت میں پھر حاضری دونگا۔ اور اس ادھوری تقریر کو مکمل کرسکونگا، لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو رات میں سوا نو بجے آل انڈیا ریڈیو نے علامہ نظامی کے وفات کی خبر نشر کی، اور عالم سنیت کو یہ خبر سوگوار کرگئی۔

فرق مراتب:- ہادی عالم، رہبر اعظم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت طیبہ، اعلان رسالت، اور تبلیغ نبوت کے بعد ہر دور، ہر صدی اور ہر عصر میں لاکھوں صاحب ایمان پیدا ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح مومنین کرام کا سلسلہ جو حضور کی تشریف آوری کے بعد سے جاری و ساری ہے انشاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا لیکن منصۂ شہود پر تاباں اور درخشاں ہونا ہر شخص کے نصیب میں نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ مستقبل ہی میں اس کا تصور کیا جاسکتا ہے پھر تاباں اور درخشاں ہونے والوں کی حیثیت بھی یکساں نہیں رہی، کوئی کہکشاں کا حسن و جمال لے کر ذرہ ذرہ ہوا تو کوئی نجوم و کواکب کی طرح تابانی کا مظہر ہوا، کوئی ستاروں

کی بزم میں نمایاں اور ممتاز ستاروں کی درخشانی لے کر جلوہ گر ہوا تو کوئی بزم ماہ سے ہلال و قمر اور بدر کا حسن دل افروز لے کر آشکارا ہوا، انتہائی خوش نصیب وہ ہے جو آفتاب عالم تاب کی طرح جلال و جمال اور فضل و کمال کا پیکر بنکر بزم عالم کے لئے فیض رساں ثابت ہوا۔ یہ اپنی اپنی قسمت اور اپنا اپنا مقدر ہے

پھر یہ امر بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں ممتاز اور سربلند ہونے والے حضرات کسی ایک ہی فن یا ایک ہی صفت میں، اجتماعی طور پر ممتاز نہیں ہوئے کوئی شجاعت میں تو کوئی سخاوت میں کوئی صداقت میں تو کوئی عدالت میں، کوئی حکومت میں تو کوئی خُلق و مروت میں الگ الگ ممتاز ہوا۔ پھر آگے بڑھئے تو کوئی حسن و جمال میں تو کوئی فضل و کمال میں کوئی جود و نوال میں تو کوئی رعب و جلال میں کوئی علوم و اعمال میں تو کوئی کثرت اموال میں اور حسن خصال میں نمایاں اور سربلند ہوئے انہیں ذاتی جد و جہد سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و کرم کا دخل ہے

امتیاز اور شہرت کے اسباب

اب ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ دور یا عصر کوئی بھی ہو صفت یا خصلت کوئی بھی ہو انسان اپنے معاصرین، رفقاء، احباب اور ہم جماعت میں ممتاز کب ہوتا ہے؛ عظمت و سربلندی کا تاج زریں اس کے سر پر کب جگمگاتا ہے؟ غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اوصاف و اعمال اور اقوال و کردار میں انفرادیت و خصوصیت ہی عوام و خواص میں کسی کے مشہور و ممتاز ہونے کا سبب بنتی ہے مثال کے طور پر سخی تو بہت سے ہوا کرتے ہیں لیکن جو سخاوت میں اقدار انسانی کی بلندیوں کو چھولے بلکہ طاقت انسانی کی اس انتہا تک پہنچ جائے جہاں تک اس عہد میں کوئی نہیں پہونچ پایا

تو وہ اپنی انفرادیت کے سبب ممتاز اور مشہور ہو جائیگا

دوسری مثال یوں لیجئے کسی یونیورسٹی کے ایک ہی امتحان میں سینکڑوں طلباء شریک ہوئے لیکن ان ہی میں ایک اتنا بہتر اور اتنا زیادہ نمبر لایا کہ اس کے علاوہ کوئی بھی اس سال اس امتحان میں نہیں لاسکا تو وہ اس لحاظ سے منفرد ہوگیا اور اسکی انفرادیت اسکی شہرت اور امتیاز کا باعث بنی۔ اسی طرح آپ ہر وصف اور ہر عمل میں بہت سی مثالیں خود بھی اخذ کرسکتے ہیں ظاہر ہوا کہ انفرادیت ہی امتیاز اور شہرت کا مقام عطا کرتی ہے خواہ وہ ولایت میں ہو یا کرامت میں، اشاعت دین میں ہو یا فروغ علم میں تقریر میں ہو یا تحریر میں، حق گوئی میں ہو یا بے باکی میں خطابت میں ہو یا صحافت میں، تنظیم میں ہو یا تعمیر میں جد و جہد میں ہو یا ایثار میں حسن اخلاق میں ہو خوبی کردار میں علیٰ ہذا القیاس

تمہید بالا کی روشنی میں حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور کارناموں پر غور کریں تو معاصرین علماء اور احباب زمانہ کے درمیان بہت سے اعمال و اوصاف میں انکی انفرادیت روز روشن سے زیادہ نمایاں نظر آئیگی ممکن ہے یہ خوبیاں اور یہ اوصاف اس عہد کے کچھ اور لوگوں میں پائی گئی ہوں یا پائی جائیں تو کم و بیش کے فرق کے ساتھ وہ بھی ممتاز و مشہور نظر آئیں گے پھر بھی آغاز و ابتدا اور جذبہ خلوص کے اعتبار سے جو انفرادیت علامہ نظامی میں پائی جاتی ہے وہ معاصرین میں نظر نہیں آتی

میں اپنی معلومات کی روشنی میں وثوق و اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ علامہ نظامی کی حیثیت ایک مخلص رہبر و رہنما کی تھی جو اپنے عزیزوں، رفیقوں اور اپنے دور کے عالموں کو ہر حیثیت سے سرفراز اور بلند رتبہ دیکھنا چاہتے تھے

خطیب مشرق

علامہ نظامی کو ان کے ہمعصر علماء اور رفقاء "خطیب مشرق" کہتے تھے ابتدا میں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر ایسا کیوں ہے لیکن انکی قربت اور انکی بہت سی تقریریں سننے کے بعد اس لقب کی معنویت کا اندازہ ہوا وہ اسطرح کہ علامہ اقبال کے عہد میں شعراء کی کمی نہیں تھی مگر شاعر مشرق کا لقب صرف اقبال ہی کو دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی شاعری میں فلسفہ خودی، فلسفہ تصوف اور فلسفہ اسلام کے سہارے پوری قوم مسلم کو اصلاح کا سبق دیا تھا ظاہر ہیکہ قوم مسلم کا مصدر اور مرجع مشرق کے ممالک ہیں مغربی ممالک ہرگز نہیں۔ اس لئے شاعر مشرق کا لقب اس کے لئے موزوں اور مناسب ہوا۔ علوم مشرقیہ اور تہذیب مشرق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں (اقبال کی شاعری میں ان اشعار سے میں قطعی متفق نہیں جن میں بارگاہ الٰہی میں شوخی کا اظہار کیا گیا ہے یا جو اشعار اعتدال سے گذر گئے ہیں)

علامہ نظامی ایک متبحر عالم اور ادب شناس مومن تھے اس لئے کفر و ایمان کے حد فاصل پر غائرانہ نگاہ رکھتے ہوئے اپنے عہد کے عام مقررین کی روش سے ہٹ کر ایک الگ راہ نکالی۔ علوم مشرقیہ منطق و فلسفہ، علم کلام، عقائد، تصوف، نحو، معانی اور بیان کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہوکر چمکتے ہوئے موتیوں کو جمع کیا اور نہایت آسان پیرایہ میں عوام و خواص کو قرآن و حدیث کے رموز و نکات بتائے پھر عقائد و اعمال کی اس طرح اصلاح فرمائی کہ ہر اہل نظر کو حق و باطل کی تمیز ہوگئی۔ انکی تقریروں کا یہی انداز ہمیشہ رہا۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالمانہ اور محققانہ انداز انہیں منفرد ثابت کرتا رہا اس لئے خطیب مشرق کا لقب واقعی انکے شایان شان رہا

ایک جلسہ کی تقریر

حضرت علامہ مفتی محمد انیس عالم صاحب کے اہتمام سے ایک عظیم الشان جلسہ آج سے ۳۰ سال پہلے ہوا تھا مقررین میں جہاں حضرت محدث اعظم ہند، مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری، حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب مفتی اعظم کانپور اور دیگر اکابرین علماء تھے وہیں سامعین میں جامع معقولات و منقولات حضرت مولانا مقبول احمد خاں صاحب قادری اور مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ کے دیگر اساتذہ کرام بھی موجود تھے۔ یہ جلسہ موضع سوبھن ضلع دربھنگہ میں ہوا تھا

علامہ نظامی نے اپنی تقریر کے دوران حضرت مولانا مقبول احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام ادب کے ساتھ لے کر مخاطب کرتے ہوئے منطق و فلسفہ کے رموز و نکات پیش کر کے اپنی گفتگو مدلل کرتے رہے اور انکی دعاؤں کے طالب ہوئے۔ مولانا نے انکی تقریر بے حد پسند فرمائی اور دعائیں دیں۔ یہ انداز بیان میں نے کسی اور مقرر کا نہیں دیکھا گویا نظامی صاحب کی اس تقریر میں انفرادیت اوج پر نظر آئی۔ یہی صفت کم و بیش ان کی ہر تقریر میں نمایاں دکھائی دیتی تھی۔ وہ اہم سے اہم اور دشوار ترین مسئلہ کو آسان پیرایہ اور سہل انداز میں پیش کر کے سامعین کو ذہن نشین کرا دیتے تھے۔

تصنیفات

سنی بریلوی جماعت میں کوئی بھی اہل قلم مجھے ایسا نظر نہیں آتا جس نے مودودیت اور دیوبندیت کے فتنہ کے دور میں نظامی صاحب سے پہلے اپنے بچوں کی ابتدائی نصابی کتابوں کے بارے میں سوچا یا لکھا ہو جبکہ مودودی، وہابی اور دیوبندی جماعت کی جانب سے بہت سی کتابیں لکھی جاچکی تھیں اور بچپن ہی سے کورے، سادے کاغذ پر بدعقیدگی کے نقوش کو ثبت کرنے کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا اور ہماری جماعت میں بھی وہ کتابیں لوگ بڑے ہی ذوق و شوق سے اپنے بچوں کو پڑھانے لگے تھے علامہ نظامی کے دل میں اس کا درد

شدت کے ساتھ محسوس ہوا اور ادب و دینیات پر ہمارے بچوں کے لئے نصابی کتابیں لکھیں اور شائع فرمائیں

ان کا یہ جذبہ اور یہ عمل انکو اپنی جماعت میں منفرد ثابت کرتا ہے بعد میں دوسرے لوگوں نے انکی تقلید یا پیروی کی اس لئے ابتدائے تصنیف اور اظہار خیال کے اعتبار سے ہر حال انکو انفرادیت حاصل ہے علامہ نظامی کی تصنیفات میں "قہر آسمانی"

خون کے آنسو انکشافات، دیوبند کا نیا دین، شیش محل اور ہند کے راجہ بھی ہیں۔ سبھی ندرت تحریر، جودت بیان اور تحقیقی ہو کے اعتبار سے قابل قدر ہیں لیکن میری بحث ابھی "خون کے آنسو" نامی کتاب سے ہے اگر ناظرین کرام نے اس کتاب کے دونوں حصے ملاحظہ فرمائے ہوں یا آپکے پاس محفوظ ہوں تو دیکھکر اندازہ کیجئے کہ یہ اپنی نوعیت اور انداز بیان کے اعتبار سے ہمارے مسلک کی پہلی کتاب ہے جسکی تقلید بعد میں دوسرے لوگوں نے کی گویا تردید مکاید وہابیہ کا سنجیدہ اور پسندیدہ انداز اور اس طریقے کے رہنما علامہ نظامی ہی ہیں اس لئے میں اپنی معلومات کے اعتبار سے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں الفضل للاول کی مصداق علامہ نظامی کی ذات گرامی ہے اسی طرح انکی دوسری تصانیف بھی اہل علم معاصرین حضرات کو تحقیق و تحریر کی نئی راہ دکھاتی رہی

رسالہ پاسبان اور تاجدار اخبار پاسبان کے نام سے ماہنامہ نکالنے میں بھی اپنے انداز خصوصی کے اعتبار سے معاصرین میں علامہ نظامی کو اولیت حاصل ہے اب تحریر کے انداز قدیم سے دور جدید کے اصحاب علم غیریت سی محسوس کرنے لگے ہیں یا اسے امر دشوار سمجھکر نظر انداز کرنے لگے ہیں ایسے عالم میں اپنی جماعت میں نئے اسلوب اور نئے انداز کیساتھ آسان پیرایہ میں مضامین لکھنے والوں میں علامہ نظامی کا نام بھی سرفہرست آتا ہے اور رسالہ پاسبان کی ادارت واشاعت کے اعتبار سے تو انہیں اولیت کا مقام حاصل ہے پھر جتنے بھی رسالے نکالنے اور شائع کرانے شروع کئے انکی حیثیت ثانوی ہے

رسالہ پاسبان کی اشاعت اور اسکی حیات وبقا کا مسئلہ انتہائی دشوار کن ضرور رہا کبھی پاسبان کو بمبئی سے بھی شائع کرانے کی نوبت آئی جبکہ اول وآخر الہ آباد کی منزل رہی اس کے مرکز اشاعت اور دفتر کو بدل کر بمبئی لے جانا پھر واپس لے آنا سخت دشواریوں کا باعث تھا دشواریاں اپنی جگہ درست مگر اس کے ذریعہ نظامی صاحب نے اپنے معاصرین کو جو نئے انداز میں رغبت دلائی اور انکو ایک نیا رجحان دیا یہ اپنی مثال آپ ہے اسی طرح بمبئی سے اخبار "تاجدار" نکالکر اپنی ادبی وصحافی صلاحیت کا بلند ترین نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ـــ

علامہ نظامی نے جہاں "پاسبان" کے بہت سارے خصوصی نمبروں کو نکال کر اپنے اکابرین کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا ثبوت دیا وہیں معاندین اور مخالفین کی ہرزہ سرائی اور گمراہ تحریروں کے جواب کے لئے بھی نمبر شائع کیا "کربلا کا مسافر" "خلافت معاویہ ویزید" نامی کتاب کا بہترین رد ہے جسے پاسبان کے زیر اہتمام شائع کیا گیا پھر پاسبان کا ہر شمارہ جہاں اپنے لوگوں کے ایمان وعقیدہ کے استحکام کی صورتیں پیدا کرتا رہا وہیں مخالفین کے فتنہ وشر کا علمی وادبی انداز میں رد کر کے اپنے کو محفوظ بھی کرتا رہا

مسلک کا درد اس لحاظ سے بھی بعض باتوں میں ان کو انفرادیت حاصل ہے جسکی زندہ مثال انکی قائم کردہ "سنی تبلیغی جماعت" ہے اگرچہ اس نام پر بعض لوگوں کو اعتراض بھی رہا کہ کوئی دوسرا نام بھی رکھا جا سکتا ہے، مگر الیاسی تبلیغی جماعت کا فریب اسقدر بڑھ چکا تھا کہ اسکی کاٹ کے

لئے اور سنی مسلمانوں کو اس کے زہر ہلاہل سے محفوظ رکھنے کی خاطر اس جماعت کے شروع میں صرف لفظ سنی بڑھا دینا ہی کافی تھا اور اس کے لئے جواز پہلے ہی موجود تھا جس طرح جمیعۃ العلماء کے شروع میں "سنی" کا اضافہ کرکے "سنی جمیعۃ العلماء" کا قیام پہلے ہو چکا تھا اسی طرح تبلیغی جماعت کے شروع میں لفظ سنی کا اضافہ ضروری سمجھا گیا۔ اس کا اثر بھی ہوا لیکن تنہا نظامی صاحب ہی پورے ہندوستان میں جاکر ہر جگہ یہ کام تو انجام نہیں دے سکتے تھے اگر کوئی رہنما راہ دکھلا دے یا راہ پر چلنا سکھا دے تو اب یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ وہی چلتا پھرتا دکھائی دے لیکن اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ اس نام نے وہابیت، دیوبندیت اور بریلویت کے فرق کو واضح کر دیا اور اگر ہم لوگ یعنی سنی بریلوی حضرات باطل تبلیغیوں کی طرح عمل کے میدان میں گامزن نہیں رہ سکتے تو کم از کم ایسی جماعت کے ذریعہ سے ہمارے سنی عوام محفوظ تو رہ گئے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان اٹھیں اور اس طریقہ کو عملی طور سے بھی فروغ دینے کی سعی کریں

علامہ نظامی سنی جمیعۃ العلماء اور تبلیغ سیرت سے بھی کلیدی عہدوں کے ساتھ وابستہ رہے اسطرح پاکیزہ سیاست کو بھی مسلک کے درد کی خاطر اپنانے سے دریغ نہیں کیا ع

آفریں بر ہمت مردانہ تو

جس وقت دار العلوم غریب نواز

دار العلوم غریب نواز

کے قیام اور بنیاد کی خبریں رسائل اور اخبار میں پڑھنے میں آئیں میرے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ہمارے مدارس دینیہ تو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں ہی ان ہی میں سے کسی کو فروغ دینے کی بات کیوں نہ سوچی گئی ؟ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کی حاجت کیا تھی ؟ الہ آباد میں جب اپنے مسلک کا ایک قدیم مدرسہ جامعہ حبیبیہ پہلے ہی سے موجود ہے جس کے لئے حضور مجاہد ملت کی جانفشانی اور قربانی کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، پھر مجاہد ملت کے ساتھ نظامی صاحب کا گہرا تعلق اور عقیدت و محبت کا جذبہ بھی قابل قدر ہے ایسے عالم میں یہ مدرسہ کیوں قائم کیا گیا —— یہ خیال جہاں میرا تھا وہیں سینکڑوں حضرات بھی اپنے دل و دماغ کو اس خیال سے محفوظ نہیں رکھ سکے تھے اس الجھن کا جواب اس وقت تو نہیں لیکن بعد میں رفتہ رفتہ آتا گیا اور میں مطمئن ہو گیا، پھر یہاں بھی نظامی صاحب کی انفرادیت کا پہلو نمایاں نظر آنے لگا۔

ہمارے مدارس قائم تو بہت ہوئے اور ہوتے ہیں مگر کچھ اغراض فاسدہ کو لیکر صرف مکتب بن کر رہ جاتے ہیں اور کچھ اراکین کے اختلافات کی بنا پر دم توڑ دیتے ہیں کچھ ہی خوش نصیب مدارس ایسے ہوتے ہیں جو اپنے بانی اور مہتمم اول کی زندگی میں تعمیر اور تعلیم کے اعتبار سے جب فارغ پا لیتے ہیں تو بعد میں بھی اگر اچھے سرپرست اراکین، اور مدرسین مل جاتے ہیں تو وہ ترقی پاتے رہتے ہیں اور اپنا سابق معیار باقی رکھ پاتے ہیں

میرے خیال میں علامہ نظامی نے دار العلوم غریب نواز کی بنیاد دو اہم وجوہات کی بنا پر رکھی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ مدرسہ کے سلسلے میں جو وہ سوچ رہے تھے الہ آباد کا کوئی مدرسہ اس معیار کو پورا نہیں کر رہا تھا، اراکین اور اساتذہ کی طبیعتوں اور خیالوں کا تضاد بھی انکو مطمئن نہیں کر پا رہا تھا اس لئے وہ ان فکری قیود سے آزاد اور خود مختار ہو کر اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاکر ایسے ادارہ کا قیام چاہتے تھے جو تعمیری اعتبار سے بھی مستحکم ہو اور تعلیمی اعتبار سے بھی اعلیٰ ہو۔ دار العلوم غریب نواز قائم کر کے وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے اپنی حیات ہی میں تعمیر اور تعلیم کے معیار کو بلند کر دیا یہ بات وہ کسی دوسرے مدرسہ میں رہکر شاید نہیں کر پاتے۔

نظامی صاحب نے خود مختار رہکر دارالعلوم غریب نواز کی سرپرستی اور نگرانی کی رقوم کی آمد خرچ اور حساب وکتاب کا معاملہ مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ کے ذمہ رہا روپیہ اپنے پاس رکھنے سے اجتناب کیا پھر کامیابی وکامرانی قدم چومتی رہی

دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ مسلک اعلیٰحضرت وعقیدہ اہلسنت وجماعت کے ترویج واشاعت کیلئے زیادہ سے زیادہ طلبہ کا داخلہ قیام وطعام کے ساتھ کیا، اچھے سے اچھے محنتی اور صاحب صلاحیت اساتذہ کو خدمت درس کیلئے مقرر فرمایا، فروغ سنیت واصلاح عقاید کے پیش نظر مستحق طلباء جب بھی آئے انہیں کبھی واپس نہیں کیا۔

ایک مثال

میرے مدرسہ کے مدرس حضرت مولانا قاری عبدالمجید صاحب رضوی داخلہ کا وقت نکل جانے کے بعد اپنے علاقہ کے آٹھ طلباء کو ساتھ لیکر کسی پیشگی اطلاع کے بغیر نظامی صاحب کے ادارہ دارالعلوم غریب نواز میں پہنچ گئے مدرسین حضرات نے ان سے کہاکہ داخلہ کا وقت نکل چکا ہے اور طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہے اس لئے آپ حضرات علامہ نظامی صاحب ہی سے رابطہ پیدا کریں، مولانا عبدالمجید صاحب علامہ نظامی سے ملے اور اپنی پوری بات گوش گذار کردی، علامہ نظامی نے مولانا انوار احمد صاحب کو اپنے پاس بلایا اور آٹھ لڑکوں کے ساتھ مولانا عبدالمجید صاحب کی آمد کی بات کہی مولانا انوار احمد نظامی نے حقیقت حال بیان کرنے کے لئے صرف یہ کہا کہ داخلہ کا وقت بھی نکل چکا ہے اور طلبا کی تعداد بھی کثیر ہوگئی ہے یہ سنتے ہی علامہ نظامی نے فرمایا کہ چاہے جو بھی ہو ان آٹھوں بچے غریب نواز ہی میں رہینگے ان کا داخلہ قیام وطعام کے ساتھ کرلیا جائے۔

بہرکیف تمام لڑکوں کا داخلہ ہوگیا۔ مجھے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ علامہ نظامی کسی دوسرے مدرسہ کی سرپرستی کرکے یا کارکن بن کر یہ کام ہرگز نہیں کرپاتے۔ اختلافات ہوتے، اعتراضات ہوتے دل شکنی ہوتی یہ بات ایک خود مختار سرپرست ہی کرسکتا تھا جس نے مسلک ومشرب کی خاطر ہر طرح کی قربانی کا جذبہ لے کر دارالعلوم کی بنیاد رکھی ہو گویا یہاں بھی انفرادیت نمایاں ہے

علامہ نظامی کی سرپرستی وہدایت میں مولانا انوار احمد نظامی نے نظامی کی ذمہ داری کو مکمل طور پر انجام دیا نتیجہ کے طور پر آج دارالعلوم غریب نواز پورے ہندوستان کے سنی اداروں میں ایک مشہور ومعروف اور بافیض وبلند وبالامقام والا ادارہ بن گیا ہے

امام احمد رضا

یہ سچ ہیکہ اعلیٰحضرت کو "امام اہلسنت" پہلے ہی سے کہا جارہا تھا پھر علماء عرب نے اپنی تقریظوں اور تحریروں میں اعلیٰحضرت کو امام احمد رضا کے لقب سے یاد کیا تھا انکی تحریریں شاہد ہیں لیکن ہندوستان میں اردو زبان میں امام" کو اسم گرامی کا جز بناکر علامہ نظامی ہی نے پاسبان کے نمبر میں پہلے پیش کیا پھر اسی وقت سے لفظ امام اسم گرامی کا جز بنکر شہرت کی بلندیوں تک پہونچتا گیا گویا علامہ نظامی نے واقعی امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابویوسف، امام غزالی اور امام رازی کے صف میں امام احمد رضا کو لاکر ان کے اصلی مقام سے لوگوں کو روشناس کرایا پھر دوسرے لوگوں نے بھی اسے اپنے مضامین اور تصنیفات کا سرنامہ بنایا — "المیزان" کا امام احمد رضا نمبر اس کے لئے دلیل وشاہد ہے۔ پھر تو یہ سلسلہ چل پڑا۔ شاعر مشرق اقبال نے اعلیٰحضرت کو وقت کا امام ابوحنیفہ کہا تھا (امام احمد رضا نمبر) اور خطیب مشرق نے امام احمد رضا لکھ کر اس حقیقت کا برملا اظہار کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اکی راہ دکھادی

خردہ نوازی

علامہ نظامی ایک نہایت دوراندیش اور جوہر شناس مربی کی حیثیت رکھتے تھے کسی بھی

طالب علم کی لیاقت، صلاحیت اور اس کے اندر پوشیدہ جوہر کا اندازہ اس کے دور طالب علمی ہی میں فرمالیتے تھے پھر اسکی ہمت افزائی کرتے ہوئے بلندی کی منزل تک پہنچنے کے لئے صرف ترغیب ہی نہیں بلکہ معاونت بھی فرمایا کرتے تھے انکی مثال ایک ایسے ماہر فن اور تجربکار جوہری کی تھی جو خس و خشاک میں پڑے ہوئے جوہر کو پہچان لیتا ہے پھر اسکی صفائی اور اصلاح کے بعد تاباں اور درخشاں بناکر اہل نظر کے سامنے پیش کردیتا ہے مولانا انوار احمد نظامی سے لیکر اپنی وفات سے قبل تک سینکڑوں اشخاص کو جوہر قابل بنادیا جنہیں لکھنے کی صلاحیت پائی اسے اہل قلم بنادیا اور جنہیں تقریر کا جذبہ پایا انہیں خطیب العصر بنادیا کسی کو انداز تحقیق بتاکر محقق کی صف میں جگہ دلادی تو کسی کو درس کی تربیت دیکر مدرسین کی جماعت میں ممتاز کردیا

عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں پر تو سب کی نگاہ جاتی ہے یقیناً وہ حضرات قابل ستائش اور لائق تعظیم بھی ہے لیکن ایسے نوجوان علماء جو بس ابھی ابھی فارغ ہوتے ہوں انکو دارالعلوم میں جگہ دیکر انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس دلاکر، محنت اور مطالعہ کی رغبت دلاکر تفسیر و حدیث فقہ و ادب اور درس نظامی میں رائج علوم و فنون کا سب کو الگ الگ شیخ بنادینا علامہ نظامی کا

> پاسبان کے نام سے ماہنامہ نکالنے میں بھی اپنے انداز خصوصی کے اعتبار سے معاصرین میں علامہ نظامی کو اولیت حاصل ہے۔

انفرادی کارنامہ ہے انکی نگاہ انتخاب ہمیشہ نوجوان فارغین معلمین پر رہی پھر ذرہ کو آفتاب اور قطرہ کو دریا بنادینا ان کا شاندار کارنامہ تو ہے ہی خوردہ نوازی کی بہترین مثال بھی ہے اس طرح — اپنے دارالعلوم کے علاوہ بھی اپنے زیر اثر بہت سے مدارس میں سینکڑوں فارغین کو جگہ دلائی اور ماشاء اللہ سبھی کامیابی سے دوچار اور ہمکنار ہوئے۔

حرف آخر

معاصرین علماء اور احباب میں انکی یہ انفرادیت وہ ہے جو میرے علم اور سمجھ میں آسکی ان کارناموں کے علاوہ کچھ دیگر امتیازی اسباب بھی ہیں جو اخلاق و کردار، مہمان نوازی تعظیم سادات کرام، عظمت اکابرین، لباس و رہائش، خطوط نویسی اور زندگی گذارنے کے سلسلے میں ہیں مگر یہ تمام باتیں انکو اپنے عہد کے ممتاز لوگوں کی فہرست میں نمایاں طور پر ضرور لاتی ہیں لیکن انکی انفرادیت کو واضح نہیں کرتی ہیں اس لئے میں نے عمداً ان باتوں کا ذکر دوسرے عنوانات کے لئے چھوڑدیا

مختصر یہ ہے کہ وہ اپنے اخلاق جمیلہ اور کردار جلیلہ کے ساتھ ہی بعض اوصاف و اعمال میں انفرادی حیثیت کے حامل تھے اور آج بھی اپنی انفرادیت کے ساتھ اپنے محبوب ادارہ دارالعلوم غریب نواز کے ایک کمرہ میں بعد وفات آرام فرما ہیں اللہ عزوجل قبر سے حشر تک ان پر رحمت و نور کی بارش برساتا رہے آمین

شاہراہ عمل کا یہ مسافر حیات کی پرخار وادیوں سے گذرکر بھی تادم آخر مسرور و شادماں رہا اور اپنے عزیزوں، دوستوں اور معاصروں کو درس عمل دیکر رخصت ہوگیا میں بھی علامہ نظامی کی خدمت میں یہ شعر پڑھکر اپنی بات ختم کررہا ہوں

السلام اے پاسبان دین و ملت السلام
اے خطیب مشرق و مینار عظمت السلام



پیش کش

نذرِ پاسبانِ ملت

محمد بدرالزماں نوری
رضوی لورج مظفرپور

از قلم ـــــــ محمد امجد رضا خاں

اک زمانہ تھا کہ ہر سمت تھا جلوہ تیرا
لوگ کرتے تھے بہت شوق سے چرچا تیرا
آج کس موڑ پہ لائی ہے یہ میری قسمت
اشک آنکھوں میں ہے اور سامنے لاشہ تیرا

یہ اچانک تری رحلت سے پریشاں ہوں مگر
تم سے شکوہ، نہ گلہ ہے، نہ شکایت کوئی
دو قدم ساتھ میں چلنا تو گوارا ہی نہیں
عمر بھر کیسے نبھا پائے رفاقت کوئی



تیری یادوں کو بھلانا میں نے چاہا لیکن
تیرے کردار مجھے ایسا نہیں کرنے دیتے
حیف صد حیف نہیں بس میں یہ میرے ورنہ
تجھکو واللہ نظامی نہیں مرنے دیتے

زندگی کوئی کرے تجھ پہ بھروسہ کیسے
تیری ہر سانس پہ روتا ہے تو ہنستا کوئی
میں نے ڈھونڈا ہے بہت انکا مماثل امجد
پر نظامی کا مماثل نہیں ملتا کوئی

پاسبانِ ملّت اور
اُن کی شاعری

از — سید محمد اکمل اجملی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد

پاسبانِ ملّت مشتاق احمد نظامی کو الٰہ آباد سے جو تعلق ہے اس سے اہلِ علم و دانش کما حقہ واقف ہیں موصوف ضلع الٰہ آباد کے ایک دیہی علاقہ سرائے غنی قصبہ پھولپور میں پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے انھیں الٰہ آبادی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ جہاں مشہور عالم، بہترین مقرر و خطیب، مدرس و مناظر و متعدد کتابوں کے مصنف تھے وہیں ان کو شعر و شاعری سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ نظامی کی شاعری کو سمجھنے کے لئے الٰہ آباد کی ادبی و شعری تاریخ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس تناظر میں نظامی کی شاعری کی سمت اور اس کے مقام کا تعین کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ماضی بلا واسطہ یا بالواسطہ شاعر پر اثر انداز ہوتا ہے اور جس دیار میں ہوتا ہے وہاں کی فضا اسے ضرور متاثر کرتی ہے بلکہ وہی فضا اسے شاعر بناتی ہے۔ نظامی کے ساتھ بھی یہی ہوا اور انھوں نے الٰہ آباد سے بہت اکتساب فیض کیا جو ایک اہم ادبی مرکز کی حیثیت سے مشہور آفاق ہے۔

ہندوستان پر مسلم تہذیب و تمدن کے اثرات محمود غزنوی کے حملوں کے بعد ہی سے منضبط ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۱۹۲ء میں واقع ہونے والی ترائن کی لڑائی نے اور مسلم حکومت کے قیام نے یہاں کی فضا کو بہت متاثر کیا۔ اس جنگ کے غازیوں میں کثیر تعداد ہندوستان ہی میں بس گئی۔ ان کی زبان، ان کی تہذیب، ان کا تمدن قدیم کلچر اور قدیم زبان پر اثر انداز ہونا شروع ہو گیا۔ تیرہویں صدی میں ترکستان اور ایران سے صوفیائے کرام نے بھی ایک بڑی تعداد میں ہندوستان کی طرف ہجرتیں کیں اور اسلام کے پیغام اور دین متین کی تبلیغ کے لئے خانقاہیں قائم کرنی شروع کیں۔ جہاں عبادت الٰہی کے لئے مسجدیں رشد و ہدایت کے لئے عمارتیں اور ذہن سازی کے لئے مدارس بھی قائم کئے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی زبان اور ایک نئی تہذیب لیکر آئے۔ شمالی ہند بھی ان صوفیائے کرام کے قدم میمنت لزوم پڑے اور مختلف جگہوں پر انھوں نے علمی و دینی و روحانی مراکز بہ شکل خانقاہ قائم کئے۔ ضلع الٰہ آباد بھی ایسے بزرگوں سے خالی نہیں رہا۔ عہد قطب الدین ایبک میں سب سے پہلے کڑے میں حضرت سید قطب الدین مدنی غزنی سے آکر متمکن ہوئے اور اس خطہ میں دین متین کی تبلیغ کی اپنے وقت کے جید عالم اور مذہبی رہنما تھے۔ یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ حضرت موصوف کو شعر و سخن سے شغف تھا یا نہیں مگر صاحب تصنیف ہونے کے شواہد ملتے ہیں گو کہ کوئی تصنیف دستیاب نہیں۔ ان کے بیٹے اور پوتے قاضی و مفتی کے عہدوں پر فائز ہوئے انھوں نے یہاں ادبی ذوق بھی پیدا کیا۔ عہد خلجی میں حضرت شاہ کڑک مجذوب تشریف لائے۔ یہ ایک مجذوب تھے اور اپنے خیالات اکثر اشعار میں بیان کرتے۔ ان کا علاء الدین خلجی کو دعا دینے والا یہ شعر مشہور آفاق ہے ؎

ہر کہ آید بر سر جنگ
سر در کشتی تن در جنگ،

ان کے علاوہ مولانا ملال الدین مانک پوری، خواجہ دانش مند، مولانا حسام الدین مانک پوری، رابی حامد اور رابی نور وغیرہ کے نام تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں ان میں اکثر اپنے جذبات اشعار کے ذریعہ پیش کرتے۔ شاہ حسام الدین مانک پوری کا یہ شعر اپنے اندر ایک کیفیت رکھتا ہے ؎

میروی تودر رکابت میرود جان حسام
فی امان اللہ بردا ما اللہ خیر حافظا

عہد تغلق میں سید شاہ شعبان الملت نے جھونسی کو اپنا وطن ثانی بنایا ان کے پوتے سید تقی جھونسوی ہم عصر مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی اپنے دور کے اچھے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں ان کی یہ رباعی مشہور ہے ؎

رخصت ہستی بردر خماری باید کشید
عمر اندک ست بی بسیاری باید کشید
قطرۂ اشکم اگر شد بر سر مژگاہ گرہ
خوب شد غماز را برداری باید کشید

عہد لودی میں بھی یہاں دیہی علاقوں خصوصاً کڑہ و جھونسی و پھولپور میں اہل علم کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ شیخ سیدو کا نام بھی شہرت کے حامل ہے ؎

دل گویدم سیدو بگو احوال خود یک مرہ
آندم کہ خودی آمدا و سیدو کجا گفتار کو

عہد مغلیہ کا ابتدائی دور کسی بڑے شاعر یا ادیب کی نشاندہی نہیں کرتا مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ اس دور میں کوئی شاعر یا ادیب الہ آباد میں نہ رہا ہو۔ عہد اکبری میں قاضی یعقوب مانک پوری اور عہد جہانگیر کی مشہور شخصیت شیخ ابو المعالی لاہوری ثم الہ آبادی کے نام قابل ستائش ہیں۔ اوّل الذکر ہندی بحروں میں عربی زبان میں اشعار کہتے تھے اور آخر الذکر کی کتاب تحفۃ القادریہ مشہور ہے یہ بھی شاعر تھے۔

عہد شاہجہانی میں دیہی علاقوں کے علاوہ شہر میں بھی علماء و فضلا و شعرا کی اچھی خاصی تعداد ملتی ہے۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی شیخ کبیر کے نام سے مشہور ہیں اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں آپ نے وحدۃ الوجود خصوصاً شیخ اکبر کے خیالات کی توضیح کی ہیں۔ ان کے کچھ اشعار بھی مل جاتے ہیں ملا منیر لاہوری اور شیخ محسن فانی بحیثیت شاعر شہرت عظیم کے حامل ہیں۔ ملا منیر کا یہ شعر شہرت کا حامل ہے ؎

کس ایمنی از آفت ہمسایہ ندارد
ہر شعلہ کہ برخواست زدل بر جگر افتاد

محسن فانی کے اشعار اپنے اندر بڑی گیرائی اور گہرائی رکھتے ہیں ؎

آید ہمیشہ بوئے گل از آستیں مرا
دستم مگر بہ بند قبائے رسیدہ است

اسی عہد کے بزرگ شاہ عبد الجلیل الہ آبادی مرشد و مصنف ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے۔ ایک طویل مثنوی آپ کی یادگار ہے ؎

قطرہ من گم شدہ در بحر راز
پیش ازیں رازم نشاید گفتہ باز

عالمگیر اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کے عہد میں الہ آباد کی ادبی علمی و شعری فضا اپنے عروج پر تھی۔ اس دور کے الہ آباد میں سب سے اہم صاحب علم و دانش و شاعر حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی کی ذات ہمہ صفات ہے، جنھوں نے اپنا دائرہ قائم کر کے الہ آباد میں دائروں کو رواج دیا اور ان کے بعد تمام خانقاہیں دائرہ کے نام سے منسوب ہوئیں۔ ان دوائر نے علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں وہ اہل علم و دانش پر ظاہر ہے۔ خود آپ کے دائرے میں جو ادبی مرکز قائم ہوا وہ آپ کے بعد اپنے ارتقا کی جانب گامزن رہا اور ان کے اخلاف میں آج تک ادیب و شاعر پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت شیخ محمد افضل عظیم مرشد و رہنما ہونے کے ساتھ تقریباً سو کتابوں کے مصنف اور کئی مشہور کتابوں کے شارح اور فارسی کے ممتاز شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ میر سید محمد کالپوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ چونکہ میر صاحب کا تخلص حقیر تھا اس نسبت سے محقر تخلص اختیار فرمایا۔ پہلے شیخ تخلص فرماتے تھے مگر بعد ارادت شیخ منقطع کر دیا۔ اور محقر تخلص اختیار فرمایا۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کا مجموعہ آپ کے بھتیجے داماد اور جانشین حضرت شیخ محمد یحییٰ المعروف شیخ خوب اللہ الہ آبادی نے ترتیب دیا۔ ان کا یہ شعر زبان زد خواص و عوام ہے۔ اور سہل ممتنع کی بہترین مثال بھی ؎

> ٭ پاسبان ملت کی شاعری کا اساس بھی الہ آباد کا مزاج ہے عموماً ذہن میں کسی مولوی کی تصویر ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی خشک قسم کا انسان ہو مگر قدرت نے ان میں جہاں اور اوصاف ان کو عطا کئے وہاں شعر و شاعری کا بھی ملکہ انھیں عطا کیا تھا۔

نہ من قامت آں صنم دیدہ ام
قیامت بہ یک حرف کم دیدہ ام

حضرت شیخ محمد افضل کے اخلاف میں شاہ خوب اللہ الہ آبادی کلی۔ شاہ سعد اللہ عاصی۔ شاہ فیض اللہ افقر۔ شاہ باب اللہ چشتی، شاہ کمال الدین حقیر، شاہ محمد طاہر، شاہ محمد فاخر زائر، شاہ محمد ناصر افضلی، شاہ غلام قطب الدین مصیبت، شاہ محمد اجمل الہ آبادی، شاہ ابوالمعالی عالی، شاہ غلام اعظم افضل، سید شاہ علی جعفر، سید علی کبیر سید، سید شاہ محمد بشیر الہ آبادی تخلص بشیر جیسے علما اور فضلا اور شعرا گذرے خانوادہ افضلیہ کے علاوہ امیر خاں انجام، اسدیار خاں انسان، میر محمد افضل ثابت، میر محمد عظیم ثبات، شاہ محمد علیم حیرت، شاہ فیض اللہ افقر، شاہ محمد موسیٰ، شاہ محمد اعلیٰ نجف، بھگوان داس ہندی، بھکاری داس عزیز، شاہ محمد حسنین اشرف، شاہ تیمور الہ آبادی، امر اللہ الہ آبادی، شاہ غلام حسین مخروں کے علاوہ فارسی کے بیشتر شعراء الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ اور یہ سلسلہ سویں صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ ان شعراء کے اشعار سے اس دور کی فارسی شاعری کے عروج کا پتہ چلتا ہے

یحییٰ :- بہ تو خواب خوش مبارک بہ بساط ناز کردن
ہمہ شب بیا امیدی فن و نالہ ساز کردن

طاہر :- مگو با یار حرف نا ملایم
رگ گل طاقت نشتر ندارد

ناصر افضلی :- پردۂ نیلوفری بر روئے تاباں دیدہ ام
یا غلاف کعبہ یا زلف پریشاں دیدہ ام

شاہ اجمل :- شب نظر کردم کہ در آغوش من جانانہ بود
صبح چوں برخواستم دیدم کہ ایں افسانہ بود

عالی :- بے روئے تو ام جہاں خریں در تب و تاب است
اے جان جہاں خانہ دل بے تو خراب است

سید :- ز چشمان سیہ ست تو کافر
سیہ چشم غزالاں آفریدند

بشیر :- چوں شد خدمت عزت ما ہے
حور فرشتے شاہنشا ہے
شوخ تنگے سیم اندا مے
آہو چشمے تیر نگا ہے ،

اٹھارہویں صدی عیسوی میں ملک میں ایک ایسا سیاسی انقلاب آیا کہ اس کی لپیٹ میں لسانی فضا بھی آئی اور تقریباً سات سو برس سے جو فارسی کا چلن تھا وہ بھی زوال پذیر ہوا اور اس کی جگہ ایک نئی زبان رائج ہوئی جسے اردو کہا جاتا ہے۔ فارسی غیر معقول ہونے لگی اور اس کی جگہ اردو نے لے لی۔ اور وہ شاعر و ادیب جو اب تک صرف فارسی میں ہی شاعری کرتے یا اپنی تصانیف کے لئے فارسی زبان ہی منتخب کرتے وہ اردو کی طرف راغب ہوئے۔ ان میں بعض شعرا نے دونوں زبانوں میں اشعار کہے ان میں الہ آباد کے سب سے پہلے اردو شاعر شاہ محمد ناصر افضلی ہیں۔ ان کے علاوہ امیر خاں انجام، اسدیار خاں انسان اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو شاعری کے ابتدائی نمونے ان کے اشعار میں ملتے ہیں ؎

انجام :- تو دے فرصت کہ ہو لیں رخصت اے صیاد ہم
مدتوں اس باغ کے سائے میں تھے آباد ہم

زمین و آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر کر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا چھپا ہے

الہ آباد کی اردو شاعری کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کرنے کے بعد ہی یہاں کی ادبی روایت اور ارتقائی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے پہلا دور شاہ محمد ناصر افضلی، امیر خاں انجام اور اسدیار خاں انسان پر ختم ہوا جسکے نمونے دیے جا چکے ہیں۔ یہ اردو شاعری کا ابتدائی دور ہے جب نہ تو زبان ہی سدھری تھی اور نہ فکری اساس ہی بلند تھی۔ الہ آباد میں اردو شاعری

کا دوسرا دور اپنی سادگی اور بے ساختگی کے لئے مشہور ہے زبان صاف ستھری اور نرم لیکن اکثر جگہوں پر قدامت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس دور کے شاعروں میں شاہ غلام قطب الدین مصیب، شاہ محمد اجمل الہ آبادی، شاہ محمد علیم بیتاب محمد رفیع رفعت، خواجہ بخش اللہ خاں منتظر، مرزا الف بیگ فرحت، منشی سداسکھ لال نثار، بھکاری داس عزیز، شیخ غلام مرتضیٰ جنون، شاہ غلام حسین مخزوں، کاظم علی مفتون، معین الدین خاں معین، معین احمد معین، راجہ شیوکمار وفا، شاہ محمد وارث الہ آبادی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ شاہ غلام قطب الدین مصیب، شاہ اجمل الہ آبادی، شیخ غلام مرتضیٰ جنون، اور شاہ غلام حسین مخزوں کے کلام کے نمونوں سے اس دور کی شاعری کے محاسن اور اس کی خوبیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مصیب:۔ سیاہ بخت کے گھر کون ہے جو لائے چراغ
مرے مزار پہ جلتا ہے دل بجائے چراغ

شاہ اجمل الہ آبادی:۔ شب کو وعدہ ہے اس کو آنے کا
ڈوب اے آفتاب جلدی ڈوب

جنون:۔ مرا یار میرے ہی دل میں تھا
پھرا کوہ و دشت میں ڈھونڈھتا

مخزوں:۔ زمیں پر مت پٹک اسکو نہ ہے یہ سنگ نہ سل ہے
ارے او بے مروت یہ کسی کم بخت کا دل ہے

وارث:۔ پڑا ہے سنگدلوں سے مقابلہ دل کا
نہ ٹوٹ جائے میں ڈرتا ہوں آبلہ دل کا

الہ آباد میں اردو شاعری کا تیسرا دور بڑی اہمیت کا حامل ہے الہ آباد میں ناسخ لکھنوی کی آمد اور دائرہ شاہ اجمل میں کافی عرصہ قیام نے الہ آباد پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ یہاں کے شعراء کے یہاں سادگی کی جگہ تصنع، بیساختگی اور آمد کے بجائے نازک خیالی نکتہ آفرینی اور آورد نے لے لی۔ ناسخ سے متاثر شعراء کے علاوہ میر تقی میر، آتش، جرات اور مصحفی کے شاگردوں کی بھی ایک اچھی تعداد موجود تھی۔ ان میں شاہ ابوالمعالی عالی

> ★ پاسبان ملت کا محبوب بھی ایک ایسا محبوب ہے جسکے عشق میں نظامی سر سے پیر تک ڈوبے نظر آتے ہیں ان کا محبوب ان کی بلند نگاہ میں سمانے والا ہے اور ایسے حسن کا مالک ہے جو ہر دیکھنے والے بلکہ ہر محسوس کرنیوالے کو مرعوب و مغلوب کر لیتا ہے۔

کا نام سرفہرست ہے۔ آپ شاہ اجمل الہ آبادی کے بیٹے اور میر تقی میر کے شاگرد تھے۔

عالی:۔ خانہ خراب ہو اس چاہت کا دن کو چین نہ خواب شب کو
آنکھ لگی اک پل نہ ہماری جب سے تم نے دکھائی آنکھیں

ان کے علاوہ کمال مانک پوری شاگرد جرأت، شاہ امیر الدین شاغل شاگرد مصحفی، مرزا علی رضا رضا، میر اعظم علی اعظم، میر جعفر تابش، شاہ غلام اعظم افضل شاگرد ناسخ، شاہ محمد خان قدسی شاگرد آتش، اشرف حسین اشرف شاگرد تصدیق، اصغر علی اصغر، پرورش علی سخی، علی اکبر ہاشمی، سید شاہ علی کبیر معروف شاہ میرن جان سید شاگرد میر، مرزا محمد بیگ فدا، مولوی فصیح اللہ قائل وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔ میر، جرأت، مصحفی اور آتش و ناسخ کے شاگردوں کے اشعار کے نمونوں سے میری رائے کی توثیق ہوتی ہے ؎

سید:۔ ہزاروں پھرتے ہیں دیر و حرم میں آوارہ
ہمیں کچھ ایک ترے عشق میں خراب نہیں

(شاہ سید شاگرد میر)

دل کے ہر داغ کا ہے رنگ کچھ اے یار نیا
سیر کر تو بھی کہ پھولا ہے یہ گلزار نیا

(کمال شاگرد جرأت)

بیقراری سے مری آہ وہ آگاہ نہیں
جس کا میں چاہنے والا ہوں سے چاہ نہیں

(شاغل شاگرد مصحفی)

کوئی کرسکا دل نہ اپنا لہو
مرا ساتھ برگ حنا نے دیا
(اعظم علی اعظم شاگرد آتش)

یہ شرارے ہیں کہ آتے ہیں نظر آنکھوں میں
ساتھ اشکوں کے ہیں لخت جگر آنکھوں میں
(شاہ غلام اعظم افضل شاگرد ناسخ)

الہ آباد میں اردو شاعری کا چوتھا دور ۱۸۵۰ء سے ۱۹۰۰ء تک اردو شاعری کے عروج کا زمانہ ہے۔ ان چار اسکولوں کے شاگردوں نے اپنے اپنے اساتذہ کے رنگ کو فروغ دینے کے لئے بڑی کوششیں کیں۔ ناسخ کے شاگرد جنھیں بعد میں شاہ غلام اعظم افضل سے بھی اکتساب فیض کا شرف حاصل ہے الہ آباد کیا آئے کہ ناسخ کا دور زندہ ہوگیا اک بار پھر محفلیں سجنے لگیں۔ اس عہد کے مقبول شعراء میں محمد جان خاں حیرت، شاہ امین الدین قیصر، سید شاہ محمد بشیر، بشیر الہ آبادی، سید نذیر احمد نذیر الہ آبادی، وحید الہ آبادی، اکبر الہ آبادی، افسر الہ آبادی، عبد الکریم شرر، عباد علی نیساں، غلام مصطفے آثم، احمد علی احمد، نور الدین نور، لالہ سہج رام آساں، باقر جان باقر، میر زین العابدین، محمد خاں پریشان، محمد جعفر جعفری، اسرار علی جواد، جعفر علی جواں، قدرت علی جولاں، مرزا جان حبیب، احمد حسین رقم، صاحب علی صاحب، کمال الدین صنو، میر الہ آباد خواہش، مکھن لال عاشق، مدار بخش عیاش، تنانند فرحت، عبد القادر قادر، سید احمد خاں کامل، خوب اللہ قاصر، فتح علی ، مبارک علی مبارک، چندی سہائے مبتلا، باسط علی محوی، علی بخش مضطر، مہدی علی مہدی، سید محمد عسکری، ندیم برہان الدین نزہت، میر ضامن علی وجیہ، وزیر علی وزیر، شنکر لال وفا، محمد مراد خاں ولا، سید محمد مہدی ہادی، چندن سہائے علم و دلو کی نندن ہنر، قابل ذکر ہیں۔ چند شعراء کے نمونوں سے اس دور کی شاعری کا اندازہ ہوتا ہے ساتھ ہی ان نمونہ کلام سے میرے خیالات کی توثیق ہوسکتی ہے۔

فرشتے کی وہ دنیا ہے جہاں معصوم بستے ہیں
خطا تو پیارے ہوتی ہے ہمارے جیسے انساں سے

بحیثیت خطیب کا بقیہ

پیار تھا ـــ ہر چاہنے والوں سے آپ کو محبت تھی ـــ آپ کی محبتوں، عنایتوں اور نوازشات وکرم کی یادگار ہیں میدان صحافت میں حضرت ضیا جالوی اور حضرت مولانا میکائیل وغیرہ اور میدانِ خطابت میں خطیب ہند حضرت مولانا حسن رضا خاں' پی۔ ایچ۔ ڈی، پٹنہ اور حضرت مولانا جہانگیر عالم خاں بھاگل پوری وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

میدان خطابت کے اس شہسوار کی بارگاہ میں عقیدتوں کے اتنے

> حقیقت یہ ہیکہ حضور پاسبانِ ملت علیہ الرحمۃ کو خطابت کے میدان میں جو مقام حاصل تھا وہ بلا شبہ انہیں کا حصہ تھا۔ وہ خطیب ہی نہیں استاذ الخطباء تھے آپ نے کبھی یہ نہ سوچا کہ میرا فلاں مواد اگر کسی دوسرے مقرر کو ملجائیگا تو میں بے دست و پا ہو جاؤنگا۔

پھول برسانے کو جی چاہتا ہے کہ گلشن کے گلشن خالی ہو جائیں مگر اپنی کم مائیگی کے ساتھ قلت وقت بھی دامن گیر ہے ـــ یہ چند سطور ایسے وقت میں سپرد قرطاس کیے جا رہے ہیں جب میں دار العلوم قادریہ نوریہ بگھار ضلع سون بھدر یوپی کے لیے پا بہ رکاب ہوں ـــ انشاء اللہ مستقبل قریب میں حالات نے ساتھ دیا تو آپ کی شخصیت کے اس پہلو پر سیر حاصل گفتگو ہوگی۔

آخر میں ان دعائیہ کلموں کے ساتھ اپنی گفت گو کو ختم کر رہا ہوں کہ خداوند جب تک فلک کے چاند تاروں میں چمک اور مرغ زاروں میں پپیہوں کی ترنم خیز صدائیں گونجتی رہیں۔ جب تک سمندر میں روانی اور اس کی سطح پر مچھلیوں کا کھیل کود ہوتا رہے ـــ اس وقت تک حضرت پاسبان ملت کے مرقد انور پر رحمت وانوار کے پھولوں کی برسات ہوتی رہے ـــ ساتھ ہی رب کریم ان کے امثال فرمائے ـــ اور جملہ علماء اہل سنت سے وہ خدمات لے جس سے ان کو طمانیت وسکون حاصل ہو ـــ

کہتے کہتے عمر گزر جائے گی مری
ان کا بیان ہے کوئی داستاں نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
ساماں سو برس کے ہیں پل کی خبر نہیں

(محمد جان خاں حیرت)

خیال آیا جو اپنی سیاہ کاری کا
سفید ہو گئے مثلِ کفن مزار میں ہم

(شاہ امین الدین قیصر)

ہم پاؤں اٹھائے ہوئے صحرا میں چلیں گے
کانٹوں نے اگر بوجھ سنبھالا کفِ پا کا

(سید شاہ محمد بشیر الٰہ آبادی)

دردِ الفت مری بلا ہے نذیر
مر نہ جاتے تو اور کیا کرتے

(سید نذیر احمد اجملی الٰہ آبادی)

ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

(وحید الٰہ آبادی)

قتل سے پہلے ہے کلوروفارم
شکر ہے ان کی مہربانی کا

(اکبر الٰہ آبادی)

الٰہ آباد میں اردو شاعری کا پانچواں دور ۱۹۰۰ء سے شروع ہوتا ہے ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک نے جنم لیا، ہندوستان کی آزادی میں اس تحریک نے کیا اہم رول ادا کیا اس سے ہم سب واقف ہیں، اس تحریک کا اثر الٰہ آباد پر بھی پڑا اس تحریک سے غیر متعلق شعراء کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو قدیم شاعری کو سینے سے لگائے ہوئے تھی ان میں جلیل مانک پوری۔ نوح ناروی فراق گورکھپوری، واجد حسین واجد، میر نوازش حسین نوازش شاہ سید احمد اجملی سجادہ نشیں دائرہ شاہ اجمل الٰہ آباد، سید عبد الباسط لفتہ، شیخ رحمت اللہ رحمت، مرتضیٰ حسین شفق، اختر ہاشمی، محبوب حسین تحمل، حامد علی حامد، سید محمد متین متن، سید محمد عثمان محب، میر سجاد علی سجاد، مہدی علی ناصری، اعجاز حسین خاں اعجاز، ضامن علی ضامن، اللہ یار خاں برماں، سکھ دیو پرشاد بسمل سید محمد رضا بیدل، منتظر الٰہ آبادی، ابوالحسن توکل، تر بھون ناتھ شوق، حماد فاروقی، رحمت اللہ حدت، سراج الحق سراج، رنگین الٰہ آبادی، محمد متین شمسی، شعلہ کراروی، ضمیر قاسم، جمیل الٰہ آبادی تشفیق الٰہ آبادی، حبیب الرحمٰن اختر، محشر مرزا پوری، قمر الوری اور اس کے قبل کے متعدد شعرا کے نام قابلِ ذکر ہیں چند شعرا کے کلام کے نمونوں سے اس دور کی شاعری کے مزاج کا پتہ چلتا ہے ؎

منھ پھیر کے یوں چلی جوانی
یاد آگیا روٹھنا کسی کا

(جلیل مانک پوری)

گلستاں فصلِ گل میں لٹ رہا تھا
حنا آئی تمہارے ہاتھ کتنی

(نوح ناروی)

اس پرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے
کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی

(فراق گورکھپوری)

ناصری قبر پہ عبرت کیلئے لکھوا دو
طول کھینچا ہے یہاں تک نسبِ تہذیب نے

ترقی پسند تحریک نے الہ آباد پر بھی اثر ڈالا سجاد ظہیر صاحب کا الہ آباد آنا

اور ڈاکٹر اعجاز حسین و پروفیسر احتشام حسین کی موجودگی نے اس تحریک کو یہاں پنپنے میں بھرپور تعاون دیا اس تحریک سے متاثر ہونے والے شعراء میں تیغ الہ آبادی جو پاکستان جاکر مصطفیٰ زیدی ہو گئے ان کے علاوہ ڈاکٹر اجمل اجملی، شباب جعفری، محبوب اللہ مجیب، شکور جاوید وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ تیغ الہ آبادی بعد میں جدید شاعری سے متاثر ہوئے اور مصطفیٰ زیدی کے نام سے شاعری کرنے لگے ان کا یہ شعر بیحد مقبول ہے

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

اجمل اجملی کا شعری مجموعہ کلام سفرزاد کے نام سے شائع ہوا ہے جس پر اردو اکیڈمی لکھنؤ نے انہیں انعام دیا ہے ان کا یہ شعر بے حد مقبول ہے

چھوڑ آیا ہوں سلگتی ریت میں
جانے کیا کہتا ہے نقشِ پا مجھے

اس تحریک سے الگ رہ کر بہت سے شاعروں نے شاعری کی جنمیں اقبال ماہر، ماہر الحمیدی، مظہر نسیم، نغمہ الہ آبادی، اسلم شاہد، جوہر بجنوری، نصر قریشی اور حباب ہاشمی فضل نقوی، اقبال دانش قابل ذکر ہیں

۱۹۶۰ء کے قریب ترقی پسند شاعری کا زوال شروع ہوا اور جدید رجحان نے جدید شاعری کو جنم دیا الہ آباد میں شمس الرحمن فاروقی کی آمد نے سونے پر سہاگا کا کام کیا انہوں نے شب خون کا اجرا کیا اور دھیرے دھیرے ایک حلقہ ان کے قریب آیا ان میں حامد حسین حامد، ممدوح عثمانی، فرخ جعفری، انتخاب سید، اکمل اجملی، عبدالحمید ڈاکٹر سہیل زیدی، رئیس فراز، تنویر سامانی، افضل علی اور محمد مسعود کے نام قابل ذکر ہیں۔ نئی شاعری کے چند نمونے سے اس دور کی ادبی فضا سامنے آسکتی ہے

وہ ملا بھی تو غلط نام بتایا اس نے
اور ایک ہم کہ اسے اپنا پتہ دے آئے
(فرخ جعفری)

نام معلوم نہیں جس نے پتہ بھی نہ دیا
بہت دیر سے اس شخص کا دل ڈھونڈ رہا ہوں
(اکمل اجملی)

جدید شاعروں کے علاوہ بھی بہت سے شعرا آج بھی موجود ہیں اور بہت اچھی شاعری کر رہے ہیں نئی نسل میں جو کبھی کبھی جدید لہجہ میں بات کرتی ہیں۔ اور قدیم روایات کو بھی گلے لگائے ہوئے ہیں۔ ان میں احترام اسلام، اسلم الہ آبادی، ارمان غازی پوری، عتیق الہ آبادی، نیر عاقل نواب احسن، سراج اجملی کے علاوہ بہت سے شعراء ہیں۔ الہ آباد کی ادبی فضا آج بھی وہی ہے

حقیقت ہیکہ الہ آباد کے سلسلہ میں ہمیشہ تعصب برتا گیا ورنہ اگر الہ آباد کو بھی ایک دبستانِ شاعری کہا جائے تو غلط نہیں۔ اس شہر نے ادیب و شاعر ایسے ایسے پیدا کئے جو تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں

باہر سے آنیوالے شاعروں نے بھی یہاں رہ کر وہ مقام حاصل کیا جو انہیں تاریخ میں زندہ رکھیگا۔ ان میں فراق گورکھپوری کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ اسی شہر نے مصطفیٰ زیدی، محسن زیدی

اجمل اجملی، نوح ناروی اور اکبر الہ آبادی جیسے شاعر پیدا کئے اسی شہر نے مقبول احمد حمدی، حکیم احمد حسین، ڈاکٹر محمد اشرف، ڈاکٹر حفیظ سید، اعجاز حسین، مسیح الزماں، عقیل رضوی، احتشام حسین اور شمس الرحمن فاروقی جیسے نقاد پیدا کئے

غرضیکہ الہ آباد ہر دور میں ادبی و شعری مرکز رہا آج بھی اسے ایک اہمیت حاصل ہے اور ہمیشہ یہ سلسلہ قائم و دائم رہیگا یہاں کی ادبی فضا کو انجمنوں نے بیحد تقویت پہنچائی ان میں انجمن روح ادب پی ڈبلو اے انجمن اجملیہ تہذیب نو، بزم احباب اردو اسٹیڈی سرکل انجمن غور و فکر، دائرہ فکر و فن ادبستان وغیرہ قابل ذکر ہیں

انجمن روح ادب سر تیج بہادر سپرو کی مرہون منت ہے، پی ڈبلو اے ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں نے قائم کی، انجمن اجملیہ حضرت مولانا شاہ سید احمد اجملی سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل کی ادبی خدمات کا آئینہ دار ہے۔ تہذیب نو بزم احباب غور و فکر ادبستان بھی الہ آباد کے شاعروں اور ادیبوں کی کاوش کا نتیجہ ہے

پاسبان ملت مولانا مشتاق نظامی کی شاعری کی اساس بھی الہ آباد کا ادبی مزاج ہے عموماً ذہن میں کسی مولوی کی تصویر ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی خشک قسم کا انسان ہو مگر قدرت نے ان میں جہاں اور اوصاف ان کو عطا کئے وہاں شعر و شاعری کا بھی ملکہ انہیں عطا کیا تھا الشعراء ۱۶ یتبعون الغاؤن کی حقانیت اپنی جگہ پر مگر مولانا کی شاعری مولانا کی حیات کی غماز ہے آپ کے اکثر اشعار پر گمان ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی نعت کا شعر ہے لیکن حقیقت میں وہ غزل کا شعر ہوتا ہے ان کی شاعری غادیت کی اتباع سے پاک تھی ان کی شاعری مقصدیت سے قریب تھی ان کے اشعار بھی ایک پیغام مضمر ہوتا وہ کوئے جاناں کا طواف کرتے نظر آتے لیکن طواف کعبہ کو دل میں رکھتے ہوئے

طواف کعبہ بھی کرنا ہے مجھ کو اے حرم والو
اگر فرصت ملی مجھکو طواف کوئے جاناں سے

نظامی کا محبوب اسی دنیائے آب و گل کا فرد ہے وہ عشق مجازی سے

مولانا کی شاعری مولانا کی حیات کی غماز ہے آپ کے اکثر اشعار پر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ شعر کسی نعت کا شعر ہے لیکن حقیقت میں وہ غزل کا شعر ہوتا ہے

عشق حقیقی کی طرف پرواز کرتے ہیں ان کا عشق طہارت و پاکیزگی کا مرقع ہے غزل کے لئے عشق و عاشقی سے پر مضامین کا ہونا ضروری ہے اگر غزل میں عشق و محبت کی بات نہ کی جائے تو اسے غزل کہا ہی نہیں جا سکتا اور یہ بھی حقیقت ہیکہ اگر تقلیداً غزل لکھی جائے تو نہ تو اسمیں وہ کیف ہوگا نہ اثر۔

بعض نقادوں نے عشق اور غزل کا چولی دامن کا ساتھ لکھا ہے یعنی اگر شاعر کے دل میں عشق کے شعلے نہ بھڑکے تو شاعری میں خلوص نہیں ہوگا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ضرورۃً عشق کیا جائے عشق کسی سے بھی ہو سکتا ہے اس کے لئے عورت کا تصور ضروری نہیں

مولانا مشتاق نظامی کا محبوب بھی ایک ایسا محبوب ہے جس کے عشق میں نظامی سر سے پیر تک ڈوبے نظر آتے ہیں ان کا محبوب انکی بلند نگاہ میں سمانے والا ہے اور ایسے حسن کا مالک ہے جو ہر دیکھنے والے بلکہ ہر محسوس کرنیوالے کو مرعوب و مغلوب کر لیتا ہے اور ان پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوتی

ہے مگر ایسی دیوانگی جس پر سینکڑوں ہوشیاری قربان کی جائے
وہ بت خانہ کی جانب قدم بڑھاتے ہیں تو غیرت ایمانی سے آنکھیں
چرا کر نہیں بلکہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

غیرت ایماں کہاں سوئی ہے اٹھکر دیکھ لے
لے چلی ان کی محبت سوئے بت خانہ مجھے
لاج رکھ لے تو بھی اب میرے جنون عشق کی
ایک دنیا کہہ رہی ہے تیرا دیوانہ مجھے

نظامی کی شاعری میں ایک درد اور کسک بھی ہے، شکوۂ
ہجر بھی ہے خواہش وصال بھی، نازک خیالی بھی ہے اور معنی
آفرینی بھی، ان کے اشعار ان کے مشاہدات اور تجربات کے
آئینہ دار ہیں اور ایک وجدانی کیفیت کے غماز بھی، ان کی شاعری
قافیہ پیمائی نہیں بلکہ ردیف

> نظامی کی شاعری میں درد بھی ہے کسک
> بھی شکوۂ ہجر بھی ہے خواہش وصال بھی

ان کے یہاں مزہ دیتی ہے
اور قافیہ اور ردیف میں ایک ربط ملتا ہے

دامن نہ چھوٹ جائے کہیں صبر وضبط کا
اتنا کسی کو آپ پریشاں نہ کیجئے

کبھی اپنے ہی دل ہوں گے نظامی انکی محفل میں
مجھے زنجیر پہناتے وہ اپنی زلف پیماں سے

ان کی شاعری میں تصوف رچا بسا ہے وہ خود ایک
صوفی تھے اور وہ شراب معرفت پئے ہوئے تھے مگر کسی ایسے
نے پلادی تھی کہ ایک گھونٹ کے بعد پھر اسکی حاجت نہیں ہوئی

> ان کی شاعری میں تصوف رچا بسا ہے وہ خود ایک
> صوفی تھے اور وہ شراب معرفت پیئے ہوئے تھے اور
> اس شراب معرفت نے انکی شاعری میں جان ڈالدی

اور اس شراب معرفت نے ان کی شاعری میں جان
ڈال دی ہے

اسی دن سے مرے طرز سخن میں جان آئی ہے
کبھی اک گھونٹ میں نے پی لیا تھا جام عرفاں سے

دست نازک سے دیا ساقی نے مجھکو جام وہ
لاؤ اس کو چوم لوں یہ جام جم سے کم نہیں

غم جاناں اور غم دوراں دونوں کے امتزاج نے ان کی
شاعری کو ایک نئی سمت عطا کی ان کے یہاں غم اپنی انتہائی
منزل پر ہونے کے باوجود قنوطیت کا شکار نہیں ہو پاتا انکی شاعری
میں زندگی کی رمق ہے۔ غم عشق ہو یا غم روزگار، ان کی شاعری
سے دونوں چشمے جاری ہیں

اشک بن کر ڈھل رہا ہے خون دل خون جگر
یہ متاع عشق ہے پانی نہیں شبنم نہیں

چاہئے ایسی خلش جو دل کو تڑپاتی رہے
وہ بھی کوئی زندگی ہے جسمیں کوئی غم نہیں

وہی کامیاب محبت ہے ناصح جو دھاروں سے الجھے جفاؤں سے کھیلے
وہ کیا کرسکیگا جو پھولوں سے کھیلے مگر اپنا کانٹوں سے دامن بچالے

نظامی بس اپنا مقولہ یہی ہے جو رومی و حالی نے اکثر کہا ہے
نصیبے کا اسکو سکندر کہونگا جو اپنے کو کھو کر انہیں ڈھونڈتا ہے

میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ان کے اشعار میں اتنی طہارت اور پاکیزگی ہے کہ بسا اوقات وہ اشعار نعت کے اشعار محسوس ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہیکہ وہ غزل اور خالص غزل کے اشعار ہیں

ستاروں نے چمک پائی تو پھولوں نے ہنسی لے لی
تمہارے روئے تاباں سے تمہارے روئے خنداں سے

لب لعلیں در دنداں رخ زیبا قد رعنا
زمیں پر اک فرشتے کو بہ انداز دیگر دیکھا

نہ پوچھو رفعت انساں کا عالم
وہاں پہونچا جہاں چلمن نہ چلمن

نظامی کا جگر جلوہ گاہ یار سے ہمیشہ تابندہ رہتا ہے جہاں شام کا تصور ہی نہیں وہ اپنے محبوب کیلئے ساری متاع زیست قربان کر دیتے ہیں لیکن انکو اس متاع زیست کے کھو جانے کا غم نہیں

یہ دل خود جلوہ گاہ یار ہے پھر اس کا کیا کہنا
یہاں کی صبح پر اب شام کا عالم نہیں ہوتا

محبت کی یہ دنیا بھی بڑی پر کیف دنیا ہے
متاع دو جہاں کھو کر بھی کوئی غم نہیں ہوتا

یہ حقیقت ہیکہ نظامی نے انتہائی سنجیدگی، سچائی اور دیانت داری سے جیسا محسوس کیا ہے من و عن اسے الفاظ کے پیکر میں ڈھال دیا ہے، ان کے یہاں تغزل بھر پور ہے تصوف نے دو آتشہ کا کام کیا ہے، وفا پرستی ان کا شیوہ ہے وہ ہمیشہ درس عمل اور جد و جہد کا پیغام دیتے رہتے ہیں۔ ان کی نجی زندگی اور انکی شاعری میں بعد نہیں قربت ہے انکی شاعری قدیم و جدید رنگ کے امتزاج کا نمونہ ہے، حسن و عشق کی رنگینیاں بھی ہیں رعنائیاں بھی، حدیث دل بھی اور حدیث دیگراں بھی، اگر غم جاناں کی چاشنی ہے تو غم دوراں کی لذتوں نے بھی اسے اپنے حصار میں لے لیا ہے جذبے کی صداقت، پاکیزگی خیال، فکر و نظر کی گہرائی، عصری آگہی، زبان و بیان میں سلاست، اسلوب بیان میں ندرت ان تمام صفات نے ان کی شاعری میں بلندی پیدا کر دیا تھا

افسوس اس کا ہے کہ نظامی نے اپنے کلام کی حفاظت نہیں کی صرف چند غزلیں دستیاب ہو سکیں ان غزلوں کے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظامی نے جو کچھ کہا بہت سوچ و فکر کے بعد کہا ہے۔ ان کے بعض اشعار چونکا دینے والا ہے

؎
اپنی جفا کو چھیڑ کے میری وفا کے ساتھ
اپنے کو آپ خود ہی پشیماں نہ کیجئے

ان کے غم میں مر کے جینا جی کے مرنا دیکھ کر
اہل عالم کہہ رہے ہیں رشک پروانہ مجھے

مری آباد دنیا کو نہ روندو اپنے قدموں سے
نہیں دل میں بٹھایا ہے نہ جانے کتنے ارماں سے



فرشتے کی وہ دنیا ہے جہاں معصوم بستے ہیں
خطا تو پیارے ہوتی ہے ہمارے جیسے انساں سے

★ ★ ★

نمونہ کلام پاسبان ملت

پیش کردہ:- فضل الرحمن نقشبندی

جفائے دوست ہے اک طرز الفت

نظر کا ان کے اک عالم نہیں ہے
کبھی برہم کبھی برہم نہیں ہے

بڑا انمول موتی ہے یہ آنسو
بیان درد ہے شبنم نہیں ہے

نہ جانے کس کے غم میں جل رہا ہے
چراغ صبح کی لو کم نہیں ہے

مجھے رونا ہے اپنی صبح غم کا
سواد شام کا ماتم نہیں ہے



مٹادی جسکی خاطر زندگانی
اسی کو اعتبار غم نہیں ہے

جفائے دوست ہے اک طرز الفت
ستم ان کا کرم سے کم نہیں ہے

نظامی یوں تو ہیں لاکھوں سہارے
کوئی اب چارہ ساز غم نہیں ہے

تری الفت میں ہر کوچہ سے گذرا



نمونۂ کلام ... پاسبان ملت

ترے حسن ازل کے سب پجاری ع
کوئی شیخ حرم ہو یا برہمن

نہ پوچھو قوت انساں کا عالم
وہاں پہونچا جہاں چلمن پہ چلمن

تمہیں دیکھا ہے یا سوچا ہے جب بھی
نہ جانے کیوں اٹھی ہے دل میں دھڑکن

جو کل تک تھے شریک غم ہمارے
انہیں ہاتھوں نے پھونکا ہے نشیمن

تری الفت میں ہر کوچہ سے گذرا
نہ دیکھا میں نے صحرا اور گلشن

وسیلہ بھی بڑی شے ہے خدایا
میں پہونچا تو گر دامن بہ دامن

بڑا نادان ہے تو بھی نظامی
اسی کو دل دیا جو دل کا دشمن

ع اس غزل کا مطلع دستیاب نہ ہو سکا

نمونۂ کلام — غزل — پاسبانِ ملت

وہ آئے مری سازِ ہستی کو چھیڑے کبھی گنگنائے کبھی مسکرائے
پھر ایسے مجھے بھول بیٹھے ہیں جا کر نہ پیغام بھیجے نہ خود ہی وہ آئے

یہ اس کا کرم ہے جو دل ایسا بخشا کبھی یاد سے تیری فرقت نہ پائے
ملی ہے وہی آنکھ مجھ کو غزل میں تری رہگذر میں جو پلکیں بچھائے

ترے حسن معصوم کے میں تصدق جسے دیکھتے ہی کلی مسکرائے
تری مسکراہٹ کے قربان جاؤں جو بجلی گرائے نشیمن جلائے

وہی کامیاب محبت ہے ناصح جو دھاروں سے الجھے جفاؤں سے کھیلے
وہ کیا کر سکے گا جو پھولوں سے کھیلے مگر اپنا کانٹوں سے دامن بچالے

فقط عشق ہی کو نہ مجبور سمجھو ارے حسن بھی تو ہے مجبور توبہ
سمجھتے رہے عمر بھر مجھکو اپنا مگر وہ زباں سے کبھی کہہ نہ پائے

سفینہ محبت کا کب ڈوب جاتا مگر وہ تو کہئے کہ ضبط کام آیا
سلامت رہے حوصلہ میرے دل کا اسی کو تو چاہے جو اسکو ستائے

نظامی بس اپنا مقولہ وہی ہے جو روٹھی وجانے اگر کہہ رہا ہے
نصیبے کا اسکو سکندر کہونگا جو اپنے کو کھو کر انہیں ڈھونڈ پائے

نمونہ کلام پاسبان ملّت



اے نظامی چھوڑ دے افسانۂ شعر و سخن

کیا ابھی پر درد میری داستان غم نہیں
سننے والے سن رہے ہیں اور آنکھیں نم نہیں

چاہئے ایسی خلش جو ان کو تڑپاتی رہے
وہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں کوئی غم نہیں

بارگاہ حسن پر جھکتی ہے دل کی کائنات
وہ بڑا سرکش ہے جسکا سر یہاں پر خم نہیں

دست نازک سے دیا ساقی نے مجھکو جام مئے
لاؤ اسکو چوم لوں یہ جام جم سے کم نہیں

فرق صرف اتنا ہے میرے اور انکے درمیاں
مجھکو ان کا غم ہے لیکن انکو میرا غم نہیں

اے نظامی چھوڑ دے افسانۂ شعر و سخن
یہ تری منزل نہیں اور یہ تیرا عالم نہیں



جانشین مجاہد ملت

از: ــــــــــ محمد انور نظامی مصباحی گلشن بغداد هزاریباغ

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے (امام احمد رضا)

عشق و محبت اس جذبۂ صادق کا نام ہے جو انسان کو اس منزل تک پہنچا دیتا ہے جہاں اس کی ہر خواہش و تمنا، رغبت و رضا اور حسرت و ارمان کا محور معشوق و محبوب کی ذات اور اس کا اشارہ ابرو ہو جاتا ہے عاشق وہی چاہتا ہے جسمیں اس کے محبوب کی رضا ہو محب وہی کرتا ہے جو محبوب کا حکم ہو۔

محبت کی ابدی سرمستیوں اور ازلی حقائق سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ حسنِ ازل نے حضرت انسان کے قلب و روح میں یہ جذبہ فراواں اس طرح ودیعت کر دیا ہے کہ یہ اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ عشق و محبت میں وہ سوز و گداز پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا دل ہمیشہ شمعِ محفل کی طرح اپنے مطلوب کی یاد میں جلتا اور پگھلتا رہتا ہے۔

تصور جاناں میں اپنی حیات مستعار کی ان سرمستیوں اور لذتوں کو بھول جاتا ہے جس کے لیے نہ جانے کتنی محنت و جفا کشی کا انسان خوگر بنتا ہے۔ وارفتگی و نیاز کیشی اسکی متاع حیات ہوتی ہے۔ ہر دم اس کے دل و دماغ پہ یاد محبوب کا پہرہ لگا رہتا ہے۔

لیکن اس میدان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ساحل سمندر سے صرف کھیل رہے ہوتے ہیں اور وہ عشق کی اس حقیقی لذت سے جو ذہن و دل کو حسن ازل کا اسیر بنا دے تا دم حیات محروم رہتے ہیں اور فقط مظہر حسن ازل پر اپنی فداکاری و شیفتگی کی داستانیں صفحہ حیات پر نقش کر جاتے ہیں۔ وہ عشق مجازی کی سرحدوں سے سر مو تجاوز نہیں کر پاتے، یہی وجہ ہے کہ ان میں وہ والہانہ پن، سوز و ساز، اور فنائیت کا عنصر پیدا نہیں ہو پاتا کہ درد دل، سوز جگر، اور داغہائے دل کو اپنی متاع زیست تصور کریں بھر وہ اس کے تدارک، اور شفا کی ناکام تدبیروں میں لگ کر، ناز دوا اٹھا لیتے ہیں مگر مایوس ہو کر اپنی خفت یوں مٹاتے ہیں ؎

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

مگر عشق حقیقی کی دنیا کچھ اور ہی ہوتی ہیں۔ جہاں آتش عشق میں جل کر کباب ہو جانا اور داغہائے سینہ کو گلشن حیات کا حسین و خوبصورت پھول سمجھنا معراج عشق ہے اور سوز و ساز، زخم جگر اور دل کے پھپھولے میں اس کی تسکین کا سامان اور قلب و روح کا قرار مضمر ہوتا ہے، مجاز کا پودا شجر حقیقت میں ایسا گم ہو جاتا ہے کہ دور تک اس کا سراغ بھی نہیں ملتا ہے۔ شاہ حجاز کا تصور، ان کے، در کی گدائی اور راہ طیبہ میں پلکوں سے جاروب کشی کی تمنا اسے ایسا راسخ بنا دیتا ہے کہ سوز دروں کی سرمستیوں سے سرشار ہو کر پکار اٹھتا ہے ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جسکو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
(امام احمد رضا)

ماہ عرب کی جلوہ گری کے ساتھ ہی آپ کے عاشقوں کی فہرست بنی شروع ہو گئی اور آپ کے جمال جہاں آرا کے کروڑوں فدائیوں نے تاریخ عالم میں جو بے مثال جانبازی کی داستانیں ثبت کی ہیں وہ زلف مسلسل کی طرح کافی دراز ہے اور صبح قیامت تک گیسوئے جاناں کے اسیروں کی داستانیں صفحۂ ہستی پر نقش کرتی رہیں گی۔

اس گل زیبا کے فداکاروں اور اسیروں کے اسی زریں سلسلے کی ایک کڑی وہ ہستی بھی تھی جنکے اوپر اکابر و اسلاف کی دعاؤں کا سایہ ابر رحمت بنکر سایہ فگن تھا اور اصاغر و اخلاف پر جنکی نوازشات و عنایات کا دریائے کرم موجزن رہتا تھا جو کل تک ہماری زبوں حالی پر "خون کا آنسو رویا اور نسیم رحمت" بنکر ہمارے پژمردہ عقائد و اعمال کو شاداب کرتا رہا اور ہماری بے راہ روی اسے بے چین کرتی تو ایک ماہر "پاسبان" کے فرائض انجام دیتا رہا۔

> ✱ پاسبان ملت کی متاع حیات رسول کونین کی امت اور ان کی ملت بیضا کے لئے وقف تھی جسکی زندگی کا ایک ایک لمحہ عظمت رسالت کی پاسداری، دشمنان رسول کی سرکوبی، اور ملت کی پاسبانی میں گذرا۔

وہ عاشق رسول تھا کہ جب بھی اس کے محبوب و مطلوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر کسی نابکار ڈاکو کا حملہ ہوتا تو اس پر قہر آسمانی بن کر نازل ہوتا۔ وہ عاشق صادق گرچہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا مگر ملت کا درد سنیت کی خدمات اور عشق رسالت نے اسے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔ اور رہتی دنیا تک ان کے یہ نقوش انھیں اہل حق کی زبانوں سے پاسبان ملت، مناظر اہلسنت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کہلواتے رہیں گے۔

ایسا باکمال، ملت کا ایسا ہمدرد جسکی متاع حیات رسول کونین کی امت اور ان کی ملت بیضا کیلئے وقف تھی جسکی زندگی کا ایک ایک لمحہ عظمت رسالت کی پاسداری، دشمنان رسول کی سرکوبی، اور ملت کی پاسبانی میں گذرا ہو وہ ملت کا محب صادق، رسول کا سچا عاشق اور خدا کا محبوب بندہ ہی ہو سکتا ہے۔ مناظرہ و خطابت میں رسول اکرم کی عزت و عظمت کے لیے جہاد، قوم کی رہنمائی اور اہلسنت کو بدنام زمانہ تحریک "تبلیغی جماعت" کے مکر و فریب سے بچانے کے لیے "سنی تبلیغی جماعت" کا قیام اور اس کی افادیت کے لئے جدوجہد، علم دین کی ترویج و اشاعت کے لئے ایک عظیم الشان دار العلوم "غریب نواز" کے لئے خون حیات کا آخری قطرہ تک نچوڑ دینا۔ کتب و رسائل کے ذریعے دشمنان رسول کا دنداں شکن جواب اور قلمی جہاد عشق و محبت رسول اور جذبۂ صادق کے بغیر کیا ممکن ہے؟

یقیناً پاسبان ملت صدیقی ایثار، بلالی سوز و گداز، صحابہ کی جانثاری، اویس قرنی کی فداکاری، رازی و غزالی کی فکر، غوث و خواجہ کے اصلاحی کارنامے اور امام اہلسنت کے عشق رسول کے مظہر تھے۔ وہ عظمت رسالت پر ہونے والے حملے سے تڑپ اٹھتے، اہلسنت کے خلاف وہابیہ کی سرگرمیوں سے بے قرار ہو جاتے اور خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاکر ہر ممکن جدوجہد سے حوادثات کا مقابلہ فرما کر ملت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے۔

علامات محبت رسول

جس طرح ہر شے کی کچھ نہ کچھ علامت و نشانی ہوتی ہے اسی طرح عشق و محبت کی بھی کچھ علامتیں ہیں جس سے سچے عاشق اور محبت صادق کی معرفت ہوتی ہے محقق علی الاطلاق محدث عبد الحق دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۔ ۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوت میں محبت رسول کی چند علامتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ان علامت کے تناظر میں پاسبان ملت کی حیات و خدمات کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ پاسبان ملت سچے عاشق رسول تھے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامتیں اور نشانیاں بہت ہیں لیکن سب سے اعلیٰ و اعظم علامت حضور کی اتباع و پیروی اور سنتوں پہ عمل ہدایت پر سلوک، آپ کی سیرت پر چلنا حدود شریعت پر قائم رہنا اور آپ کے احکام ملت سے تجاوز نہ کرنا ہے۔[۱]

پاسبان ملت کی ذات سے متعارف و شناسایہ جانتے ہیں کہ

[۱] مدارج النبوت ۔ ترجمہ: مفتی غلام معین الدین ۔ جلد ۱، صفحہ ۵۲۵ ۔ ۱۲،

پوری زندگی شریعت اسلامیہ کی پیروی سنت رسول کی اتباع اور حدود شریعت کے التزام میں گزری ہے یہ اتباع رسول ہی تو تھی کہ آپ کی حیاتِ طیبہ خدمت دین وملت اور اشاعت سنیت میں صرف ہوئی۔ سنت کی پیروی میں اکابر کی تنظیم اور اصاغر پر شفقت آپ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس خصوصیت کے بغیر کوئی بھی شخص باکمال نہیں ہوسکتا۔

(۲) ذکر شریف کی کثرت ــــ اس لئے کہ کثرت ذکر لوازم محبت میں سے ہے "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ" (جس سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے)[۱]

ذکر رسول پاسبان ملت کا حاصل زندگی تھا ان کی کروٹ کروٹ ذکر رسول سے معور نظر آتی ہے مجالس پاک میں ذکر رسول ان کی عظمت کا اعلان، دشمنان رسول کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب اور عاشقان مصطفےٰ کو رسول کونین کی حیات طیبہ اور آپ کے فضائل وخصائص سے روشناس کراتے زندگی گزار دینا تحریر وتصنیف میں رسول کونین کی عظمت جلیلہ اور رفعت عالیہ کا تذکرہ عظمت رسول پر حملہ کرنے والوں پر "قہر آسمانی" بنکر گرنا۔ پاسبان ملت کی حیات کے نمایاں گوشے ہیں اور ذکر رسول کی کثرت ہی کا اعجاز تھا کہ دم واپسیں بھی ان کی یاد سے شاد کام ہوتے ہوئے واصل بحق ہوئے اور درودوں کی چھاؤں میں جوار رحمت خداوندی میں داخل ہوئے۔ چنانچہ مولانا شفیق احمد شریفی رقمطراز ہیں۔

"الحاج لعل محمد قادری نے بتایا کہ آنارسی میں جب حضرت کی طبیعت زیادہ بگڑی تو کلمے اور چند سورتوں کے پڑھنے کے بعد مجھے درود پڑھنے کا حکم فرمایا جب جب اسم رسالت آتا آپ کے ہاتھ آنکھوں کی طرف خود اٹھ جاتے اس طرح درود پاک پڑھتے پڑھتے آپ پر غشی طاری ہوئی اور تادم وصال ہوش نہ آسکا۔"[۲]

(۳) "ذکر شریف کے وقت آپکی تعظیم وتوقیر بجالانا اور آپ کے اسم مبارک کے سننے پر اظہار خشوع وخضوع اور انکساری کرنا بھی ہے۔"[۳]

مندرجہ بالا واقعہ سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ محبت رسول کی یہ علامت بھی پاسبان ملت کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھی کیونکہ اسم رسالت پر آنکھوں کی طرف ہاتھوں کا اٹھ جانا تعظیم وتوقیر اور اظہار خشوع وخضوع کی عکاسی کرتا ہے۔

(۴) "ہر اس شخص سے محبت رکھنا جو آپ سے تعلق رکھتا ہے وہ اہلسنت میں سے ہوں یا صحابہ میں سے، مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے (رضی اللہ عنہم) اور ہر اس شخص سے عداوت رکھنا بھی ہے جو ان سے دشمنی رکھے اور انھیں گالیاں دے۔ گویا کہ جو انھیں دوست رکھے انکو دوست جانے اور جو انھیں دشمن جانے ان سے دشمنی رکھے۔"[۴]

> ★ پاسبان ملت کی حیات طیبہ خدمت دین وملت اور اشاعت سنیت میں صرف ہوئی۔ سنت کی پیروی میں اکابر کی تعظیم اور اصاغر پر شفقت آپ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

اہلسنت سے محبت، صحابہ کی الفت دشمنان رسول سے بغض وعداوت اور بارگاہ رسول میں گستاخی کرنے والوں کی مذمت پاسبان ملت کی زندگی کے اجزاء ترکیبی ہیں۔ جہاں انھوں نے گستاخان رسول کی حقیقت طشت ازبام کی وہیں صحابہ واہلبیت کی توہین کرنے والوں کے خلاف شمشیر قلم بے نیام کیا۔ چنانچہ نابکار محمود عباسی کی رسوائے زمانہ کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کے ذریعہ اہلبیت اطہار اور صحابہ کی توہین کی گئی۔ امام عالیمقام جنھوں نے اسلام کے دامن کو داغ عصیاں سے بچانے کے لئے میدان کربلا میں اپنا سارا کنبہ قربان کردیا۔ جنھوں نے شوکت اسلام کی ثبات وبقا کے لئے علی اکبر کی جوانی قربان کردی۔ انھیں جنھوں نے تاریخ کے پژمردہ چہرے پر اپنی خون سے بہار کا غازہ مل دیا۔ انھیں نفوس قدسیہ کو باغی اور یزید پلید کو خلیفۂ برحق ثابت کرنے کی سعی ناکام کی گئی تو پاسبان ملت نے آل نبی کی عظمت ووقار اور عزت وناموس کے لیے اپنی زندگی کو سپر بنادیا اور اس بدنام تحریک کو ناکام کرنے کے لئے "پاسبان" کا "حسینی نمبر" شائع کرکے شہید اعظم

[۱] مدارج النبوت۔ ترجمہ مفتی غلام معین الدین۔ جلد ۱ صفحہ ۵۲۷-۱۲، [۲] پاسبان ملت۔ صفحہ ۱۶، [۳] مدارج النبوت ــ جلد ۱ صفحہ ۵۲۸،
[۴] مدارج النبوت ــ جلد ۱ صفحہ ۵۳۰،

کی بارگاہ میں نذر گزاری اور امت کی رہنمائی فرمائی۔

چنانچہ اس میں عظمت اہلبیت کا جام پلانے کے لیے عقیدت و محبت سے سبط پیغمبر کا جا بجا اظہار کیا گیا ہے ان کی عقیدت و محبت نیاز مندی و خود رفتگی کے یہ جملے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں جو پاسبان ملت کے عقیدت کیش قلم سے محبت کے گلدستے صفحۂ قرطاس پر عطر بیزی کر رہے ہیں۔

آپ کی دیانت اور آپ کے انصاف سے میرا مطالبہ ہے بولئے اور سچ بولئے کہ دنیا خون ناحق کرنے والے کو سفاک و ظالم کہا کرتی ہے تو ہم اسے کیا کہیں ؟

جس نے نواسۂ رسول۔ جگر گوشۂ بتول۔ نور نگاہ علی مرتضیٰ کو بے آب و دانا تہ تیغ کیا ہوا۔ جنکی لاشیں کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر بے گور و کفن پڑی تھیں بے دردی کے ہاتھوں انھیں اس حال میں شہید کیا گیا کہ ان کے خیمے میں غلے کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا جن کے بچے بھوک و پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر آغوش مادر میں سو گئے، مگر ان کی آنکھیں نم نہ ہوئیں۔ کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچو کہ ان بدنصیبوں کو کیا ہو گیا تھا؛ جن کے گھر سے ایک دنیا کو رحم و کرم کی بھیک ملی تھی۔ اسی گھر کا ننھا منا سا معصوم بچہ علی اصغر پانی کے ایک قطرے کے لیے ترس گیا وہ حسین جسکے چاند جیسے چہرے اور پتلے پتلے ہونٹوں کو لبہائے نبوت نے بارہا پیار کیا تھا اسی کا جسم کربلا کے چٹیل میدان میں تیر و نیزہ، ظلم اور بھالے سے چھلنی کیا گیا ۵

حسین کو باغی اور یزید کو متقی وہی کہہ سکتا ہے جسکے دماغ میں کیڑے اور عقل پر پردے پڑ گئے ہوں ہمیں اس اعتراف میں کوئی جھجھک نہیں بلکہ ہم اس اعلان کو باعث فخر و مباہات سمجھتے ہیں کہ ہم حسینی ہیں آل پیمبر کی سواریوں کی گرد راہ کو ہم حاصل زندگی اور متاع آخرت سمجھتے ہیں۔ ۶

" وقت کا اہم تقاضا تھا کہ یزیدیت کی سرکوبی کے لئے "حسین نمبر" کی اشاعت کی جائے" اہلسنت کی طرف سے حسین نمبر کی شکل میں جو کچھ بھی حاضر ہے وہ ہمارے عقیدت کے چند موتی ہیں جس کا آب و تاب انکی شرف قبولیت پر موقوف ہے اگر سرکار حسین نے قبول کر لیا تو اس نمبر کا ایک ایک نقطہ گوہر آبدار اور اسکی ایک ایک سطر میں کہکشاں کا جمال ہے ۷

کربلا کا وہ مظلوم جس کے غم میں آسمان سے خون برسا اور زمین نے لہو اگلا، جو فاطمہ کا لال اور شاہزادۂ رسول ہے، اسی کے قطرہ ہائے خون سے اس نمبر کا ایک ایک نقطہ منسوب کرتا ہوں۔ ۸

جہاں اہلبیت اطہار، صحابۂ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و محبت رکھنے والوں سے الفت و شیفتگی پاسبان ملت کی متاع زندگی تھی وہیں دشمنان رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے نفرت و عداوت کو وہ ذریعۂ نجات اخروی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنان رسول سے نفرت کی مثالیں ان کی خطابت و صحافت، تقریر و تحریر میں نمایاں ملیں گی ۔ بدمذہبوں اور دشمنان رسول سے بغض و عناد اور عداوت و دشمنی کے یہ واقعے ہدیۂ قارئین کر کے اس موضوع کو تمام کرتا ہوں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ پاسبان ملت اعتقاد و عمل، تصلب فی الدین کے کوہ گران تھے اور انھوں نے کبھی کسی وہابی، نجدی، رافضی اور کسی باطل فرقے سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

۱- رمضان المبارک کا مہینہ قریب آچکا تھا۔ دار العلوم کی روداد

---

۵ ماہنامہ پاسبان الہ آباد حسین نمبر صفحہ ۷-۶، ۶ پاسبان، حسین نمبر صفحہ ۷-۱۲، ۷ پاسبان حسین نمبر صفحہ ۷-۱۲، ۸ پاسبان حسین نمبر ۷-۱۲،

میں تاخیر ہو رہی تھی۔ مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ غریب نواز نے ایک کاتب کو دارالعلوم کے دفتر میں کتابت کے لئے بلوالیا (یہ وہابی تھا) اتفاقاً علامہ نظامی تشریف لے آئے۔ انتہائی سختی سے مولانا انوار کو تنبیہ فرمائی کہ رو داد چھپے یا نہ چھپے میں دارالعلوم کی چہار دیواری میں کسی دشمن رسول (وہابی) کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔[1]

[2] آخری عمر میں باوجود شدید علالت کے بار بار فرماتے کاش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں (وہابیوں، غیر مقلدوں) سے مجھے مناظرہ کا موقع پھر مل جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے دشمنوں کا منہ توڑ جواب دیتے میری جان نکل جائے۔[2]

(۵) امت پر مہربانی و شفقت، التزام نصیحت، اقامت مصالح میں کوشش ایصال منافع اور ان سے ضرر رساں چیزوں کو دفع کرنا۔[3]

پاسبان ملت کی مکمل حیات مستعار امت ناجیہ اہلسنت وجماعت

★ پاسبان ملت نے اس فارمولے پر عمل کرتے ہوئے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کا قیام فرمایا اور اسے ملک گیر تحریک بنانے میں اہم قربانیاں دیں۔

کی خیر خواہی تعلیم و ثقافتی میدان میں ان کی رہنمائی، اعتقاد و عمل کی اصلاح گمراہ فرقوں سے انھیں بچانے کی فکر اور اس کی موثر تدبیروں میں صرف ہوئی ذیل میں قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

تبلیغی دورے

پاسبان ملت نے اپنے تبلیغی دوروں اور موثر انداز خطابت سے وہابیت دیوبندیت اور مودودیت کا سیلاب روکا وہ معمولات اہلسنت، منصب رسالت، اور عظمت الوہیت عوام الناس کے دلوں میں اپنی خداداد صلاحیت سے ایسا راسخ کر دیتے اور مثالوں سے ایسا واضح فرمادیتے کہ ہر کس و ناکس کے دل میں ان کی گفتگو اپنا رنگ ضرور دکھاجاتی اور بدمذہبوں کی فریب کاریوں کا پردہ فاش ہوجاتا۔ اس کے سامنے اس کی حقیقت طشت از بام ہوجاتی انھوں نے ہزاروں افراد کو بدمذہبی کے دہانے سے نکالا۔ ان کی خطابت کی تاثیر کا اعتراف مخالفین کو بھی تھا۔ چنانچہ مولانا شفیق احمد شریفی لکھتے ہیں۔

• علماء سوء کا یہ جملہ بہت مشہور ہے کہ نظامی جیسا خطیب اگر ہماری جماعت میں ہوتے تو ہم لوگ پورے ہندستان کو وہابی بنالیتے۔[4]

مناظرہ

امت کی رہنمائی کے لئے احقاق حق اور ابطال باطل سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ پاسبان ملت نے امت مسلمہ کی خیر خواہی اور انھیں ایمان کے لیٹروں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہندستان کے مختلف گوشوں میں میدان مناظرہ میں باطل کو للکارا اور شکست سے دوچار کیا۔ وہ چاہے بھنگواں، گونڈہ کا مناظرہ ہو یا ناگپور کا، چاہے بھریلی کا مناظرہ ہو یا بحر ڈیہہ بنارس کا یا بھیونڈی کا ہر مناظرہ میں انھوں نے اہلسنت کی پاسبانی کا حق ادا کیا۔[5]

سنی تبلیغی جماعت

اس میں کوئی شک نہیں کہ بدمذہبوں نے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت اور عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے کوشش "تبلیغی جماعت" کے ذریعہ کی ہے اس سے علماء اہلسنت اور دردمندان ملت میں اضطرابی و بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ کلمہ و نماز کے ذریعے بد اعتقادی اور رسول دشمنی کا جو زہر گھولا جا رہا ہے اس کا تدارک ویسے ہی تریاق سے ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پاسبان ملت نے اس فارمولے پر عمل کرتے ہوئے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت، کا قیام فرمایا اور اسے ملک گیر تحریک بنانے میں جو قربانیاں دیں اور اس کی کتنی فکر تھی اس کا اندازہ راز الہ آبادی کے لئے گئے انٹرویو کے اس حصے سے ہوسکتا ہے۔

یہ انٹرویو "تاجدار ویکلی" میں شائع ہوا تھا۔[6]

س: اپنی زندگی اور صحت کی خاطر اب تقریر کم کر لیجئے؟

ج: راز صاحب... کم نہیں پروگرام بالکل ہی چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔

---

[1]، [2] پاسبان ملت صفحہ ۱۷-۱۲، ۱۶-۱۲، [3] مدارج النبوت جلد ۱ صفحہ ۵۳، [4] پاسبان ملت صفحہ ۲۵-۱۲، [5]، [6] پاسبان ملت صفحہ ۳-۲۱، ۴۸

س: آپ تو ناراض ہو گئے ؟

ج: یہ ناراضگی نہیں اظہار واقعہ ہے۔

س: آخر ش ایسا کیوں ؟

ج: اب سنی تبلیغی جماعت میرا اوڑھنا بچھونا ہوگا۔ اب تک لوگوں کی دعوت پر جاتا تھا اب بن بلائے گلی گلی کی خاک چھانی ہے۔ سنی تبلیغی جماعت اور رضا لائبریری میری زندگی کی آخری مشن ہے۔

س: اس سے قوم وملت کا بڑا نقصان ہوگا۔؟

ج: رازصاحب اگر سنی عوام نے میرا ساتھ دیا تو نقصان نہیں بڑا فائدہ ہوگا۔ جلسوں کو سنبھالنے والے تو بہت سے ہیں مگر تبلیغی جماعت جیسی زہریلی جماعت کا تریاق ابھی تک نہیں پیش کیا گیا ان شاء اللہ تعالیٰ سنی تبلیغی جماعت اسکا صحیح کاٹ ثابت ہوگی اور اس وقت اپنے عوام کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ [1]

اس انٹرویو سے ان کے اخلاص للہیت اور ملت کے درد کا اندازہ ہوتا ہے انھوں نے اپنی تمام تر توجہ اس کی ترویج واشاعت اور ترقی پر صرف کرنا شروع کردیا تھا اور اس کی ایک عظیم شاخ باسنی ضلع ناگور میں قائم فرمادی جسکے

> * اب سنی تبلیغی جماعت میرا اوڑھنا بچھونا ہوگا۔ اب تک لوگوں کی دعوت پر جاتا تھا اب بن بلائے گلی گلی کی خاک چھانی ہے۔ سنی تبلیغی جماعت اور رضا لائبریری میری زندگی کی آخری مشن ہے۔

زیر اہتمام آج تقریباً ساٹھ سے زائد مدارس ومکاتب چل رہے ہیں اور سو سے زائد علماء وحفاظ دین کی تبلیغ واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ [1] بھیونڈی میں بھی اس کی شاخ دینی خدمات انجام دے رہی ہے [2]

دارالعلوم غریب نواز

نونہالان اسلام کو اسلامی و عصری علوم وفنون سے آراستہ کرکے دین وملت کے لئے مفید بنانے اور انھیں عوام الناس کے عقائد واعمال کی حفاظت کے لئے علمی وفنی تربیت کا ہتھیار دیکر میدان عمل میں اتارنے کے لئے دارالعلوم غریب نواز کی تاسیس فرمائی اور تادم حیات اسکی تعمیر وترقی کے لئے جدوجہد فرماتے رہے۔

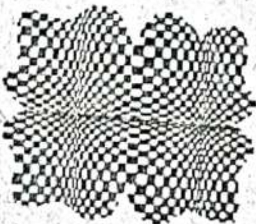
> * پاسبان ملت صدیقی ایثار، بلالی سوز وگداز، صحابہ کی جاں نثاری، اویس قرنی کی فداکاری، رازی وغزالی کی فکر، غوث وخواجہ کے اصلاحی کارنامے اور امام اہلسنت کے عشق رسول کے مظہر تھے۔

۱۹۶۵ء میں دارالعلوم غریب نواز قائم فرماکر اپنی مسلسل جدوجہد سے چند ہی سالوں میں اس کو عروج وارتقاء کے اس منزل پر پہنچایا جسکے حصول کے لئے سینکڑوں سال کی ضرورت ہوا کرتی ہے [3]

اس قسم کی متعدد خدمات پاسبان ملت کی زندگی میں نظر آتے ہیں جن سے ملت کا درد والتزام نصیحت، اقامت مصالح میں کوشش اور امت کے لئے دفع مضرت اور جلب منفعت میں جدوجہد کا پتہ چلتا ہے۔

المختصر پاسبان ملت کی حیات وخدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ایک سچے عاشق رسول تھے ان میں محبت رسول کی منجملہ ساری علامتیں بدرجہ اتم موجود تھیں اور ان کا یہ شعر تو فنا فی الرسول کا مظہر ہے [4]

طواف کعبہ بھی کرنا مجھکو اے حرم والو
اگر فرصت ملی مجھکو طواف کوئے جاناں سے



---

۱ پاسبان ملت۔صفحہ ۵۳-۱۲، ۲ پاسبان۔صفحہ ۵۴-۱۲، ۳ پاسبان۔صفحہ ۴۱-۱۲، ۴ پاسبان ملت صفحہ ۱۶،

پاسبان ملت

اور

ان کے نثری شہ پارے

— از قلم: — محمد قمر الزماں مصباحی ـ مظفر پوری —

خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت الہ آباد کے مشہور قصبہ سرائے غنی میں ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔ آپ ایک زمیندار اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والد ماجد نیک سیرت، پاکیزہ طبیعت اور ایک عمدہ خصلت انسان تھے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب ہی میں حاصل کی اور جب شعور بلند ہوا تو والد گرامی نے الہ آباد کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ سبحانیہ میں داخل کر دیا پھر کس طرح آپ کا علمی شعور پروان چڑھا۔ خود ان کی زبانی سنئے:۔

"میں دیہات سے الہ آباد آیا تھا اور مدرسہ سبحانیہ میں پڑھ رہا تھا ایک وہابی مدرس کے پاس میری فارسی کتابیں تھیں وہ بہت کٹر وہابی تھا، شیر بیشۂ اہلسنت اور مجاہد ملت کو گالیاں دیتا تھا۔ اسی درمیان مجاہد ملت نے الہ آباد میں شیر بیشۂ اہلسنت کا بارہ روزہ پروگرام مرتب فرمایا۔ بارہ دن مسلسل حضرت کی تقریر سنتا رہا اب وہابیت دیوبندیت سے کچھ آشنائی ہوئی مجاہد ملت تو پہلے ہی دل میں اتر گئے تھے اب شیر بیشۂ اہلسنت بھی اسی دل میں آکر بیٹھ گئے۔ اب میں نے فارسی مدرس کی شکایت کی چنانچہ کمیٹی نے میرے اسباق کو بحر العلوم مولینا نظام الدین صاحب اور مولانا عبد الرب صاحب مراد آبادی کے پاس منتقل کر دیا گویا میرے علم و ادب کا خوشگوار دور آیا یہ سب صدقہ شیر بیشۂ اہلسنت کی معیت اور بابرکت صحبت کا ہے۔" [۱]

[۱] سوانح شیر بیشۂ سنیت۔

مبدأ فیاض نے اس عبقری شخصیت اور پروقار ذات میں بیکراں کمال اور بے شمار خوبیاں ودیعت کی تھی۔ مدبرانہ دماغ، فلسفیانہ ذہن، حکیمانہ نظر، قلندرانہ نگاہ، خطیبانہ رنگ و مزاج اور شاعرانہ احساس کی تڑپ دیکھنی ہو تو اس پیکر جمیل کی زندگی کو پڑھئے۔ ممدوح حیات و کارنامے کے کسی بھی رخ سے محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی ذات ایک گلشن تھی جس کی حسین کیاریوں میں نہ جانے کتنے غنچوں نے چٹکنا سیکھا اور کلیوں نے مسکرانا۔ خطابت، صحافت تحریر و تصنیف، تدریس و تبلیغ۔ مناظرہ، شعر و شاعری تنقید و تردید یہ ساری چیزیں اس چمن کی پاکیزہ کلیاں ہیں جس کی شامہ نوازی اور دلپذیر خوشبو سے ایک جہان آباد ہے۔ الہ آباد کی خاک سے

آپ کی ذات ایک گلشن تھی جسکی حسین کیاریوں میں نہ جانے کتنے غنچوں نے چٹکنا سیکھا اور کلیوں نے مسکرانا۔ خطابت، صحافت، تحریر و تصنیف، تدریس و تبلیغ مناظرہ، شعر و شاعری، تنقید و تردید یہ ساری چیزیں اس چمن کی پاکیزہ کلیاں ہیں جسکی شامہ نوازی اور دلپذیر خوشبو سے ایک جہان آباد ہے۔

اٹھنے والے اس مرد حق آگاہ نے جس میدان میں بھی قدم بڑھایا انفرادیت قدم چومتی رہی علم و دانش، فکر و نظر، شعور و آگہی اور فکر و ادراک کی وہ کون سی انجمن تھی جس کو آپ نے اجالا نہ بخشا ہو۔ آپ آسمان علم و فضل کے ابر سخا اور سحاب کرم تھے جو ہر جگہ برسے۔ مرغزار علم و فن کو بھی کشادہ دلی عطا کی اور گلشن صحافت کو بھی نکھارا۔ فکر کی شبستانوں میں بھی چراغ فروزاں کئے۔ اور ادب کے چمنستانوں کو بھی رعنائی بخشی، شعر و سخن کی زلف پریشاں کو بھی سنوارا اور تقریر و خطابت کا بھی نیا رنگ و مزاج پیش کیا۔

پاسبان ملت فراغت کے بعد کچھ دنوں تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے مگر شان کریمی نے آپ کو تو اور ہی کام کے لئے چن رکھا تھا۔ قدرت نے آپ کی زبان میں شیرینی و حلاوت اور حق تاثیر بھر دی تھی آخر اس سے قوم کو فیضیاب ہونے کا موقع کب میسر آتا چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد درس و تدریس سے سبکدوش ہوگئے اور خطابت و صحافت کے وادی پرخار میں قدم رکھنے کے ساتھ ساتھ قائدانہ صلاحیت کی بھرپور توانائی لیکر آگے بڑھے۔ بڑے بڑے ادارے اور بڑی بڑی تحریک و تنظیم قائم فرما کر ملت کی کشتی کو گمرہی کے بھنور میں ڈوبنے سے بچالیا اور عمر بھر اسی قیادت، صحافت اور خطابت کی وادی پرخار سے کھیلتے رہے مگر کبھی کانٹوں کی چبھن کا احساس بھی نہ ہونے دیا۔ آپ کی تقریر پر تنویر سنکر نہ جانے کتنے گم گشتگان راہ، راہ ہدایت کے مسافر بن گئے۔ زبان و بیان پر ایسی مہارت حاصل تھی کہ بھاری بھرکم الفاظ بھی آپ کے قریب آ کر سہل پسندی کا جامہ پہن لیا کرتے تھے۔ لہجہ اتنا خوشگوار اور لطیف ہوتا تھا کہ سماعت پر کبھی بار محسوس نہیں ہوتا۔ جب قرآنی تفاسیر اور احادیث نبویہ کے نکات پیش کرتے تو دلوں کا عالم زیر و زبر ہونے لگتا۔ روح پر فرحت و کیف کا سناٹا چھا جاتا یقیناً یہ پاسبان ملت کی سحر انگیز خطابت تھی جسے اپنے اور پرائے سبھوں نے کھلے دل سے تسلیم کیا اور ان لفظوں میں اعتراف بھی کیا کہ "اگر نظامی جیسا خطیب ہماری جماعت کو مل جائے تو ہم اسے سونے سے تولیں گے" اسی کو کہتے ہیں:

الفضل ما شهدت به الاعداء۔

بلا شبہ حضرت پاسبان ملت کی خطابت میں سمندر کی لہراتی بل کھاتی موجیں، غنچوں کی چٹک، گلوں کی خوشبو، کلیوں کی نشاط انگیز دلفریبی، سبزہ زاروں کی ہریالی، نسیم سحر کے لطیف جھونکے، قوس و قزح کی رنگینی، سورج کی تپش اور چاند کی چاندنی کا حسین امتزاج موجود تھا

خطابت و صحافت مستقل الگ الگ دو فن، دو عنوان ہیں جس طرح گنگ و جمن مستقل الگ الگ دو ندی ہیں اور دونوں کے بہاؤ کے رخ بھی الگ الگ ہیں لیکن اگر کسی کو گنگ و جمن کا اتصال و ملاپ اور حسین سنگم دیکھنا ہو تو وہ الہ آباد آجائے اسی طرح خطابت و صحافت کے ملے جلے پیکر رعنا کو دیکھنا ہو تو حضرت پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کرے جہاں خطابت و صحافت دونوں گلے ملتے نظر آرہے ہیں۔

حضرت ممدوح اس دور کی پیداوار ہیں جس دور میں تیر و تفنگ کی جنگ سرد پڑ چکی تھی زبان و قلم سے معرکے سر کیے جا رہے تھے ایسے دور میں آپ نے اپنی زبان کا جادو جگایا اور قلمی معرکے بھی سر کئے اور باطل کے کیمپ پر ایسے ایسے حملے کئے کہ جسکی چیخ اب تک سنائی دے رہی ہے۔ فاضل جلیل حضرت علامہ مجاہد حسین مصباحی استاد دارالعلوم غریب نواز لکھتے ہیں!

جماعت کا وہ صاحب طرز قلم کار جس نے اپنی تحریروں سے وفاداری کا لباس پہنے ہوئے دین کے غداروں کو ایسے بے نقاب کیا کہ ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو رواں ہو گئے، قہر آسمانی کی بجلی ٹوٹ پڑی، باطل کا شیش محل چکنا چور ہو گیا، راز ہائے سربستہ منکشف ہوئے اور ان انکشافات سے پتہ چلا کہ مجرم کون ہے؟[1]

آپ کی ذات پورے ہندوستان میں ایک بلند خیال مفکر اور مایہ ناز خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نڈر صحافی، لاجواب مصنف، اور شگفتہ قلم ادیب ہونے کی حیثیت سے بھی متعارف تھی کربلا کے مسافر، تنویر ایمان، مینارۂ ہدایت، دیندار کے بے نقاب چہرے، سوانح خواجہ، دلوبند کا نیا دین آپکے وہ علمی شاہکار، تحقیقی زرتار اور ادبی آبشار ہیں کہ جس کے مطالعہ کے بعد ہر قاری پر آپ کی علمی قابلیت، فنی لیاقت، تحریری صلاحیت اور تصنیفی مہارت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

یہ ساری کتابیں اگرچہ تاریخی افسانہ یا ناول نہیں ہیں بلکہ ان سب کا تعلق رد و تردد، تنقید و تردید، اور اصلاح و تنقیح سے ہے لیکن اس کے باوجود تحریر کی ندرت، جملوں کی سلاست، انداز بیان کی جدت، الفاظ کی شوکت، نثر کی غنائیت، ادب کی چاشنی اور اشعار کی برجستگی نے وہ نکھار اور بانکپن پیدا کر دیا ہے کہ آپ پڑھتے رہئے مگر اکتانے کا نام نہیں۔ میرے ان جملوں کی تائید و تصدیق حضرت شیخ الاسلام علامہ مدنی میاں کی تحریر سے سو فیصد ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام نے "جماعت اسلامی کا شیش محل" پر اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا ہے![2]

"جماعت اسلامی کا شیش محل" خطیب الملت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کا خون کے آنسو کے بعد دوسرا شاہکار ہے۔ حسن اتفاق کہ ایک تاریخی اجلاس میں شریک ہونے کے لئے الہ آباد آنا ہوا علامہ موصوف کی محبت ۲۸ مارچ کو دفتر دارالعلوم غریب نواز کھینچ کر لے گئی۔ وہاں حضرت علامہ نے اپنی تازہ ترین تصنیف مذکورۃ الصدر کا صرف پیش لفظ سنایا۔ سچ جانئے وقت کی قلت مانع ہو گئی ورنہ جی یہ چاہ رہا تھا کہ پوری کتاب سن کر اٹھوں۔ اس کتاب کی ترتیب کا علم مجھے پہلے ہی ہو چکا تھا اور تکمیل کی خبر بھی مل گئی تھی اس کا مشتاق تو تھا ہی۔ لیکن۔ پیش لفظ نے میرے اشتیاق کو اتنا بڑھا دیا کہ میں اب سر سے پیر تک مشتاق نظر آ رہا ہوں۔ میری ان باتوں کی تصدیق ہر وہ شخص کرے گا جس کے ہاتھ میں یہ کتاب پڑے گی اور پھر وہ اپنے کو اس منزل پر پائیگا کہ بغیر تمام کئے ہوئے کتاب ہاتھ سے نہ رکھے گا۔ پیش لفظ ہی سے یہ اندازہ بآسانی لگ جاتا ہے کہ اس کتاب کا انداز کچھ ایسا ہے۔ آنکھیں میری باقی ان کا ہے"

سچ ہے ایسا مرد یگانہ اور یکتائے زمانہ شخص ہر فضا میں پرورش نہیں پاتا اور نہ ایسا گوہر گرانمایہ ہر خاک سے اٹھتا ہے آپ کی تحریر صرف زبان تک محدود نہیں تھی بلکہ قلب کی پہنائیوں سے اٹھنے والا ایک پیغام تھی جس میں صداقت کی کرن، اصلاح کا جذبہ، احساس کی تڑپ، اور عشق رسالت کی جگمگاہٹ جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے ان کی نثری چاشنی سے لطف اندوز ہونے کے لئے "کربلا کا مسافر" کا وہ اداریہ پڑھئے جہاں ان کے قلم کا تیور محمود عباسی کے لئے تیر و نشتر سے کچھ کم نہیں ہے وہیں سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ و خاندان اہلبیت کی بارگاہ عبقری میں ان کے قلم کی جولانیت کا نیازمندانہ انداز بھی دل کو چھوتا ہے پھر کمال یہ کہ ادبی و نثری شگفتگی کہیں سے مجروح ہوتی نہیں نظر آ رہی ہے۔

---

[1] مجاز جدید دہلی ستمبر ۹۰ء ، [2] جماعت اسلامی کا شیش محل۔

"شئی اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے اور درخت اپنے پھل سے خاکدانِ گیتی میں جس نے بھی سر اٹھایا اسے سپردِ خاک یا آنکھوں سے روپوش ہونا ہے یہ تو ایک سنت الٰہیہ ہے جو غنچوں کو دلآویزی، کلیوں کو مسکراہٹ اور پھولوں کو دلنواز قہقہہ دیتی ہے وہی بادِ خزاں کے مسموم جھونکوں سے لہلہاتے چمن کو اجاڑ بھی دیتی ہے۔ گردشِ لیل و نہار میں ہست و نیست کا سلسلہ نہ جانے کب سے ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ اس کو وہی جانے جس نے جگنو کو ستاروں کی ضیا بخشی، اتھاہ پانی میں کنول کو مسکراہٹ دی، شمع کو رونقِ بزم اور کہکشاں کو عروسِ انجمن بنایا۔ تو اسی دستِ قدرت نے کانٹوں میں چبھن اور انگاروں کو سوزش بھی دی ہے ذوق نے کہا اور سچ کہا ہے ؎

گلہائے رنگارنگ سے ہے رونقِ بہار
اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

پاسبانِ ملت کے شہ پارے

اس حقیقت کو اچھی طرح یاد رکھئے کہ اگر ہم ایسے اہلِ زبان و قلم کے فنکاروں کے قدرداں ہو کر رہ گئے جنھیں صرف اپنے فن کے مظاہرے پر تحسین و مرحبا ہی کہنا آتا ہے تو جماعت کے بنیادی نکات اور کلیدی پروگرام پر دبیز پردے پڑ جائیں گے اور قوم کا مزاج زبان و ادب کے نمکین چٹخاروں میں الجھ کر رہ جائے گا۔ اگر قوم کو زندگی کا صحیح شعور دینا ہے تو جماعتی سطح پر بحث و تمحیص کے بعد جماعت کو اپنے اس آخری فیصلے کا اعلان کر دینا چاہئیے جس کو اس باب میں حرفِ آخر سمجھا جائے۔

دیکھو تو سہی یہ وہی کائنات جس میں آدم سے لیکر مسیح تک برابر خیر و شر میں تصادم رہا۔ ظلم و عدوان اور سرکشی و بغاوت کی قہرمانی طاقتوں نے ہمیشہ حق و صداقت کے دبانے کی کوشش کی یہاں تک کہ محبوبِ کردگار خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ گرامی بھی اس بھونچال سے خالی نہ رہا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

انسانی رشد و ہدایت کی خاطر اگر مشیت ایزدی نے اپنے برگزیدہ نبیوں کا لشکر اتارا تو اسی دھرتی کے سینے پر اس مردودِ ازلی کی فتنہ کاریوں نے کبھی نمرود کا چولا بدلا اور کبھی فرعونیت کا روپ دھارن کیا آقائے دو جہان کے عہدِ رسالت میں یہ فتنہ اپنے شباب پر تھا بوجہلی صنم خانوں سے آندھیاں چلیں طوفان اٹھے، حتیٰ کہ سرزمینِ مکّہ کے ایک ایک گوشہ پر عیاریوں اور سازشوں کا جال بن دیا گیا اور پیغمبر نے ہجرت کر کے اس سرزمین مدینہ کو گہوارۂ رحمت بنایا جس کی آغوشِ محبت میں آج بھی جسدِ اطہر بطورِ امانت ہے یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر شمعِ نبوت کی لو مدھم نہ ہو سکی جس نے کبھی فاران کی چوٹیوں سے گم کردہ منزل چند عربوں کو پکارا تھا اس کی آواز پہاڑوں سے ہٹیں نیلگوں شامیانے سے ٹکرائی اور رفتہ رفتہ یہ آواز پوری کائنات پر محیط ہو گئی جس کی انقلاب انگیز تاریخ دیکھ کر کسی شاعر کو کہنا پڑا ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

دوستو! اب سے پہلے جو تلواریں بدر و اُحد اور خیبر و حنین میں اٹھ چکی تھیں ان کی تشنہ لبی کچھ باقی رہ گئی تھی چنانچہ زندگی کے موڑ پر یزیدیت نے سرزمین کربلا پر اپنا آخری مورچہ بنایا اور خانوادۂ نبوت کے ایک مرد مجاہد نے آگے بڑھ کر یزیدیت کے تابوت میں حق و صداقت کی آخری کیل ٹھونک دی۔

اس حقیقت کو کبھی نہ بھولئے گا کہ صبر و تحمل کی تاریخ جبر و استبداد کی راجدھانی میں مرتب کی جاتی ہے! عدل و انصاف کا پرچم ظلم و جفا کے ایوان پر لہرایا جاتا ہے۔ حریت و آزادی کی تعلیم تلواروں کے سایہ میں دی جاتی ہے اور پیکر تسلیم رضا تختۂ دار و رسن پر مسکراتا ہے۔

آپ کی دیانت اور آپ کے انصاف سے میرا مطالبہ ہے۔

بولئے اور سچ بولئے کہ دنیا خون ناحق کرنے والے کو سفاک اور ظالم کہا کرتی ہے تو آخر شِمر اسے کیا کہیں، جس نے نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول نور نگاہ علی مرتضیٰ کو بے آب و دانہ تہہ تیغ کیا ہو، جس کی لاشیں کربلا کی تپتی زمین پر بے گور و کفن پڑی تھیں۔ بے دردی کے ہاتھوں انھیں اس حال میں شہید کیا گیا کہ ان کے خیمے میں غلّے کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا۔ جن کے بچے بھوک و پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر آغوش مادر میں سو گئے مگر ان کی آنکھیں نم نہ ہوئیں کلیجے پر ہاتھ رکھ کر سوچو کہ ان بدنصیبوں کو کیا ہو گیا تھا؟

جن کے گھر سے ایک دنیا کو رحم و کرم کی بھیک ملی تھی اسی گھر کا ننھا منا سا معصوم بچہ علی اصغر پانی کے ایک قطرہ کے لئے ترس گیا وہ حسین جن کے چاند جیسے چہرے اور پتلے پتلے ہونٹوں کو لبہائے نبوت نے بار بار پیار کیا تھا اسی کا جسم کربلا کے چٹیل میدان میں تیر و نیزہ بلم اور بھالے سے چھلنی کر دیا گیا۔

بولو! تمہاری زبان کیوں خاموش ہے؟ تم عمرو ابن سعد، شمر ذی الجوشن، عبیداللہ ابن زیاد اور یزید پلید کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا اب بھی تمہیں یزید کی بے گناہی کا اقرار ہے یہ وہی شقی ازلی حرماں نصیب یزید ہے جو تخت امارت کو شراب و کباب کا اکھاڑہ بنائے تھا اور اس ٹڈی دل لشکر میدان نینوا میں آل پیمبر سے خون کے ہولی کھیل

> ☆ آہ سبط پیمبر کا وہ قافلہ جو حرم کعبہ سے چلکر نہر فرات پر خیمہ زن ہوا تھا اور دیکھتے دیکھتے دن دھاڑے لوٹ لیا گیا جس کے غم میں میری آنکھیں خوں فشاں اور کلیجہ چھلنی ہے۔

رہا تھا —

اے نادانو! آج سے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد تم تاریخ کی چھان پھٹک میں پڑے ہو حالانکہ یہ وہ درد بھری کہانی ہے جو اب سے صدیوں برس پہلے تاریخ کے ساگر میں کھنگالی گئی ہے یزید کے فسق و فجور اور یزیدی لشکر کے ظلم و جفا کی یہ خونی داستان اس حزم و احتیاط سے اوراق تاریخ پر ثبت کی گئی ہے جو اب جرح و تنقید کی سرحد سے قدم آگے بڑھا کر مقام دلیل حاصل کر چکی ہے۔

وقت کا اہم تقاضا تھا کہ یزیدیت کی سرکوبی کے لئے "حسین نمبر" کی اشاعت کی جائے اہلسنت کی طرف سے حسین نمبر کی شکل میں جو کچھ بھی حاضر ہے وہ ہماری عقیدت کے چند موتی ہیں جس کا آب و تاب اس کی شرف قبولیت پر موقوف ہے اگر سرکار حسین نے قبول کر لیا تو اس نمبر کا ایک ایک نقطہ گوہر آبدار اور اس کی ایک ایک سطر میں کہکشاں کا جمال ہے۔

آہ سبط پیمبر کا وہ قافلہ جو حرم کعبہ سے چلکر نہر فرات پر خیمہ زن ہوا تھا اور دیکھتے دیکھتے دن دھاڑے لوٹ لیا گیا جس کے غم میں میری آنکھیں خوں فشاں اور کلیجہ چھلنی ہے۔ کربلا کا وہ مظلوم جس کے غم میں آسمان سے خون برسا اور زمین نے لہو اگلا جو فاطمہ کا لال اور شہزادۂ رسول ہے

اسی کے قطرہائے خون سے اس نمبر کا ایک نقطہ منسوب کرتا ہوں"۔

اس اداریہ کو پھر سے پڑھئے اور پاسبان ملت کی ادبی نزاکت، فنی لطافت، نثری عنائیت اور اسلوب تحریر کی دلکشی کو آپ بھی داد دیجئے لفظوں کی فسوں کاری، شیرینی وحلاوت اور شوکت الفاظ کی ساری بہاریں نزاکتیں، اور ادائیں آپ کو خوب خوب دیکھنے کو ملیں گی۔ آپکی تحریر کی وہ ندرت وپاکیزگی ہی تھی کہ پاسبان خوشبو کی طرح پورے ملک میں پھیلتا چلا گیا اور آپ کی تحریروں میں پیروئے ہوئے لولوومرجان کی چمک دمک قارئین کی نظروں کو خیرہ کرتی رہی۔ کسی موقع سے حسرت موہانی نے مسٹر ابوالکلام آزاد کی تحریر سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا تھا۔

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزہ نہ رہا

میں کہتا ہوں کہ حسرت موہانی اگر زندہ ہوتے اور پاسبان ملت کی تحریر کو پڑھنے کا موقع ملتا تو انھیں یقیناً اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑتا اور وہ کہنے پر مجبور ہوتے ؎

جب سے دیکھی ہے میں نے نظامی کی نثر
نظم حسرت میں کچھ بھی مزہ نہ رہا

حضرت پاسبان ملت اختلافی مسائل پر بھی بحث کرتے وقت جملے کی ہم آہنگی اور الفاظ کے طنطنے میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتے بلکہ وہی روانی، وہی برجستگی، وہی رعنائی وبرنائی، وہی رکھ رکھاؤ اور وہی شگفتگی ہر جگہ دیکھنے کو ملتی ہے ایک جگہ یوں تحریر کرتے ہیں۔

"میں دنیا سے انصاف کا طلبگار ہوں کہ ایمان وعقیدہ جو عقل کا نہیں دل کا سرمایۂ حیات ہے اسے مولویت کے لباس میں قزاقوں نے پوری بے دردی سے لوٹا ہے دل کی دنیا میں آگ لگا کر ایمان وعقیدے کے آہنی محل پر پتھراؤ کیا جائے اس پر ہمیں چار آنسو بہانے کے بجائے یہ کہا جائے یہ وقت رونے کا نہیں کچھ کہنے اور لکھنے کا نہیں عقل کا تقاضا ہے کہ میل میلاپ کی فضا پیدا کی جائے سچ سچ بتاؤ ایک جوان سال بیٹے کی میت پر باپ کو رونے سے روکا جا سکتا ہے اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے تو تقویۃ الایمان، حفظ الایمان۔ براہین قاطعہ، الشہاب ثاقب جیسی کفری اور گندی کتابوں کے مقابل عقل کے اسٹیج پر یہ کیسا ننگا ناچ ہو رہا ہے کہ اس قدر دل آزار اور کفریات سے بھرپور کتابیں چھپتی ہیں لیکن اس کے خلاف منہ سے نہ کوئی بات کہی جائے اور نہ ہی نوک قلم پر کوئی نقطہ آنے پائے۔ یاد رہے جب تک باطل کیمپ سے چاندماری کا یہ ناپاک سلسلہ جاری رہے گا یا تو انھیں توبہ کرنی ہے یا پھر انھیں عمر بھر ایسے ہی مرغ بسمل کی طرح تڑپنا ہے ملک میں ہزاروں شور مچایا جائے کہ ہائے ہمیں کافر بنایا جا رہا ہے مگر دیدہ وروں نے سمجھ لیا ہے کہ تمھیں کافر نہیں بنایا جا رہا ہے بلکہ اپنی جن کفریات کو تم اپنی لمبی داڑھی اور لمبے دامن میں چھپائے ہو تمہارے چہرے کا نقاب اٹھا کر اصل حقیقت بتائی جا رہی ہے کہ کفر بول کر اب

> ## پاسبان ملت کے شہ پارے
>
> اگر حکمت کا یہی مفہوم ہے کہ جہاں مناسب سمجھا جائے وہاں تو قیام کر لیا جائے اور جہاں خطرات ہوں یا خسارے کا اندیشہ، وہاں دعا مانگ کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا جائے تو عقیدہ اور مسلک محض بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور ایمان کی وہ اسپرٹ جو ہمارے اسلاف نے ہمیں بخشی ہے وہ روز بروز مردہ ہوتی چلی جائے گی۔ ایسے مقرر اور واعظ کو مداریوں کی ڈگڈگی پر کرتب دکھانے والے فنکار کا حقیقی نہ سہی تو سوتیلا بھائی ضرور سمجھئے گا۔ ●●

تم مسلمان نہیں رہے بلکہ کافر ہوچکے ہو اسے کافر بنانا نہیں کہا
جاتا بلکہ کافر بتانا کہا جاتا ہے ۔

کچھ اور آگے کا ایک پیراگراف نظروں میں رکھئے اس جگہ ان
کی نثری غنائیت پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے جی میں آتا ہے اس
قلم کو چوم لوں جس سے اتنے خوبصورت پیرائے میں الفاظ کے موتی ڈھلک
کر لوح قرطاس پر مرتسم ہوگئے ہیں ۔

ایمان کا معاملہ عقل کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ دل کے حوالے
کیا گیا ہے مبدا و فیاض سے مان لینے کی جو صلاحیت قلب
کو ودیعت کی گئی ہے وہ عقل کے حصے میں نہیں آئی عقل
کا معاملہ تو یہ ہے کہ دلائل و براہین کی قوت و ضعف کو دیکھکر
رائے میں تبدیلی آجاتی ہے مگر مان لینا جو دل کا کام ہے اس
کا عالم تو یہ ہے کہ ؎

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ خدائے قدیر ان پر رحمتوں کے
پھول برسائے آمین کفار مکہ نے ان کی چھاتی پر تپتے ہوئے
گرم پتھروں کی سلیں رکھدیں گرم گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینے
پر ہمکتے رہے عقل تھپکیاں دیتی رہی اور فہمائش کرتی رہی کہ ان
جانکاہ آلام و مصائب و شدائد کا مقابلہ آسان نہیں ہے ۔
بدن کی ہڈیاں چیخ رہی ہیں رگوں سے پھٹ کر خون رسنے اور بہنے
لگا۔ آنکھیں ابھر آئیں گلے میں کانٹے پڑ گئے حضرت بلال رضی
اللہ عنہ کے سینے پر ظلم و تشدد بے شرمی و بے حیائی، کا ننگ
انسانیت کردار اور دل سوز مظاہرہ ہو رہا ہے عرب کے دانشور
سمجھاتے رہتے عقل ہزار بار کہتی رہی بلال جان ہے تو جہان ہے
بلال کے آہنی عزم جذبۂ خلوص، والہانہ عشق پر عقل کی ترکش
کا کوئی تیر پیوست نہ ہوسکا ۔ مجھے کوئی بتائے کہ عقل نے
بظاہر کہا برا کیا اس کا ظاہری چم خم صرف حسین و دلفریب ہی
نہیں بلکہ حقیقت و صداقت کا ایک ناقابل انکار ضابطہ معلوم
ہوتا ہے مگر بتلایئے ۔ عقل فاتح ہوئی یا دل؟ عقل حکمراں ثابت
ہوئی یا دل کا تخت و تاج سلامت رہا حقیقت اتنی سی ہے
محبت کی وہ لطیف کیفیت جسے دل نے سرمایۂ حیات
اور حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے وہ اس کی خاطر جان تو دیدیگا
مگر عشق کی آبرو کو سربازار نیلام نہیں کر سکتا ۔

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

دوسری جگہ پاسبانِ ملت یوں تحریر کرتے ہیں ۔
دوستو! دنیا کے سارے مسائل عقل اور نظر و فکر کے کل پرزوں
سے حل نہیں ہوتے اس کائنات کی چہل پہل، ہماہمی زنگارنگی دلکشی و رعنائی
میں عقل و شعور اور سائنس ہی کو تنہا دخل نہیں ہے بلکہ ذہن و فکر کے اقلیم
میں حضرت دل بھی فرمانروا اور حکمراں نظر آتے ہیں کسی نے کہا اور اچھا کہا
بحر ہے

لازم ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

٭ پاسبان ملت آسمان علم و فضل کے
ابر سخا اور سحاب کرم تھے جو ہر جگہ برسے ۔ مرغزار علم و فن کو بھی شادابی
عطا کی اور گلشن صحافت کو بھی نکھارا، فکر کی شبستانوں میں بھی
چراغ فروزاں کئے ۔

ان تحریروں کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کوئی دشوار نہیں رہ جاتا کہ

پاسبان ملت کو پروردگار نے ہر موضوع پر لکھنے کی قدرت عطا کی تھی اور ہر انداز میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کی وافر صلاحیت بخشی تھی، حضرت پاسبان ملّت کے نثری شہ پاروں سے متعلق چند پیراگراف قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ انشاء اللہ اگر موقع ملا تو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھنے کی سعادت حاصل کرونگا بس پاسبان ملت کے جملوں کے ہی ساتھ مضمون اختتام کو پہنچ رہا ہے کہ آہ ! بحر علم کا در شاہوار، آسمان علم وحکمت کا بدر کامل چمنستان فکر ونظر اور شعور و آگہی کا مسکراتا پھول مسند درس وتدریس کا مجاہد، میدان مناظرہ کا اہم مناظر جس کا وجود ملت کے لئے گنج گرانمایہ کا حامل تھا۔ اب نہ رہا، صد حیف ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا اس موقع سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد آتا ہے کہ ایک زمانہ آئیگا کہ علم اٹھ جائیگا اور وہ اس طرح نہیں کہ عالموں کے سینے سے علم چھین لیا جائیگا بلکہ علماء ہی اٹھا لیے جائیں گے۔ بلاشبہ حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی ذات والاصفات بھی انھیں سرخیل علما سے تھی۔

واحسرتا! علم وفن کا جگمگاتا آفتاب اور فکر ونظر کا دمکتا ماہتاب ۲۹ر اکتوبر کو ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پاسبان ملت کے شہ پارے

جس طرح دنیا کی دوسری جماعتیں اپنے ہی نظرئے کی نشریات کو کعبہ مقصود سمجھتی ہیں ایسے ہی ہماری جماعت کے افراد کو اپنے ہی مشن اور پروگرام سے قلبی لگن ہونی چاہیئے اہلسنت کے مسائل سے اجتناب اور دور دراز مباحث و مضامین سے دلچسپی کو ذہن وفکر کی بے راہ روی سے تعبیر کیجیئے یا منافقت کی اعلےٰ نہ سہی تو ادنیٰ درجہ قرار دیجئے۔ ایسے افراد جماعت کا کوئی تعمیری کام انجام نہیں دے سکتے۔

مسلم یتیم خانہ وقت کی اہم ضرورت

شہر مظفرپور میں ایک ایسے ادارہ کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی جہاں قوم کے نونہالوں کو ساری آسانیاں میسر ہوں۔

الحمد للہ! آج برسوں کے بعد یہ سنہرا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ملّت کی متحرک وفعال شخصیت کی کاوش رنگ لائی جس کے نتیجے میں ایک کٹھّا زمین شہر مظفرپور میں چاندنی چوک کے قریب حاصل کرلی گئی۔ اور وہاں تین کمروں پر مشتمل ایک فلک بوس عمارت بھی تیار ہوچکی ہے۔ مزید تعمیر کا کام جاری ہے۔

دار العلوم سلمانیہ مسلم یتیم خانہ میں داخل ہونے والے طلبا کو دینی و اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستہ کرانے کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور ٹیکنیکل ہنر سے بھی ہم آہنگ کرایا جاتاہے تاکہ یہاں سے نکلنے والے طلبا کسی بھی میدان میں کسی کے دست نگر نہ بنیں ——— دار العلوم ہذا میں تعلیم حاصل کرنے والے سبھی طلبا کے قیام وطعام، لباس وپوشاک ودیگر ضروریات کے اخراجات کا بار بھی ادارہ ہی برداشت کررہا ہے ——— لہٰذا تمام برادرانِ اسلام سے **اپیل** ہے کہ اس عظیم تحریک میں دل کھول کر ہمارا ساتھ دیں۔

فقط

(مولانا) غلام حیدر قادری مصباحی
ناظم اعلیٰ دار العلوم سلمانیہ مسلم یتیم خانہ
چاندنی چوک پٹھان ٹولی
(مظفرپور)

[illegible]

پاسبانِ ملت کے

افسانے

قلمی معرکے

آنے والے تو چلے جاتے ہیں واپس لیکن
جانیوالے نہیں آتے یہ تماشہ کیا ہے

یہ تماشہ نہیں رسم جہاں ہے ـــــ اصول فطرت ہے ـــــ دستور حیات ہے ـــــ لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں لمحے دنوں میں تبدیل ہوئے ـــــ دن نے ہفتہ کی شکل اختیار کی اور ہفتہ مہینوں اور سالوں میں مدغم ہوگیا ـــــ لوگ جانے والے کو بھول گئے صفحۂ ذہن سے اسطرح مٹا دیا جیسے کبھی تصور میں ان کی تصویر ابھری ہی نہ تھی ـــــ دماغ کے جھیلوں میں وہ کبھی تیرا ہی نہ تھا۔

ـــــ سچ کہا ہے کامل نے

دو گھڑی روئیں گے احباب تیرے اے کامل
پھر ہمیشہ کو بھلا دیں یہ سمجھتا کیا ہے

مگر یہ حشر تمام جانے والوں کا نہیں ہوتا ـــــ بعض جانیوالے ایسے ہوتے ہیں جن کے غم میں کائنات کا ذرہ ذرہ اشک بداماں ہوتا ہے گلشن کے سرسبز و شاداب برگ و گل بھی خون کے آنسو روتے ہیں ـــــ کلی کلی خونفشاں ہوتی ہے ـــــ چمن چمن رنج و غم سے نڈھال ہوتا ہے۔

ؔ موت اسکی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کیلئے

جانیوالے چلے جاتے ہیں مگر ان کی یادیں ـــــ ان کی باوقار شخصیت کے تابندہ نقوش ـــــ ان کے کردار و گفتار کی عظمت و جامعیت آنکھوں کو اشکوں کے خراج پیش کرتی ہیں۔

اے شامِ غم! تجھ سے کوئی شکایت نہیں تو تو سبھی کا مقدر ہے ـــــــ اب تک نہ جانے کتنی شمع کو گل کر دیا ـــــــ کتنے کو لاوارث و بے سہارا بنا دیا لیکن سب اشکوں کے گھونٹ پی کر رہ گئے ـــــــ میں بھی غمناک آنکھوں سے تمہیں اشکوں کے خراج پیش کرتا ہوں ـــــــ

اور اے گورِ غریباں! تیری ویرانیاں سلامت" میں اپنے مقدر پہ روؤں اور تم اپنی ویرانی پر ـــــــ کہ

ہزاروں جان دیکر ہم تجھے آباد کرتے ہیں
مگر گورِ غریباں تیری ویرانی نہیں آجاتی

آج وہ عظیم شخصیت ہماری انجمن میں نہیں مگر ان کا چھوڑا ہوا اثاثہ صبح قیامت تک لوگوں کے اذہان پہ ثبت رہے گا اور آنے والی نسلیں انکے ان کے انہی اثاثہ کے ذریعہ ان کی شخصیت سے آشنا ہوتی رہیں گی۔

ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ـــــــ بعض لوگ اپنی پہچان آپ ہوتے ہیں ـــــــ ان کے کردار سے شخصیت کا پتہ چلتا ہے ـــــــ گفتار سے تشخص ابھر کر سامنے آتا ہے ـــــــ ان کی ذات صفات کا پتہ دیتی ہے اور صفات سے ذات کا سراغ ملتا ہے ـــــــ

بھلا ایسی متنوع اور بوقلموں ذات کو بھی دنیا فراموش کر سکتی ہے۔ جس نے آل انڈیا سنی تبلیغ جماعت کی داغ بیل ڈال کر تبلیغی جماعت کا دندان شکن جواب دیا ہو ـــــــ تشنگان علوم کی سیرابی کے لئے دارالعلوم غریب نواز کا قیام عمل میں آیا ہو ـــــــ مسلک کی صحیح ترجمانی کیلئے ایک عرصہ تک پاسبان کی اشاعت کرتا رہا ہو ـــــــ مسائل کا صحیح حل اور سنیت کی صحیح تبلیغ کے لئے ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر جیسا عظیم اسلامی قلعہ قوم کے نام وقف کیا ہو ـــــــ

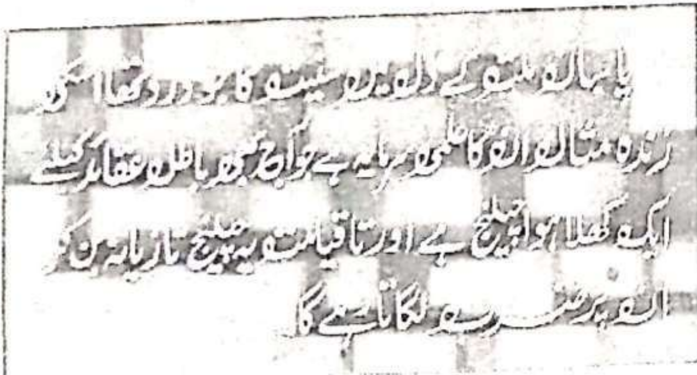
اگر دنیا میں خلوص و انسانیت کی کچھ رمق باقی ہے تو دنیا اس مرد میداں اور قوم کے ہمدرد کو قطعی فراموش نہیں کر سکتی۔

ان کے یہ کارہائے عظیمہ وہ انمٹ نقوش ہیں جن کے ساز پہ آج بھی یہ آواز گونجتی ہے۔

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی رحلت سے سنیت کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ آسمان خطابت پر سینکڑوں ستارے نمودار ہو سکتے ہیں۔ افق صحافت پر ہزاروں قندیلیں روشن ہو سکتی ہیں مگر جو شمع پاسبان ملت نے فروزاں کئے۔ خطابت کا جو اسلوب انہوں نے ایجاد کیا اسکی مثال مفقود ہے کیونکہ بقول شخصے

کیا حسن ہے جمال ہے کیا رنگ و روپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے



پاسبان ملت نے اپنے خطیبانہ طمطراق اور عالمانہ کروفر سے دین و سنت کی عظیم خدمت کی ہے اور خون کے آنسو، قہر آسمانی، بے نقاب چہرے، مجرم کون، جماعت اسلامی کا شیش محل، انکشافات، نیا دین، کربلا کا مسافر کے ذریعہ آپ نے اپنے فرض شناس اور بیدار مغز ہونے کا ثبوت دیا ہے جب جب اور جس جس محاذ پر وقت نے آپکو آواز دی ہے آپ نے اس محاذ کی کمان سنبھالی ہے اور پھر وہ کچھ جوہر دکھایا ہے کہ دنیا محو حیرت ہے۔

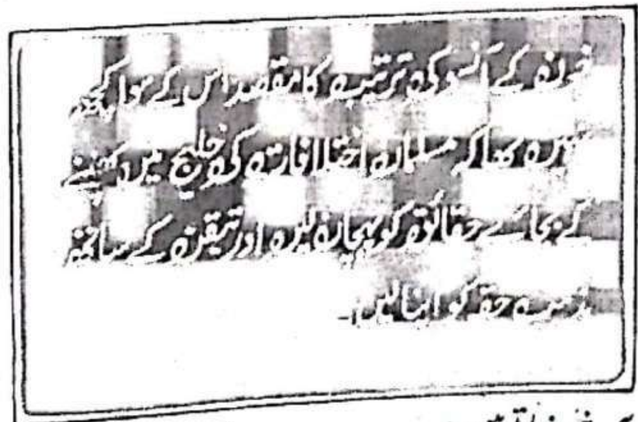
چنانچہ نیا دین کی ترتیب کے وقت ہر چند کہ آپکو یہ احساس تھا کہ اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ان عقائد باطلہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں اور وہی ذخیرہ اتنا کافی و وافی ہے کہ حریف ایک عمر سکت پہنے

پر مجبور ہے ——— مگر

"ہر دور کے حالات جداگانہ ہوتے ہیں اب اگر اس عہد کے ذہنی و فکری مزاج کے مطابق مسائل کی تفہیم کا احسن طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو عقائد کی ٹھوس حقیقتیں صفحۂ قرطاس پر تو محفوظ ہوں گی لیکن انسانی ذہنوں کی تختی پر اس کا عکس نہ اُتارا جاسکے گا۔ اس لئے ہر دور اپنے مزاج کے مطابق مسائل کی تفہیم کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کی رعایت نہ کرنا اپنی فکری صلاحیتوں کو ملیامیٹ کر دینے کا مترادف ہوگا۔"

کہہ کر آپ نے قلم اٹھایا اور لشکر باطل پر اپنے نوک قلم سے وہ گولہ باری کی کہ اسکی توانائیاں دم توڑ گئیں اور بے دینی اور لامذہبیت کا طوفان بلا خیز تھم گیا۔

خون کے آنسو اسی ضرب کاری کی ایک کڑی ہے جس سے ایوان نجدیت میں دراریں پڑ گئیں۔ جب باطل قوتیں یلغار کرتی ہوئی اہلسنت کے ایوان ایمان پر حملہ آور تھیں ——— بھولے اور سیدھے مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں لیکر ان کے عقائد کو ملیامیٹ کیا جارہا تھا اور ہر جانب بے دینی و لامذہبیت کے جال پھیلائے جارہے تھے آپ نے خون کے آنسو کے ذریعہ ان کے جملہ کتابوں لٹریچروں کی علمی گرفت کی اور ان کی رسول دشمنی کی عقدہ کشائی کر دی۔


خون کے آنسو کی ترتیب کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مسلمان [illegible] کی خلیج پیدا [illegible] عقائد کو پہچان لیں اور حقیقت کے ساتھ [illegible] حق کو اپنالیں۔

آپ خود فرماتے ہیں۔

"ایمان و عقیدے کی بنیاد پر آج دو الگ الگ اسکول ہیں دیوبند اور بریلی۔ ان دونوں کا یہ کہنا ہے کہ حق و صداقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپکو خون کے آنسو کے صفحات پر یہی تلاش کرنا ہے کہ واقعی حق پر کون ہے۔"

اپنی اس جد و جہد میں انہوں نے اپنی بات کہنے کے بجائے ان کی ہی کتابوں کے اقتباسات کو نقل کر کے معاملہ مسلم عوام کی عدالت میں پیش کر دیا ہے تاکہ وہ خود ہی حق و باطل کے درمیان امتیاز کو پہچانیں اور پھر احقاق حق کے بعد اسے قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہ ہو۔ آپ خود رقمطراز ہیں۔

"میں نے ان ہی کی کتابوں سے ان کے غلط پندار کا ایک تفصیلی خاکہ حاضر کیا ہے جسمیں رنگ و روغن کے لئے بریلی یا بدایوں سے کچھ لینے کے بجائے تھانہ بھون نانوتہ گنگوہ دیوبند ہی سے سارا میٹریل حاصل کیا ہے جس پر آج پوری دنیائے دیوبندیت انگشت بدنداں ہے۔"

پاسبان ملت ایک ایسے صحافی تھے جو واقعات کو پڑھکر قلم اٹھاتے تھے ——— مقتضیات پر ان کی نگاہیں ہوتی تھیں ——— حالات کی نزاکت کا انہیں حد درجہ احساس تھا۔

آپ نے جس عمر میں قلمی معرکہ آرائیاں کی ہیں اس وقت عوام کے واہ واہ کا دور تھا مگر آپ نے وقت کی پکار سنی اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنا ایک ایسا محاذ تیار کیا جس سے ایوان دیوبندیت پر برق خاطف اور قہر آسمانی بن کر ٹوٹتے رہے۔

گر حلقۂ یاراں ہو تو ریشم کی طرح نرم
رزم حق باطل ہو تو فولاد ہے مومن

پاسبان ملت خشک سے خشک موضوع کو بھی دلچسپ اور شیریں لہجے میں پیش کرتے تاکہ سامعین و قارئین کو بوریت و اکتاہٹ کا احساس نہ ہو

اور نفس مسئلہ ان کے ذہن میں اتر جائے۔ تنقید و تبصرے میں آپ نے ایک انوکھی جدت پیدا کی اور اسے نئے رنگ و روغن سے آراستہ کیا۔ آپ کے بعض تبصرے تو اتنے دلچسپ ہیں کہ پڑھنے کے بعد بیساختہ ہونٹوں پہ تبسم رقص کرنے لگتا ہے اور کتاب مکمل کئے ہوئے قرار نہیں ملتا اور پھر ایک بار نہیں بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے پھر بھی وہی لذت وہی چاشنی، وہی لطف۔

ان کی مختلف کتابوں کے چند اقتباسات ہیں جسے پڑھئے اور پاسبان ملت علامہ نظامی علیہ الرحمہ کے قلمی معرکے کا اندازہ لگائیے

> تھانوی صاحب فرماتے ہیں "مرا واقعہ ہے کہ ایک کتاب پڑھنے میں مشغول ہو گیا جس سے عصر کی اذان سنائی نہ دی اور بادل تھا روشنی کا اندازہ نہ ہوا اور اس بنا پر عصر کی نماز کا وقت نکل گیا۔ مغرب کے وقت اپنے گمان میں عصر سمجھکر مسجد میں گئے۔" افاضات الیومیہ جلد ۵ ص ۳۸

نوٹ: واللہ کیسے پابند نماز تھے؟ مرغ نہ بولے تو سویرا ہی نہ ہو یہ تھے حکیم الامت ____

طرز تنقید کا بانکپن ____ محاورے کا بروقت استعمال، اور پھر طنز کی جھلک۔ سب کچھ موجود ہے ____ جسے دیکھئے ____ پڑھئے اور مسکرائیے۔

> تھانوی صاحب فرماتے ہیں "مرا عمل عزائم پر نہیں رخص پر ہے۔ نفلیں کم پڑھتا ہوں۔ کبھی نوافل بیٹھ کر پڑھ لیتا ہوں۔"
>
> افاضات الیومیہ جلد ۱ ص ۲۵

> تھانوی صاحب فرماتے ہیں "میں صبح کی سنت پڑھ رہا تھا کہ میرے گھر سے آدمی دوڑا ہوا آیا۔ یہ خبر لایا کہ گھر میں کوٹھے کے اوپر سے گر گئی ہیں یہ سنتے ہی فوراً نماز توڑ دی۔ اشرف المعمولات ص ۱۴

نوٹ: بادل ہو تو عصر غائب، بیوی کوٹھے سے گرے تو سنت رخصت نفل کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہاں کسی عبادت کی خیر نہیں ہر طرف سے جعلی پرمٹ حاصل ہو چکا ہے۔

ذرا اس جملے کی سادگی و برجستگی دیکھئے ____ جتنا سادہ اتنا ہی رنگین ____ اسے پھر پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔

> مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے کہی ہے واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پاؤں دھوکر پینا نجات اخروی کا سبب ہے۔
>
> تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۱۱۳

نوٹ: چلئے ہر کام سے چھٹکارا ملا۔ اب روزہ نماز حج زکوٰۃ کسی کی بھی ضرورت نہیں۔ پاؤں دھوکر پی لیجئے ورنہ تھانہ بھون جاکر قبر چاٹئے یا بجائے ایک مرتبہ کے دو چار مرتبہ دھوکر پی لیجئے اور سیدھے ٹکٹ ____ چلے جائیے۔ چھوڑیئے کمیشن والی تبلیغ و سفارت اچھا نسخہ ہاتھ آیا۔

اظہار حقائق کا یہ اسلوب ____ نقد و جرح کا یہ حسین انداز ____ تبصرہ کا تیور اور نوٹ کا نشتر آپ کو اور کہیں نہیں ملے گا یہ تو صرف پاسبان ملت کا خاصہ ہے

تھانوی صاحب فرماتے ہیں "میرے بعد میرے متعلق کا لحاظ غالب ہو۔ وصیت کرتا ہوں کہ بیس آدمی مل کر اگر ایک ایک روپیہ ماہوار ان (بیوی صاحبہ) کیلئے اپنے ذمہ رکھ لیں تو امید ہے کہ ان کو تکلیف نہ ہوگی (تنبیہات وصیت ص۲۰)

نوٹ:۔ معلوم ہوا خدا سے توکل اٹھ چکا تھا حاجت روا تو صرف مریدین تھے۔ سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت تو غربا اسلام کی خاطر ہے تاکہ اسی بہانے انہیں عمدہ اور لذیز چیزیں کھانے کو نصیب ہوجاتے ہیں اس پر تو آپ حضرات برس پڑتے اب کہئے تھانوی صاحب کی وصیت میں روپیہ بٹورنے کی اسکیم کیسی رہی ؟

چند اقتباسات اور ملاحظہ کریں

تذکرۃ الرشید جلد اول کے صفحہ ۳ بیں ہے" پس بے نظیر شیخ وقت اور بے عدیل قطب زماں کی سوانح کوئی لکھے تو کیا لکھے، بھلا جس نور مجسم اور سراپا کمال کا عضو عضو اور رواں رواں ایسا حسین ہو کہ عمر بھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے سے بھی سیری نہ ہوسکے اس کے کوئی محاسن بیان کرے تو کیا کرے۔"

تبصرہ: فرمائیے کیا دیسی کالا کوا کھاتے کھاتے مولانا گنگوہی نور مجسم ہو گئے تھے شاید اسی نے گنگوہی صاحب نے کوے کو نہ صرف جائز۔ بلکہ اس کے کھانے کو ثواب فرمایا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ کالا کوا کھانے والا نور مجسم ہوجاتا ہے ـــــ اور اس کے بدن کا رواں رواں ایسا حسین کہ عمر بھر دیکھنے کے باوجود سیری نہ ہوسکے ـــــ

یہ تو صرف وہی کہہ سکتا ہے جسے گنگوہی جناب کے بدن کا رواں رواں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہو

تبصرہ بے باک بھی ہے اور پر لطف بھی ـــــ ممکن ہے قارئین علامہ نظامی کی اس جسارت قلم اور بے باک تبصرہ پر حیران ہوں۔ مگر آپ حیران ہونے کے بجائے ان کے ان بنیادی وجوہات ملاحظہ کیجئے جس نے علامہ نظامی کو قلم اٹھانے پر مجبور کیا تھا۔

انکشافات کے پیش لفظ میں پاسبان ملت رقمطراز ہیں۔

" اس یقین کے باوجود کہ یہ کچھ ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب ہی دیا جائے پھر بھی جناب ٹانڈوی جو بقلم خود فاتح رضاخانیت ہیں ان کی مضحکہ خیز کتاب "علمائے حق بریلوی کا حقہ شریف" جو من وعن ہفوات و خرافات کا خلاصہ و نچوڑ ہے اس کا مدلل و تحقیقی جواب ہدیہ ناظرین ہے ـــــ محض اس خیال سے کہ عوام کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں اور بقلم خود فاضل من الفضول کو ڈبل مالیخولیا نہ ہوجائے کہ مرے ترکش کا یہ وہ تیر ہے جس کا کوئی جواب نہیں ـــــ

اب اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ اس میدان میں بھی اپنے کو آزمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ حق کے دامن میں پناہ ملی یا نہیں"

یہ وہ دواعی تھے جن کی بنیاد پر علامہ نظامی علیہ الرحمہ کو قلم اٹھانا پڑا ورنہ یہ کوئی علمی بحث نہیں۔ جسمیں علامہ نظامی علیہ الرحمہ اپنا وقت ضائع کرتے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کتاب سے

بقیہ ص۱۳۹ پر

منقبت درشان پاسبان ملت

محمد قمر الزماں مصباحی مظفرپوری سب ایڈیٹر نوید مصطفےٰ

ملت بیضہ کا میر کارواں

سید عالم کا بے شک مدح خواں جاتا رہا
گلشن اسلام کا وہ باغباں جاتا رہا

تھا ایڈیٹر پاسباں کا پاسبان قوم بھی
ملّت بیضہ کا میر کارواں جاتا رہا

جس کے دم سے تھا معطر گلستان علم و فن
فکر و فن کا بالیقین وہ بوستاں جاتا رہا

عمر جس نے صرف کر دی دین کی تبلیغ میں
عظمت اسلام کا وہ پاسباں جاتا رہا

وہ ادیب نکتہ سنج و نازش علم و ادب
وہ شہنشاہ قلم شیریں بیاں جاتا رہا

یوں بلکتا چھوڑ کر سوئے جناں سب کو قمر
عامل قرآن و سنت حق بیاں جاتا رہا

پاسبانِ ملت علیہ الرحمۃ

ایک تعارف ایک حقیقت

مولانا انوار احمد نظامی الہ آباد

استاذ گرامی خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب۔۔
نظامی کا آبائی وطن موضع سرائے غنی تھا جو ضلع الہ آباد کی مشہور تحصیل پھولپور کا ایک مردم خیز علاقہ ہے جہاں آپکا پختہ مکان، آم کا باغ اور آراضی ہے لیکن اب مستقل سکونت شہر الہ آباد محلہ دائرہ شاہ اجمل ہی میں تھا یہاں بھی آپکا دو قطعہ ذاتی مکان ہے جس زمین پر اہلسنت کی مرکزی درسگاہ دار العلوم غریب نواز کی فلک بوس عمارت کھڑی ہے وہ زمین بھی آپ ہی کی تھی

قرآن شریف اور اردو کی مروجہ تعلیم کے بعد آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ جو ایک درویش صفت بزرگ تھے جن کا پختہ مزار اینٹ کی چہار دیواری میں عارف حق قاضی صدر الدین علیہ الرحمہ کے مزار مبارک کے متصل ہے" نے سلطان الہند خواجۂ خواجگاں خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں علامہ نظامی کی حاضری دلائی اور علوم عربیہ کی تحصیل کے لئے آستانہ خواجہ پر منت مانی گئی رجب میں حاضری دلانے کے بعد شوال میں حضور مجاہد ملت کی خدمت میں سپرد کردیا گیا

سارٹیفکٹ کے اعتبار سے آپکی تاریخ پیدائش ۱۵ اگست ۱۹۲۹ء ہے لیکن اغلب یہ ہیکہ تاریخ پیدائش ۱۹۱۸ء ہے آپ کا نام مشتاق احمد ہے لیکن شمس العلماء حضرت مولانا نظام الدین صاحب جو معقولات و منقولات کے ایک ممتاز و منفرد شہرہ آفاق عالم ہیں ان سے شرف تلمذ کی بنیاد پر نظامی کی نسبت فرمائی اس طرح سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی انتساب کا شرف حاصل ہوا

سرائے غنی ملک زادوں کی آبادی ہے سرائے غنی اور آس پاس دیگر مواضعات میں ملک برادری کے زمین دار اور رؤسا آباد ہیں ملک زادہ ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاندانی پیشہ زمین داری تھا ۱۹۴۷ء کے بعد زمینداری تو جاتی رہی لیکن رگوں میں جو خون تھا اس میں زمیندارانہ خو، بو تھی متواضع اور منکسر ہونے کے باوجود مزاج میں غایت درجہ خود داری تھی ملک برادری سے متعلق

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی چند سطریں ملاحظہ کیجئے اس سے اندازہ ہوگا کہ ملک برادری کا دینی و دنیاوی اعتبار سے کتنا وزن ہے

یہ ملا محب اللہ جو اپنی نسبت بہاری سے ظاہر کہ بہار سے تعلق رکھتے ہیں مسٹر آزاد نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ کڑا نامی گاؤں جو محب علی پور پرگنہ جو صوبہ بہار سے تعلق رکھتا ہے پیدا ہوئے اور بہار کی ایک شریف قوم ملک جسکی اس زمانہ میں بھی اس صوبہ میں کافی تعداد ہے اور دین و دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں میں امتیاز رکھتی ہے صرف قدیم بلکہ جدید تعلیم یافتوں کا ایک بڑا طبقہ بہار میں ملک ہی قوم سے تعلق رکھتا ہے اپنی کتاب سلم و مسلم جو بقول شبلی درس نظامی کے نصف نصاب کو اپنے نیچے تقریباً ۲ سو سال اس نے دبائے رکھا قاضی، حمد اللہ، ملا حسن، ملا مبین، شرح سلم بحر العلوم یہ نظامیہ درس کی مشہور کتابیں سلم ہی سے تعلق رکھتی ہیں"

(مقالات شبلی درس نظامیہ)

ایسے ہی ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری جو اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ و ممتاز شاگرد تھے وہ بھی ملک ہی قوم کے ایک ممتاز فرد تھے اسی لئے انہیں ملک العلماء کا خطاب دیا گیا حضرت ملک العلماء نے سوانح اعلیٰحضرت میں ملک قوم کا شجرہ نسب بھی قلمبند فرمایا ہے جب کبھی علامہ نظامی کی مفصل تاریخ لکھوں گا تو اس میں یہ تفصیلات آئیں گی۔

مدرسہ سبحانیہ جو کسی وقت نہ صرف الہ آباد بلکہ صوبہ کا مرکزی علمی ادارہ تھا اسی دینی درسگاہ میں استاذ الاساتذہ بحر العلوم امام التارکین حضور مجاہد ملت کے زیر نگرانی استاذ گرامی حضرت علامہ نظامی صاحب کی نشو نما ہوئی فارسی کے ابتدائی اسباق مولوی رحمت اللہ کے سپرد کئے گئے لیکن جب آپ پر انکی وہابیت آشکارا ہوئی تو حضور مجاہد ملت کے ایماء پر حضرت مولانا الحاج قاری عبد الرب صاحب ازہری مرادآبادی کے یہاں اپنے اسباق منتقل کر لئے

ہدایۃ النحو تک آپکی تعلیم حضرت مولانا عبد الرب صاحب کے پاس ہوئی اس کے بعد امام النحو حضرت مولانا عبد القدوس صاحب کھدری سے آپ نے گرامر کی تعلیم مکمل کی شرح جامی کے بعد آپکے جملہ اسباق شمس العلماء حضرت مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ سے متعلق ہو گئے اس اثناء میں قصیدہ بردہ شریف کنز الدقائق اور شرح جامی کے کچھ اسباق حضور مجاہد ملت کے پاس ہوتے ابھی درس نظامیہ کی تکمیل نہ ہو پائی تھی کہ ۱۹۴۴ء میں الہ آباد بورڈ سے آپ نے عالم کے امتحان میں فرسٹ ڈویزن سے کامیابی حاصل کی ۱۹۴۵ء میں منشی کا امتحان دیا ۱۹۴۶ء میں فاضل ادب اور اردو اعلیٰ قابل کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی ۱۹۴۷ء میں کامل کے امتحان میں کامیاب ہوئے اور درس نظامیہ کی فراغت حاصل کی

درس عالیہ کی تعلیم میں مولانا عبد القدوس بہاری مولانا محمد عمر الہ آبادی سے آپ نے دیوان متنبی، ہدایہ کتاب البیوع، نہایۃ الایجاز امام رازی، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، علم العروض والقوافی، قصیدہ رقات الطرب وغیرہ پڑھی۔ طب کی تعلیم آپ نے مولانا حکیم محمد احسن بہاری سے حاصل کی موجز قانونچہ، شرح اسباب، نفیسی یہ طب کی معرکۃ الآرا کتابیں ہیں یہ ساری کتابیں آپکے زیر درس رہ چکی ہیں ۱۹۴۶ء میں جب آپکی فراغت بھی نہیں ہوئی تھی آپ الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ مصباح العلوم –

ں مدرس بھی رہے مولوی عالم کی کتابیں آپ نے پڑھائیں الہ آباد
ی مرکزی درسگاہ دار العلوم جامعہ حبیبیہ میں ایکسال کے لگ بھگ تدریسی
نجام دیتے رہے کتابیں زیادہ ہونے کی وجہ سے مولانا حافظ قاری
نعمت اللہ غازی پوری ثم الہ آبادی و مولانا عبدالحمید الہ آبادی کو مشکوٰۃ
شریف و جلالین شریف گھر پر پڑھاتے ۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ فاروقیہ
بنارس میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے چند مہینوں کے بعد مدرسہ
سبحانیہ کے اراکین کے اصرار پر آپ مدرسہ سبحانیہ چلے گئے اور تین برس
سے کچھ زائد تدریسی خدمات انجام دیتے رہے مولانا نورالدین نظامی
شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ رامپور، عالی مرتبت جناب محمد ابو ذر صاحب
ہائی انسپکٹر مدارس عربیہ و فارسیہ اور میری کتابیں استاذ گرامی حضرت
علامہ نظامی ہی کے پاس ہوتی رہیں شرح جامی قطبی، نور الانوار
ہدایہ وغیرہ کے بعد ہمارے اسباق شمس العلماء حضرت مولانا
نظام الدین صاحب قبلہ وغیرہ کی طرف منتقل ہو گئے اور اب نظامی
صاحب تقریری پروگرام سے متعلق ہو چکے تھے اور وہ بستر جو ہمیشہ
کھلا رہتا تھا اب ہمیشہ بندھا رہتا، اب زندگی صبح کہیں اور شام کہیں
والی ہو گئی تھی اسی بنیاد پر آپ نے مدرسہ سبحانیہ سے استعفیٰ دے دیا
ویسے تو ۱۹۶۲ء ہی سے جلسوں میں آپ شرکت کرنے لگے تھے لیکن
اب تدریجاً پروگرام کی ہما ہمی میں پڑھانے کی فرصت کہاں تھی اسی
اثناء میں آپ نے ماہنامہ پاسبان کا اجرا کیا کچھ دنوں بعد الہ آباد
سے مرکزی آفس بمبئی منتقل کر دیا گیا ایک عرصہ دراز تک ماہنامہ
پاسبان سنیت کی زمین پر بادل بنکر چھایا رہا جب تک علامہ نظامی
کا قلمی تعاون پاسبان کو حاصل رہا اس کا ہر شمارہ علم و ادب اور
تاریخ کی دستاویز بنا رہا

سب سے پہلے آپ نے اعلیحضرت کو امام احمد رضا
لکھا اس پر میرے بھائی مولانا اقبال احمد ماہنامہ "نوری کرن"
بریلی نے تنقیدی مقالہ لکھا کہ آپ نے اعلیحضرت کو مسجد کا امام بنا دیا
اگلے شمارے میں علامہ نظامی نے اس کا سنجیدہ و مدلل جواب دیا کہ
امام مسجد کے علاوہ امام رازی امام غزالی پر بھی نظر کیجئے چنانچہ
اسکو اتنی شہرت ملی کہ امام احمد رضا نام کی کتاب بھی چھپ گئی ایسے
ہی ہم سب کے آقائے نعمت حضور مجاہد ملت کو پاسبان ہی کے شمارے
میں مجاہد ملت لکھا گیا جسکی حیثیت قریب قریب علم کی ہو گئی چنانچہ
علامہ نظامی "دو مجاہد" نام کی ایک کتاب بھی لکھنے والے تھے جس
کا تذکرہ خون کے آنسو جلد اول ص ۶ پر ہے

ماہنامہ پاسبان نے مجدد نمبر و امام احمد رضا نمبر بھی
شائع کئے یہ نمبر اگلے صحافیوں کے لئے مشعل راہ ہوگا مجدد نمبر
میں علامہ نظامی کا اداریہ اتنا مقبول ہوا کہ متعدد مصنفین نے
اسے من و عن شائع کیا ۔ علامہ نظامی متعدد کتابوں کے مصنف
و مرتب بھی ہیں جو کتابیں عوام سے خراج عقیدت حاصل کر چکی ہیں

خون کے آنسو جلد اول جلد دوم یہ علامہ نظامی صاحب کی
معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس سے ایوان نجدیت میں زلزلہ آگیا

جماعت اسلامی کا شیش محل :- جماعت اسلامی کے رد میں
سلجھی ہوئی علمی معلوماتی کتاب ہے

انکشافات :- سنیوں کے ہاتھ میں ایک برہنہ تلوار ہے

ہند کے راجہ :- یہ کتاب حضور خواجہ خواجگاں کی بارگاہ میں
نذر عقیدت ہے اس کا مطالعہ آپکو اجمیر پہونچا دے گا

مجرم کون ہے :- یہ کتاب علامہ نظامی صاحب کی جرأت و ہیبت
کی آئینہ دار ہے سوال کے پردہ میں اصل مجرم کا چہرہ بے نقاب
کر دیا ہے ۔

کربلا کا مسافر :- خلافت معاویہ و یزید جیسی رسوائے زمانہ
کتاب کا علمی اور سنجیدہ جواب ہے ۔ دیندار کے بے نقاب چہرے :-

صدیق دیندار چند بشیور کے خانہ ساز دھرم کی یہ کتاب برہنہ تصویر ہے نسیم رحمت ۳ حصے مکاتیب اسلامیہ کا بہترین نصاب تعلیم ہے سوال و جواب کی شکل میں جو اسلامیات و دینیات پر مشتمل ہے فردوس ادب ۳ حصے یہ بھی مکاتب اسلامیہ کا نصاب تعلیم ہے مینارۂ ہدایت :۔ شریعت یا جہالت کی قابل مواخذہ عبارات کا علمی تجزیہ ہے ۔ تنویر الایمان فی فضائل شعبان :۔ فیضان شعبان سے متعلق احادیث کا مجموعہ ہے

قہر آسمانی :۔ بالن حقانی کی علمی خیانتوں کا آپریشن اور گوناں گوں معلومات کا بیش بہا خزینہ اور ذخیرہ ہے ۔ وہابیوں دیوبندیوں کی پہچان :۔ یہ ایک کتابچہ ہے جسمیں علماء دیوبند کی معتمد اور مستند کتابوں کے حوالہ جات سے انکی کفریات اور گندہ عقائد کو عوام کے کورٹ میں پیش کیا گیا ہے

علامہ نظامی اگر فن خطابت کے شہسوار اور میدان صحافت کے تاجدار ہیں تو رزمگاہ مناظرہ میں بادلوں کی گھن گرج اور بجلیوں کی تڑپ ہیں متعدد مناظرے میں آپ نے شرکت کی اور جس سے بھی پنجہ آزمائی کی اسکی کلائی توڑ دی ۔

ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ استاذ گرامی حضرت علامہ نظامی ایک کامیاب مقرر ، مدرس ، مصنف ، مناظر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ سطح کے مفکر بھی ہیں ، آل انڈیا تبلیغ سیرت جب قائم ہوئی اور آپ اسکے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے اور اس کے ساتھ جو آپکی قربانیاں ہیں وہ فراموش نہیں کی جاسکتیں آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ میں آپ آرگنائزر سکریٹری منتخب ہوئے آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء میں جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے ۔

جماعتی امور میں جو آپکی دینی و فکری پختگی و اصابت رائے ہے اس کا اعتراف سبھی کو ہے ۔ دار العلوم غریب نواز علامہ نظامی صاحب کی علمی یادگار ہے بہت سے ادارے جو نصف صدی کی کوششوں کے باوجود نہ کر سکے مختصر سے وقت میں اس نے کہیں زیادہ کر کے دکھا دیا اس وقت رضا لائبریری ، ادارہ تحقیقات اور دار المصنفین کا باضابطہ قیام آپکی کوششوں کا نتیجہ ہے

علامہ نظامی صاحب سنی تبلیغی جماعت کے مؤسس و بانی ہونے کے لحاظ سے اور نام نہاد تبلیغی جماعت نے گمراہی کا جو جال پھیلا رکھا تھا اس کے پیش نظر ملک گیر پیمانہ پر دورہ فرمایا تاکہ سنیوں کی منتشر طاقت کو ایک مرکز پر سمیٹ دیا جائے ۔ سنی تبلیغی جماعت کانپور ، راجستھان ، حیدرآباد وغیرہ میں خاطر خواہ کام کر رہی ہے آپکی ایک آواز پر تاجدار پریس خرید کر نصب کر دیا گیا جس کا پریشن غریب نواز پریس کے نام حاصل کیا گیا اسکی تمام تر آمدنی علامہ نظامی نے غریب نواز کے لئے وقف کر دیا ، آپکا کہنا تھا کہ پریس مجھے قوم نے دیا ہے اور غریب نواز جو ایک قومی امانت ہے اس کا امین ہوں اس لئے اسکی آمدنی کا حقدار مجھ سے زیادہ دار العلوم غریب نواز ہے دار العلوم کے ساتھ اسکو انکے اخلاص و ایثار کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے

مسلک اعلیحضرت کی ترویج و اشاعت علامہ نظامی کا حاصل زندگی ہے صلح کلیت کی مداہنت انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی ۔ مسلم پرسنل لا کانفرنس منعقدہ بمبئی والہ آباد میں آپکی شرکت کے لئے جی توڑ کوشش کی گئی ہر چند کہ جزوی طور پر مقصدیت کا اشتراک ہے لیکن آپ نے عملاً اشتراک و تعاون کو گوارا نہ کیا تاکہ عوام کہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اسلاف کی سیسہ پگھلائی دیوار میں شگاف نہ آجائے سیاسی امور میں فکری توانائیوں اور بالغ نگاہی کے باوجود سیاست حاضرہ کو اپنا موضوع نہیں بناتے ۔ فرماتے تھے اندیشہ اس کا ہے ع

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

سلامتی اسی میں ہے کہ دامن گندہ سیاست سے غبار آلود نہ کیا جائے سیاسی امور کو سنبھالنے والے تو بہت ہیں قوم کی گالیاں اور کلیجہ پر پتھر رکھکر دین کی حفاظت کرنیوالے بھی کچھ ہونے چاہئیں گویا جگر کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے

ان کا جو کام ہے ارباب سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

آپکو جماعتی و سیاسی انداز فکر سمجھنا ہے تو کانپور کی کانفرنس کا خطبۂ صدارت ملاحظہ فرمائیے جس کا ایک ایک نقطہ علامہ نظامی صاحب کا ہے لیکن طبعی طور پر وہ اس میدان میں قدم رکھنا نہیں چاہتے کسی سے ملنا یا کسی سے کٹ جانا یہ صرف مسلک و عقیدہ کے اتحاد و عدم اشتراک پر موقوف ہے یہ دیکھا کہ جو علامہ نظامی سے قریب ہوا وہ قریب سے قریب تر ہو گیا بس خال خال ایسے ہی افراد اس سے مستثنیٰ کئے جا سکتے ہیں جنمیں خود طبعی رعونت یا خشونت ہو۔ وہ اصحاب ثروت کے اخلاق و اخلاص اور دینی جذبہ سے متاثر ہوتے ہیں مگر دولت سے نہیں۔

میں یقین و اعتماد کی سب سے بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر یہ نعرہ لگا سکتا ہوں کہ دنیا کا کوئی ارب پتی اپنی دولت کے سہارے ان کے مسلک و عقیدے کے خلاف انکو نہیں خرید سکا ۔۔۔۔

علامہ نظامی صاحب نے ہمیشہ مسلک اعلیٰحضرت کو اپنے کلیجے سے لگایا اور اسی جذبہ کو حاصل زندگی سمجھا اور جو ان سے قریب ہوتا گیا اسے عشق رسول کے ساگر میں نہلا دیا میری آنکھوں کے دیکھے ایسے بیشمار واقعات جکو قلمبند کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے لیکن سچ جانئیے یہ تاریخ ہے نہ تعارف بلکہ علامہ نظامی صاحب جو بذات خود ایک جماعت تھے انکی کتاب زندگی کا یہ صرف ایک ورق ہے۔

بہت سے لوگوں نے علامہ نظامی صاحب کو محض ایک مقرر کی حیثیت سے جانا پہچانا مگر میں تو گرامر منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث فقہ بہت سی کتابوں کا ورق ورق سطر سطر پڑھ چکا ہوں ایک بہت ہی اعلیٰ سطح کے کامیاب مدرس ہیں چنانچہ جب کسی معاصر مدرس کی درسگاہ میں چند منٹ بیٹھ جاتے ہیں تو اسکی صلاحیتوں کو ایسے پرکھ لیتے ہیں جیسے کسوٹی پر سونا پرکھا جائے انکی بہت سی خدا داد صلاحیتوں کا میں دل و جان سے معترف ہوں

بھینگواں ضلع گونڈہ کے مناظرہ میں شریک ہونیوالے بہت سے علماء مجھ سے ملے اور کہنے لگے ہم لوگ تو نظامی صاحب کو خطیب اعظم ہی سمجھتے تھے لیکن بھینگواں کے مناظرہ میں ان کی نوع بہ نوع صلاحیتوں کو دیکھکر ہمیں اپنی رائے بدلنی پڑی

آج سے ۲۷/ برس پہلے آپ نے فارسی زبان میں کافیہ کی شرح لکھنی شروع کی تھی جو مرفوعات تک پہنچ گئی تھی ایسے ہی مبادیات منطق کے نام سے اصطلاحات منطق کی تعریف لکھنا شروع کیا تھا یہ دونوں کتابیں ابھی نا مکمل ہی رہ گئیں علامہ نظامی صاحب فرماتے تھے " میری زیر ترتیب پانچوں کتابیں جب چھپ جائیں گی تو اس کے بعد سیرۃ النبی، خلافت راشدہ، درس نظامی کی بعض کتابوں کی شرح و حاشیہ اور تصوف پر لکھونگا

خلافت و اجازت

آبروئے سنیت، عارف حق، تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے جملہ اعمال، اوراد و وظائف اور تعویذات وغیرہ کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ علامہ نظامی صاحب نے تعویذات کو اپنا

معمول نہیں بنایا البتہ خدمت خلق کی خاطر حسب ضرورت لکھ بھی
دیتے تھے ——— بیت الانوار گیوال بیگھ گیا کے مورث اعلیٰ
مولانا شاہ صوفی عین الہدیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک چلہ کیا
تھا چلہ ختم ہونے پر ایک جن نے آپکو ایک نقش تفویض کیا تھا یہ
نقش جملہ امور میں بہت ہی مجرب اور زود اثر ہے اس خانقاہ سے
علامہ نظامی کو اس نقش کی اجازت حاصل تھی جس کسی کو آپ
نے اس نقش کا تعویذ دیا علی العموم وہ کارگر ہی ثابت ہوا خود علامہ
نظامی کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بچوں کی نظر بد وغیرہ کے لئے بہت ہی
مجرب تعویذ لکھتے تھے ۔ فرماتے ہیں

تعویذ لکھنے والوں کے مزاج میں تعیش اور آرام پسندی
آجاتی ہے الا ماشاء اللہ، خدا اپنے محبوب بندوں کو
اس سے محفوظ رکھے لہذا میں اگر تعویذ میں لگ گیا
توجہاد بالقلم اور جہاد باللسان سے محروم ہوجاؤنگا
تعویذ میں تو شخص واحد کا فائدہ ہے لیکن تقریر و تصنیف
سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں

اپنے اساتذہ کے ادب و احترام کا یہ عالم ہے کہ شمس العلماء حضرت
مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ کا دولت کدہ علامہ نظامی
کے گھر سے ملا ہوا تقریباً ۲۵ برس کا ساتھ ہے لیکن کبھی آنکھ
ملاکر گفتگو نہیں فرماتے تھے

زندگی میں بے پناہ سادگی، حقہ، بیڑی، سگریٹ،
پان، تمباکو، چائے کسی کے بھی عادی نہیں ۔ کپڑا بس صاف
ہونا چاہئے خواہ کتنا ہی معمولی ہو ۔ معمولات کی حتی الوسع پابندی
فرماتے تھے رمضان المبارک کا روزہ سفر میں بھی نہیں چھوڑتے
مغرب کی نماز کے بعد کا وظیفہ پابندی سے پڑھتے تھے غرض کہ وہ
متعدد خوبیوں کے ایک مجموعہ تھے اخلاق کی بلندی، معاملات کی
صفائی، معمولات کی پابندی، اکابر سے نیازمندی، پڑوسیوں
سے حسن سلوک، اعزاء و اقرباء کے حقوق کی پاسداری، بالالتزام
مزارات کی حاضری، مدرسین و طلباء سے فیاضانہ برتاؤ، بازار سے
گریز، گوشہ نشینی، کتاب و قلم سے رفاقت، بڑوں کا احترام،
بچوں پر شفقت علامہ نظامی صاحب کی کتاب زندگی کے مختلف
ابواب ہیں جسکو میں نے سنا نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے

آئندہ جب بھی قلم اٹھاؤں گا تو اپنی جماعت کے
ایک عظیم رہنما کی کتاب زندگی کے منتشر اوراق کو سمیٹنے کی سعادت
حاصل کرونگا جس نے اپنے زور بیان سے فن خطابت کو ایک نیا موڑ
دیا اور رد وہابیہ کی خشک و سنگلاخ زمین کو اپنے زور قلم سے
باغ و بہار بنا دیا جو اس طرز نگارش کی ابتداء و انتہا تھا جو کسی بھی
وقت اپنے اس فن کا امام سمجھا جائے گا ۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بقیہ ---- مناظرے کی جھلکیاں کا

میں اپنے زبان و قلم کو ہمیشہ بے نیام رکھا اسے کبھی زنگ آلود ہونے دیا اور نہ
کبھی اپنے زبان و قلم کا سودا کیا ___ ان کی رحلت اہلسنت کے لئے
ایک ناقابل تلافی نقصان ہے ___ دور حاضر میں ان کا کوئی مماثل و ثانی نظر
نہیں آتا ___ ع

زندگی کوئی کرے تجھ پہ بھروسہ کیسے
تیری ہر سانس پہ روتا ہے تو ہنستا کوئی
میں نے ڈھونڈا ہے بہت ان کا مماثل امجد
پر نظامی کا مماثل نہیں ملتا کوئی

(امجد رضا خاں)



پاسبانِ ملّت
ایک عہد ساز شخصیت

محمد شمشاد حسین رضوی ۔ بدایوں

نام مشتاق احمد ۔ اور اپنے استاد امام معقولات و منقولات حضرت شمس العلما مولانا نظام الدین الہ آبادی کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ اپنے آپ کو نظامی لکھتے تھے ۔ نظامی صاحب ۔ ایک جانی پہچانی شخصیت کا نام ہے ۔ وہ دنیائے سنیت میں پاسبانِ ملت، اور خطیب مشرق ۔ جیسے القاب و آداب سے پکارے جارہے ہیں ۔ ایک وہ دور تھا ۔ جب وہ انقلاب برپا کر رہے تھے ۔ ہر طرف ان کی خطابت کی دھوم مچی ہوئی تھی ۔ زور بیان، الفاظ کی سحر کاری، جدتِ مضامین، افکار کی نزاکت ۔ تخیل کی پرواز ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا ۔ ان کی ایک ہوا تھی ۔ جو چل گئی تھی ۔ وہ اپنوں کے لیے ریشم سے زیادہ نرم تھے ۔ اور غیروں کے لیے ان کی ذات شمشیر برہنہ تھی ۔ ان کی زبان " کلک رضا " کی ترجمان تھی ۔ ان کا ایک ایک وار ضرب کاری ثابت ہوتا تھا ۔ وہ ایک ایسے انسان تھے جو پیکر جمال تھے ۔ اور جلال و غضب کے بھی آئینہ دار تھے ۔ وہ حد درجہ حاضر جواب تھے ۔ بلا کے ذہین تھے ۔ حریف کے مقابل وہ سینہ سپر ہوتے تو اپنی ذہانت ۔ فطری صلاحیت و لیاقت کا ایسا جلوہ دکھاتے کہ غیر تو غیر ۔ اپنے بھی حیران و ششدر رہ جاتے وہ بزرگوں سے اس قدر قریب تھے کہ انھیں اپنے دل کی دھڑکن محسوس کرتے تھے ۔ اور خود اسلاف انھیں اتنا چاہتے تھے کہ انھیں برابر نوازتے تھے ۔ بنارس کے مناظرہ میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے انھیں اپنی صدارت سونپ دی ۔ وہ اس قدر بہادر اور دلیر تھے ۔ کہ دشمنانِ اسلام سے تن تنہا بھڑ جاتے تھے ۔ جھریا ضلع دھنباد میں وہابیوں، دیوبندیوں کو للکارتے ہوتے ۔ فرمایا ۔ کہ سنو ۔ ہم کسی سے مرعوب نہیں ہوتے ۔ مناظرہ ہمارا روز کا معمول ہے ۔ اس لیے کہ مناظرہ ہماری خوراک ہے ۔ اور ہمارے مناظرہ کی خوراک تم ہو ۔ قربان جائیے اس شجاعت و بہادری پر ۔ سلام اے پاسبان ملت ۔ السلام لیکن ۔ وا حسرتاہ ۔ وہ عظیم شخصیت ۔ وہ عظیم فنکار ۔ اور عظیم خطیب اب میرے درمیان نہ رہے ۔ دنیا کی یہ ریت ہے ۔ کہ جب کوئی کلی مسکراتی ہے تو خزاں اسے تاڑ لیتا ہے ؎

پژمردگی گل پہ ہنسی جب کوئی کلی
آواز دی خزاں نے کہ تو بھی نظر میں ہے

میرے دوست ۔ وہ کیا تھے ۔ ؟ میں کیا بتاؤں ۔ ؟ عقل حیران ہے الفاظ کا دامن تنگ ہے ۔ الفاظ کے محدود دائرے میں ان کی ہمہ گیر شخصیت کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ وہ گوناگوں خوبیوں ۔ کمالات اور اوصاف کے مالک تھے ۔ ان کی خطابت اور ان کی صحافت نے وہ جادو جگایا تھا وہ نغمہ چھیڑا تھا کہ آج بھی ہم اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں ۔ جب ہم عالم تصور میں ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی اک اک ادا ہمارے دلوں کی دھڑکن کو تیز کرتی ہوئی نظر آتی ہے ۔ ان کا فکر و تخیل اس قدر بلند تھا کہ آج بھی اربابِ علم و دانش اس کو سرچشمہ آب حیات تصور کر رہے ہیں ۔ جانے والے کو کوئی نہیں روک سکتا ۔ لیکن وہ ایسے

گئے کہ ایک عالم سوگوار ہوگیا۔ ایک دنیا ماتم کناں ہوگئی۔ پوری قوم غمزدہ
ہے۔ ان کی موت کا تصور کر کے دل ہے جو چور چور ہو رہا ہے۔ آنکھیں ہیں
جو اشکبار ہیں۔ رنج و غم کا یہ عالم ہے کہ کلیجہ باہر آنا چاہتا ہے۔ اے مونس و
ہمدم۔ اے پاسبان ملت تم نے تو آنکھیں موند لیں۔ اور ہمیشہ کے لیے بند
کرلیں۔ مگر میری آنکھیں تمہیں تلاش کر رہی ہیں۔ کیا اب تم نہ ملو گے۔ کیا تیرا
دیدار نصیب نہ ہوگا۔ آہ۔ ایسا روٹھنا بھی کیا۔؟ ایسی بھی کیا مفارقت؟
کہ چاہنے والے روتے اور بلکتے رہیں۔ اے خطیب ملت تیرے جانے سے۔
تیرے دوستوں کا کیا حال ہے۔ تیرے چاہنے والے کس حالت میں ہیں۔
انھیں بھی دیکھتے جاؤ۔ آنکھیں کھولو۔ کچھ تو بولو۔؟ ایسی بھی کیا خاموشی؟
تصور میں ایک آواز ابھرتی ہے۔ اے میرے دوست۔ اب ہم بہت دور
نکل آئے اور اتنے دور آگئے۔ کہ اب میری واپسی ناممکن ہے۔ تمہارے
لیے اب میرا آخری۔ اور صرف آخری یہی پیغام ہے کہ ؎

مسکراؤ خوشی کی بات کرو
رونے والو ہنسی کی بات کرو

رونے سے کیا فائدہ۔؟ رنج و غم سے کیا حاصل۔؟ جانے والے کا
اب کوئی غم نہ کرو۔ ہمت سے کام لو۔ اور کسی نئی صبح کا انتظار کرو۔

پھول مرجھا گئے تو کیا غم ہے؟
کھلنے والی کلی کی بات کرو

مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی۔ ایک ایسے شہر میں پیدا
ہوئے جو علمی، ادبی اور ثقافتی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ علم و فن
فکر و تہذیب ہر اعتبار سے وہ امتیازی شان رکھتا ہے۔ وہ نام ہے
الٰہ آباد۔ ذرا دیکھئے۔ تو نام کس قدر پیارا ہے۔ کتنا مقدس ہے صرف نام
ہی نہیں بلکہ اس کا کام۔ اور عمل بھی پاکیزہ اور دیدہ زیب ہے۔ خدا
کی عظیم قدرت کی وہاں کرشمہ سازی ہے۔ وہ ایک سنگم ہے جہاں گنگا
اور جمنا آپس میں گلے ملتے ہیں۔ وہاں اولیا بھی پیدا ہوئے۔ اور علما بھی۔
مؤرخ بھی پیدا ہوئے اور مفکر بھی۔ وہاں اگر ایک طرف اہل طریقت کی خانقاہ
ہے تو دوسری طرف علمی درسگاہ بھی ہے۔ ایک طرف سے اگر اللہ ہو اللہ ہو کی
صدائے دلنواز آتی ہے تو دوسری طرف سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ اور مشام جان کو معطر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نظامی
صاحب اسی عظیم شہر میں پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت سے گذر کر شعور کی منزل
پر قدم رکھا۔ فرد، سماج اور معاشرہ ہر ایک سے مستفید ہوئے۔ اور اپنے

☆ اے پاسبان ملت تم نے تو آنکھیں موند لیں۔ اور ہمیشہ کیلئے بند کرلیں۔ مگر میری آنکھیں تمہیں تلاش کر رہی ہیں۔ کیا اب تم نہ ملو گے۔ کیا تیرا دیدار نصیب نہ ہوگا۔ آہ۔ ایسا روٹھنا بھی کیا۔؟ ایسی بھی کیا مفارقت؟ کہ چاہنے والے روتے اور بلکتے رہیں۔

ذہن و دماغ کو پختہ کیا۔ عزم و ولولہ اور ارادہ و امنگ میں ایک انقلاب
محسوس کیا۔ فرد اور سماج کے تعلق کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور
اس بات کا ادراک کیا کہ فرد اسی وقت زندہ رہ سکتا ہے جب سماج زندہ
ہو۔ معاشرہ قائم ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

نظامی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ اہل علم و فن کی آغوش تربیت میں
جا پہنچے۔ اساتذہ کرام نے اپنے اس ہونہار طالب علم کی تربیت کی۔
اور خوب کی ان کے ذہن و دماغ کو پختہ کیا۔ مولانا نظام الدین صاحب نے
انھیں نوازا نکھارا۔ انھیں سمندر میں غوطہ لگانے اور تہ نشیں موتیوں کو
نکالنے کا حوصلہ عطا کیا انھیں موجوں، طغیانیوں اور آندھیوں سے لڑنے
کا گر سکھایا ؎

یہ موجیں ہیں یہ ساحل ہے وہ آندھی ہے وہ طوفاں ہے
اب جسکو تیرنا آتا ہے وہ ڈوب کے موتی چن آئے

نہایت ہی محنت و مشقت اور عرق ریزی سے علوم مروجہ کو سیکھا۔ تہذیب و

تمدن سے واقفیت حاصل کی۔ رموز واسرار سے روشناس ہوئے فقہ وتفسیر۔ قرآن وحدیث ۔فلسفہ ومنطق ۔زبان وبیان۔ فصاحت وبلاغت کی دولت لازوال سے مالامال ہوئے۔ اور سندفراغت سے نوازے گئے اساتذہ کی محنت وشفقت اور خود اپنی دراک فطرت اعلیٰ ذہنیت سے خاک تھے سونا بن گئے۔ ذرہ تھے آفتاب ہوگئے اور ماہ کامل کے روپ میں ظاہر ہوئے۔ انھوں نے اپنے کمال کا وہ جوہر دکھایا۔ اپنی صلاحیت و لیاقت کا وہ مظاہرہ کیا کہ پاسبانِ دین وملت بن گئے۔ ایک شعلہ بیان خطیب اور جادو بیان مقرر ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندستان پر چھا گئے۔ اور عظیم مرتبہ پر فائز ہوکر اوج ثریا سے آنکھ مچولی کرنے لگے۔ اتنی بلندی پر فائز المرام ہونے کے باوجود اپنے وطن والوں سے قریب تر تھے۔ ان کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ عمر کے ہر دور میں بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا۔ گھر والوں کے لئے "لالہ" ہی رہے۔

★ پاسبان ملت نے اپنے کمال کا وہ جوہر دکھایا۔
اپنی صلاحیت ولیاقت کا وہ مظاہرہ کیا کہ پاسبان دین وملت بن گئے۔ ایک شعلہ بیان خطیب اور جادو بیاں مقرر ہوگئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

بچے، جوان، بوڑھے سبھی ان کو پیار سے محبت سے 'لالہ' کہتے تھے۔ منّا اور آفاق یہ دونوں کمسن بچے تھے۔ اور مولانا موصوف کو لالہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اور مولانا تھے جو ان بچوں کی سادگی پر قربان تھے انھیں کبھی لوریاں دیتے تھے۔ اور کبھی سینے سے لگایا کرتے تھے۔ اگر کبھی اُن بچوں نے کچھ ضائع کردیا۔ یا کھلونا سمجھ کر برباد کردیا تو خفا ہونے کے بجائے ان پر پیار آتا تھا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :-

مگر یہ جان کر آپ کو بھی صدمہ ہوگا کہ اس کتاب کے ساتھ مجھے دوہری محنت کرنی پڑی۔ ہوا یہ کہ حسب فرصت اس کتاب سے متعلق میں گاہے گاہے کچھ لکھتا رہا مگر بچوں کا ذہن ہی کیا۔؟ آفاق اور منّا یہ دونوں سایہ کی طرح مجھ سے لپٹے رہتے ہیں۔ دس گیارہ برس کی عمر ہے ان کا خیال ہے کہ جب تک کاپی پر کچھ نہ لکھا جائے تو اس کی قیمت ہے اور جب لکھ لیا جائے تو کاپی بیکار ہوگئی گویا سادہ کاغذ کی قیمت ہے مگر جو کچھ لکھا گیا وہ بیکار ہے چنانچہ دھیرے دھیرے یہ دونوں اس نسخہ کا مسودہ ضائع کرتے رہے۔ جب میں نے دریافت کیا۔ آفاق، منّا یہ تم نے کیا کیا۔؟ تو بڑی سادگی سے جواب دیا لالہ وہ کاپی تو بیکار ہوگئی تھی۔ واللہ کتنی سادگی تھی اس جواب میں۔

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں

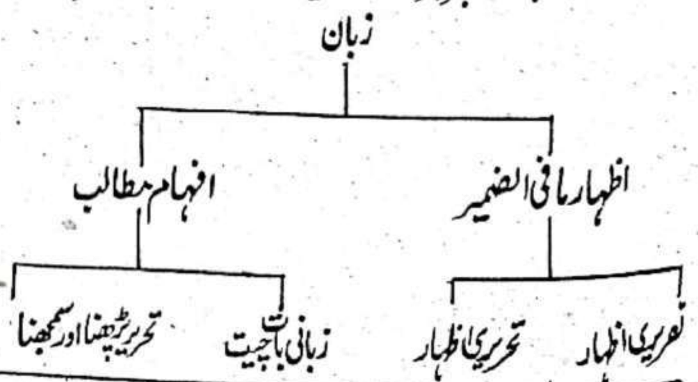
جواب پر مجھے جھنجھلاہٹ بھی آئی اور ہنسی بھی مگر ان دونوں کے ایک جملے نے میرا کام تمام کردیا۔

اس عبارت کو پڑھئے اور اس بات کا اندازہ لگائیے۔ کہ نظامی صاحب فطرت اطفال پر کس طرح قربان تھے۔ بچوں کی فطرت کس قدر شوخ اور البیلی ہوتی ہے۔؟ کہ اپنی سادگی سے بڑے بڑوں کا دل جیت لیا کرتے ہیں۔ انھیں بچوں کی فطرت اور نفسیات کا علم ضرور ہونا چاہئیے کیونکہ وہ صرف مقرر خطیب اور مصنف ہی نہ تھے بلکہ کامیاب مدرس بھی تھے اور ایک عرصہ تک صدر مدرس بھی رہ چکے ہیں۔ فطرتِ اطفال کی جانکاری، وقت کی نباضی، اہل زمانہ کی مزاج شناسی، رطب ویابس سے واقفیت، راستہ کے نشیب وفراز سے آگاہی۔ تعلیم کا ایک صحت مند نقطۂ نظر، تعلیم کے اصول ونظریات، ضبط وتادیب سیرت وکردار، اور تعمیر شخصیت کے مختلف طریقوں سے واقفیت ایک مدرس کے لیے ضروری اور بہت ضروری ہے۔

میں اپنی دس سالہ تدریسی خدمات اور تجربات کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کامیاب مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا علم رکھے کہ زبان کیا ہے۔؟ اور اس کا استعمال کن کن پہلوؤں سے کیا جاتا ہے۔ وہ زندگی ـــ اور تعلیم میں کیا رول ادا کرتی ہے۔ بغیر ان چیزوں کی جانکاری

رکھے کوئی بھی تدریسی امور میں کماحقہٗ کامیابی حاصل نہیں کرسکتا ہے۔
آیئے اور اس کا جائزہ لیں کہ نظامی صاحب زبان وادب سے کسقدر لگاؤ رکھتے تھے۔؟

زبان بظاہر ایک پارۂ گوشت ہے لیکن وہ کرشمہ قدرت ہے۔ بلبلِ ہزار داستاں ہے، طوطیٔ شیوا بیاں ہے۔ وہ ایک ساحرِ فسوں ساز ہے جس کا سحر کبھی نہ اتر سکے وہ کبھی رفیع جاں گداز ہے۔ جس کے زہر کی کوئی کاٹ نہیں۔ اسی سے عزت ملتی ہے اور ذلت بھی۔ کامیابی اور ناکامیابی بھی۔ کبھی یہ قطرۂ شبنم بن کر گلوں کو تازگی دیتی ہے اور کبھی خار بن کر دلوں کے لیئے باعثِ آزار ہوتی ہے۔ معلوم ہوا اس کا تعلق حیات انسانی سے گہرا اور بہت گہرا ہے۔ کاروبار حیات اسی سے انجام پذیر ہوتے ہیں۔ تہذیب و تمدن، علم و فنون فکر و تخیل، درک واحساس، ذوق وجمال زبان ہی کے توسط سے ایک دوسرے تک منتقل ہوتے ہیں۔ انفرادی طور پر اس کی فیض بخشیاں ہیں۔ تو اجتماعی طور پر بھی اس کی ضیا پاشیاں ہیں۔ غرض کہ کوئی بھی باشعور انسان زبان کی اہمیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی چونکہ ایک ماہر معلم اور کامیاب مدرس تھے۔ زبان اور اس کی مختلف جہتوں کو بخوبی جانتے تھے۔ کون سی زبان کہاں استعمال کی جائے۔ اس میں بھی آپ کو درک حاصل تھا۔ لیکن لسا اوقات نظامی صاحب نہایت ہی نرم اور ملائم زبان استعمال کرتے تھے۔ زبان کا استعمال عام طور پر "ترسیل و ابلاغ" کیلئے کیا جاتا ہے یا پھر وہ اعلےٰ خیالات اور جدت مضامین کا مرکز ہوتی ہے جو خواص کی زبان ہوتی ہے۔ وہ زبان جو ذریعہ "ترسیل و ابلاغ" ہے اس کی دو صورت ہے اور پھر ہر ایک کی مزید دو دو صورتیں جو اس طرح ہیں۔



ایک معلم جب شروع میں تدریس وتعلیم کے میدان میں اترتا ہے تو اس کیلئے چند باتیں نہایت ہی اہم ہوتی ہیں۔
اولاً۔ ان میں ایسی صلاحیت ہو کہ وہ کتابوں کو پڑھ سکے اور اسکو سمجھ سکے۔
ثانیاً۔ ان کی ذہانت اور عقل وشعور اس بلا کا ہو کہ وہ مسائل ومطالب پر مختلف زاویہ نظر سے غور وخوض کرسکے۔
ثالثاً۔ ان کے پاس الفاظ کا اس قدر ذخیرہ ہو کہ وہ اپنے دل کی بات زبان پر لاسکے اور اس عمل میں کسی قسم کی الجھن یا دقت محسوس نہ کرے۔
رابعاً۔ انھیں فطرت اطفال اور بچوں کی نفسیات کا معتدبہ علم ہو۔
خامساً۔ اظہار مافی الضمیر میں وہ الفاظ وتراکیب استعمال کرے جو طلبہ کے ذہن کے قریب ہوں۔
سادساً۔ طریقۂ تدریس میں سے وہ استعمال کرے جو نہایت ہی سریع الفہم ہو اور طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔
اگر یہ تمام چیزیں کسی شخص میں پائی جاتی ہیں تو وہ کامیاب مدرس ہے نظامی صاحب میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ جہاں تک میں نے ان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور انھیں دیکھا ہے۔ اس بنیاد پر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ صرف کتابوں کی عبارت ہی نہیں۔ بلکہ عبارت کی گہرائی اور اس کے پاتال میں پہنچ کر مصنف کے تہ نشیں جذبات وخیالات۔ اور ان کے احساسات کو محسوس کر لیتے تھے۔ جو عبارت میں مضمر ہوتی تھیں۔ یہ ان کے کمال عقل اور دور رسا ذہن کی کرشمہ سازی تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے عقل و شعور اور اپنی تخلیقی قوت کے عمل سے اس کا اظہار خوبصورت اور حسین پیرائے میں کرتے تھے۔ کہیں تعبیرات سے کام لیتے اور کہیں رمز وکنایات سے۔ اظہار مافی الضمیر میں کبھی آپ کو دقت محسوس نہ ہوئی۔ کیونکہ آپکے

☆ پاسبان ملت چونکہ ایک ماہر معلم اور کامیاب مدرس تھے۔ زبان اور اس کی مختلف جہتوں کو بخوبی جانتے تھے۔ کون سی زبان کہا استعمال کی جائے اس میں بھی کو درک حاصل تھا۔

پاس الفاظ کا ذخیرہ اس مقدار میں تھا کہ وہ خود تراکیب و بندش کی لڑی میں
پرو جانے کے لیے بے چین تھے۔ عربی ہو یا فارسی، اردو ہو یا ادب، فلسفہ ہو
یا منطق، تفسیر ہو یا فقہ ہر ایک فن پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ یہی وہ
صلاحیتیں تھیں جس کے باعث آپ کہیں مدرس رہے اور کہیں صدر مدرس۔
انوار نظامی لکھتے ہیں۔

سچ جانئے نہ تو یہ تاریخ ہے اور نہ تعارف بلکہ علامہ نظامی جو
بذات خود ایک جماعت۔ ان کی کتاب زندگی کا یہ صرف
ایک رخ ہے بہت سے لوگوں نے علامہ نظامی کو ایک مقرر
کی حیثیت سے جانا پہچانا مگر میں تو گرامر، منطق، فلسفہ، تفسیر
حدیث، فقہ کی بہت سی کتابوں کا ورق ورق سطر سطر پڑھ چکا
ہوں وہ ایک بہت ہی اعلیٰ سطح کے کامیاب مدرس تھے
چنانچہ آج بھی کسی معاصر مدرس کی درسگاہ میں چند منٹ
بیٹھ جاتے ہیں تو اس کی صلاحیتوں کو ایسے ہی پرکھ لیتے ہیں
جیسے کسوٹی پر سونا پرکھا جائے۔

مولانا انوار نظامی کا علامہ نظامی صاحب کے پرکھنے کی صلاحیت
کو 'کسوٹی' سے تشبیہ دینا ان کی ذات تہہ بہ تہہ پوشیدہ خصوصیات و
کمالات کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کے درس میں اگرچہ درجۂ عالم، فاضل کے
طلبہ ہوتے۔ لیکن وہ بچوں سے اتنے ہی قریب تھے جتنے درجۂ فاضل کے

> ★ عربی ہو یا فارسی، اردو ہو یا ادب، فلسفہ ہو یا منطق، تفسیر ہو یا فقہ، ہر
> ایک فن پر آپ کو عبور حاصل تھا یہی وہ صلاحیتیں تھیں جسکے باعث آپ کہیں
> مدرس رہے اور کہیں صدر مدرس۔

طلبہ سے۔ وہ بچوں کی نفسیات سے خوب واقف تھے۔ ہندوستان جیسے
ملک میں جہاں جمہوریت ہے۔ اس جمہوری ملک میں بچوں کی تعلیم کس انداز
سے ہو کہ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی شعور بھی بیدار ہو دنیاوی علوم کے
ساتھ ساتھ مذہبی معلومات بھی رہے۔ چونکہ بچوں کا ذہن صاف اور
سادہ ہوتا ہے۔ ان کے ذہن میں بات کس طرح اتاری جائے۔ کون سا طریقۂ
تدریس اپنایا جائے۔ نظامی صاحب نے نہایت غور و خوض کے بعد یہ بتایا
کہ بچوں کو سوال و جواب کی شکل میں تعلیم دی جائے۔ یہ صرف ان کا نظریۂ
تعلیم ہی نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اس نظریہ کو عملی شکل بھی دی ہے اور اس

> ★ پاسبان ملت صرف دینی درسگاہ کے مدرس ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے
> مفکر اور مدبر بھی تھے انکی نظر ماضی، حال، مستقبل، داستاں، پس منظر
> سب پہ رہتی تھی۔

سلسلے میں انھوں نے "نسیم رحمت" کے نام سے کتاب تصنیف کی
ہے اور یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں
آپ نے اپنے نظریہ کی تائید و توثیق میں مندرجہ ذیل تحریر قلم بند کیا ہے
وہ لکھتے ہیں:۔

نسیم رحمت کے کل تین حصے ہیں جس میں اسلامی عقائد
وارکان کو سوال و جواب کی شکل میں ترتیب دیا گیا ہے۔
چند برس کے تعلیمی تجربے نے یہ ثابت کر دیا سوال و جواب
کی صورت بچوں کے حق میں آسان ہے وسہل العمل ہے
نیز ان کے ذہن سے قریب ہے۔

نظامی صاحب۔ صرف دینی درسگاہ کے مدرس ہی نہیں
بلکہ اعلیٰ درجہ کے مفکر اور مدبر بھی تھے ان کی نظر ماضی، حال، مستقبل،
داستان، پس منظر اور پیش منظر سب پر رہتی تھی۔ وہ کبھی ماضی کے
جھروکوں میں جھانکتے۔ اسلاف کی حیات و واقعات سے درس عبرت
لیتے اور حال کے تقاضوں کے تناظر میں اسے ترتیب دیکر مستقبل کی
عمارت اس پر تعمیر کرتے۔ گویا ان کا نظریہ۔ ان کا رجحان۔ ان کا کردار و عمل
اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تینوں کی ترجمانی کرتا۔ علامہ صاحب اپنے
اس نظریہ کی اشاعت میں اساتذہ اور مدرسین کو ہدایت دیتے ہیں کہ بچوں
کی تربیت کس طرح کی جائے۔ ان کی فطری صلاحیتوں کو کس طرح

بروئے کار لایا جائے۔ وہ نسیم رحمت میں رقمطراز ہیں :-

"بچوں کی مدت تعلیم میں مدرسین کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہوگی کہ وہ بچوں کو دینیات سے قریب تر کر دیں۔ یعنی ان میں ایسا جذبہ پیدا ہو جائے کہ آگے چل کر یہی بچے اسلامی معلومات کے لئے از خود اسباب فراہم کرنے پر مجبور ہوں بالفرض اگر بچوں کا تعلیمی ماحول بدل بھی جائے تو اسلامیات سے ان کی دلچسپی ختم نہ ہونے پائے۔ بلکہ شوق مطالعہ کی تشنگی انھیں اسلامی لائبریری تک لاتی رہے ـــ"

اس متذکرہ بالا عبارت سے دو باتیں صاف طور پر نمایاں ہوتی ہیں :-

اولاً ـــ یہ کہ وہ بچوں کے ذہن و شعور کو اس طرح پروان چڑھانا چاہتے تھے کہ مذہبی ذوق و شوق۔ دین کی دلچسپی عمر کے آخری حصے تک ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن جائے۔

ثانیاً۔ یہ کہ علامہ نظامی کو سماج سے پیار تھا۔ وہ ایسے سماج کی تشکیل چاہتے تھے جس سماج کے افراد پابند شریعت یا دین سے لگاؤ رکھتے ہوں۔ اور ظاہر ہے ایسے سماج کی تشکیل و تعمیر ایسے ہی بچوں سے ہوگی جو ابھی اگرچہ نوخیز کلیاں ہیں۔ لیکن مستقبل قریب میں وہ چمن کو خوبصورت بنا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ اب تک کے جائزہ سے ثابت ہوا کہ وہ کیا تھے کسقدر لیاقت وصلاحیت کے مالک تھے۔ اور اس کا بھی اندازہ ہوا کہ وہ ماہر معلم بھی تھے۔ اب آئیے ان کی زندگی کے دوسرے رخ کا مطالعہ کریں۔ جس کی ابتدا ۱۹۴۵ء سے ہوئی۔ اس رخ کا یہ عرصہ دراز ملک کے گوشے گوشے کے سفر۔ مختلف تہذیب و تمدن کا بچشم ملاحظہ کرے۔ رسم ورواج کے دیکھنے اور نئی فضا میں سانس لینے نیز تجربات واحساسات کی وسعت پر مشتمل ہے اس رخ سے میری مراد تقریری پروگرام سے ہے ـــ

پاسبان ملت اور تقریری اظہار

تقریری اظہار سے میری مراد مافی الضمیر دل میں اٹھنے والے جذبات واحساسات اور دماغ کے خیالات کو تقریر کی صورت میں پیش کرنے سے ہے۔ تقریری اظہار کی مکمل تخلیق اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ مندرجہ ذیل چیزیں پائی جائیں وہ یہ ہیں ـــ

(۱) تلفظ (۲) لب ولہجہ (۳) روانی (۴) وضاحت مخارج

یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جن سے تقریری اظہار میں مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ عناصر اپنی اپنی جگہ بہت ہی اہم ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی ایک بھی عنصر مفقود ہوگیا۔ تو تقریر میں وہ لذت وہ لطف ومزہ نہ رہے گا جو تقریر کا متقاضی ہے۔ علامہ نظامی صاحب کی تقریر اور اس کے اظہار کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ ان کا تلفظ ایک کھلتا ہوا گلاب تھا۔ اور لب ولہجہ میں وہ بانکپن اور ایسی شوخی تھی کہ دل میں ان کی اک اک بات اتر جاتی تھی۔ روانی بلا کی تھی اور الفاظ کے زیر وبم سے ایسی موسیقیت پیدا ہوئی تھی کہ روح میں

٭ پاسبان ملت کی تقریر اور اسکے اظہار کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ انکا تلفظ ایک کھلتا ہوا گلاب تھا۔ اور لب ولہجہ میں وہ بانکپن اور ایسی شوخی تھی کہ دل میں انکی اک اک بات اتر جاتی تھی۔

تازگی اور قلب و دماغ میں رعنائی جیسی خوبی پیدا ہو جاتی تھی۔ ان کی زبان سے اک اک لفظ اپنے مخارج سے نکلتے تھے جس میں شدت اور اخوت کی آمیزش ہوتی تھی۔ ان تمام عناصر نے مل کر مجموعی حیثیت سے ان کی تقریر کو خوب سے خوب تر بنا دیا تھا۔ تقریری اظہار کا ایک جلوہ رنگین وہاں بے نقاب ہوتا تھا۔ جب وہ دوستوں۔ احباب۔ اور طلبا کے درمیان گفتگو فرماتے۔ اور دوسرا جلوہ رنگین وہاں نظر آتا تھا جب وہ کرسئ خطابت پر جلوہ گر ہوتے۔ کرسئ خطابت پر ان کے اسی جلوہ رنگین کو دیکھ کر ارباب علم وفن نے انھیں خطیب مشرق اور جادو بیان مقرر کے لقب سے نوازا۔

وہ جب بولتے تھے تو محسوس ہوتا تھا۔ کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا اک اک لفظ میرے دلوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔ اور میرے قلبی واردات کا عکس دکھلا رہا ہے۔ سچ ہے کہ :-

تھی زبانِ داغؔ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلٰی معنی وہاں بے پردہ یاں محمل میں ہے

تقریر وہی کامیاب ہوتی ہے جس میں مقرر۔ خطیب کے دل و دماغ کی اپج اور جذبات شامل ہوں کرسی پر بیٹھ کر محض کتاب پڑھ دینا یا رٹے رٹائے مضامین کو بیان کر دینا۔ کسی بھی حال میں کامیاب تقریر نہیں ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ لب و لہجہ اور اسلوب تقریر میں تیکھا پن بھی ہو۔ جب کہیں تقریر دل میں اترتی ہے اور قلب و دماغ کو متاثر کرتی ہے۔ علامہ نظامی صاحب کی تقریر میں یہ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ وہ جو کچھ بھی کہتے تھے۔ ان کے عمل یا رد عمل کا نتیجہ ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے ان کی خطابت کی دھوم دیکھی ہے تقریر کا انداز دیکھا ہے۔ وہ آج بھی ان سے متاثر ہیں اور عمر کے آخری حصے تک متاثر رہیں گے۔

★ پاسبان ملت باریک سے باریک تر اور پیچیدہ مسائل کو توضیحی مثالوں سے سمجھاتے تھے اور ان کا لب و لہجہ اس قدر شیریں اور شگفتہ ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے الفاظ نہیں پھول جھڑتے تھے۔

جب ہم ان کی تقریر۔ ان کی خطابت کے اسلوب کا تجزیہ کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل عناصر طشت از بام ہوتے ہیں :-

۱۔ مولانا نظامی اپنی تقریر میں جو کچھ بھی کہتے تھے۔ وہ ان کا پیغام ہوتا تھا۔ جس میں ان کے جذبات و احساسات۔ تجربات و مشاہدات ہوتے تھے خلوص و وفا، عشق و محبت کے ماحول میں علامہ نظامی اپنے سامعین کے گوش گذار کرتے تھے۔

۲۔ وہ اپنی پارہ صفت طبیعت سے ایک ہی نظر میں قوم کو بھانپ لیتے تھے اور ان کے مزاج کے تناسب سے اپنی خیالی صورت میں رنگ بھرتے تھے۔ نیز وہی اسلوب تقریر اپناتے جو قوم کے حال کے مطابق ہوتا تھا۔

۳۔ وہ اپنے خیالات و جذبات کو سائنسی زبان میں بیان کرتے تھے۔

۴۔ علامہ موصوف کی خطابت میں بلا کی روانی ہوتی تھی۔ جس سے قوم مچل سی جاتی تھی۔

۵۔ الفاظ کے زیر و بم سے وہ لوچ اور لچک بیدار کرتے تھے کہ شعوری پیکر تیار ہو جاتا تھا۔

۶۔ اپنی تقریر کو پرکشش اور دیدہ زیب بنانے کے لئے وہ جابجا اشعار کا استعمال کرتے تھے۔ اشعار کا استعمال اس قدر فطری ہوتا تھا کہ کہیں اس سے واہ کی کیفیت پیدا ہوتی اور کہیں آہ کی۔

۷۔ دوران خطابت علامہ نظامی اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے تھے۔ یہ حرکت بے معنی نہ ہوتی تھی بلکہ اس کے پس منظر کچھ مضمرات ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جب الفاظ کا معمول جذبات کی نمائندگی نہ کر پاتا۔ یا سامعین ان کے جذبات کا احساس ان کے الفاظ کے توسط سے نہ کر پاتے تو ان کا ہاتھ چلتا تھا جس سے جذبات کے احساس کرنے میں مدد ملتی تھی۔

۸۔ وہ باریک سے باریک تر اور پیچیدہ مسائل کو توضیحی مثالوں سے سمجھاتے تھے اور اپنے جذبات کو ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے تھے۔

۹۔ ان کا لب و لہجہ اس قدر شیریں اور شگفتہ ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے الفاظ نہیں پھول جھڑتے تھے۔

تقریر کا یہ فن۔ یہ اسلوب بہت ہی پیارا ہے۔ اور دل کو موہ لینے والا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے تو اپنے۔ غیر بھی بہترین مقرر۔ لاجواب خطیب تصور کرتے تھے۔ جہاں گئے۔ ان کی خطابت کی دھوم مچ گئی۔ ان کے زبان و بیان کا چرچا عام ہو گیا۔

تحریری اظہار سے مراد وہ تحریرات ہیں جس کے ذریعہ مصنف یا آمر اپنے خیالات و جذبات کو پیش کرتا ہے۔ اور اہل ادب جس کو نثر سے تعبیر کرتے ہیں علامہ نظامی صرف مقرر اور معلم ہی نہیں تھے بلکہ صاحب طرز مصنف بھی ہیں۔ ان کی نثر نگاری میں ایک قسم کی ندرت۔ بانکپن اور شوخی پائی جاتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے۔ اردو ادب کے حلقہ میں سب سے زیادہ مقبول نثر ابوالکلام کی مانی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مولانا حسرت موہانی جو شاعر حسن و عشق ہیں ابوالکلام کی نثر کے مدح خواں ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزہ نہ رہا

نہ معلوم کس جذبہ سے سرشار ہو کر حسرت موہانی نے یہ شعر موزوں کیا ہے۔ اس کو بہتر طور پر وہی جان سکتے ہیں۔ تاہم میرا یقین ہے کہ اگر مولانا حسرت موہانی صاحب نظامی کی نثر کو دیکھ لیتے تو یقینی طور پر وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے علامہ کی نثر نگاری کسی سے کم نہیں ہے۔ بلکہ ادب عالیہ میں ان کا ایک مقام ہے۔ نظامی صاحب کی نثر نگاری کو بآسانی تین خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

١۔ وہ مضامین جو ہر ماہ رسالہ پاسبان میں شذرات کے نام سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

٢۔ وہ مضامین جو کسی کی کتاب پر تقریظات یا تاثرات کے نام سے شائع ہوئے۔

٣۔ علامہ نظامی کی کتابیں جو شائع ہو چکی ہیں۔

ان تینوں قسم کی تحریروں میں ان کا "اسلوب تحریر" مشترک ہے لب و لہجہ۔ طرز تحریر ہر ایک تحریر میں یکساں ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہیں ان کے قلم کا طمطراق شباب پر ہوتا ہے۔ اور کہیں ان کی نوک قلم پر نیاز مندی ہوتی ہے۔ کہیں شان و شوکت کا عالم ہوتا ہے تو کہیں وہ جذبۂ ربودگی سے سرشار نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ اختلاف ان کے اسلوب پر اثر انداز نہ ہوگا۔ کیونکہ نیاز مندی مواد اور موضوع کا تابع ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ کی کتاب "ہند کے راجہ" کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ورق ورق سطر سطر میں نیاز مندی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ وہ اپنی اس کتاب

☆ پاسبان ملت صرف مقرر اور معلم ہی نہیں تھے بلکہ صاحب طرز مصنف بھی۔ انکی نثر نگاری میں ایک قسم کی ندرت، بانکپن اور شوخی پائی جاتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے۔

میں قلم کا طمطراق برقرار نہ رکھ سکے جو "خون کے آنسو" میں نظر آتا ہے۔ اب آئیے اور ان کی مختلف تحریروں کا الگ الگ جائزہ لیں۔ تاکہ ان کا "اسلوب تحریر واضح ہو جائے۔

---

(١) شذرات

شذرات ان مضامین کا نام ہے جو ہر ماہ" پاسبان" میں شائع ہوتے تھے جن کو ارباب علم و دانش" اداریہ" کہتے ہیں۔ کسی بھی رسالہ" یا اخبار" کا اداریہ ہی اہم ہوتا ہے۔ جسے مدیر اعلیٰ مسائل کے حالات حاضرہ اور مستقبل کے تناظر میں تجزیہ و تحلیل کر کے قلم بند کرتے ہیں۔ اور اپنے تنقیدی شعور کا پر دہ مضامین میں اظہار کرتے ہیں، علامہ نظامی صاحب کے شذرات میں وہ تمام خوبیاں ہوتی تھیں جو ایک صحافی کے لئے ضروری ہیں۔ حالات کا تنقیدی جائزہ۔ معاشرہ کے عیوب و نقائص کی گرفت کسی کے اٹھ جانے سے خلا پیدا ہونے کی صورتحال۔ سماج و ماحول کی اصلاحی کیفیت کسی نئے واقعہ کی اہمیت یہ تمام چیزیں ان کے شذرات میں پائی جاتی ہیں اور شذرات ہی کے ذریعہ مسائل حقہ اور جماعت

کی اطلاع عوام تک پہنچتی ہے۔ یہ واحد رسالہ تھا جو سنی بلیٹ فارم سے نکلتا تھا۔ اس کے بعد نوری کرن، ماہنامہ سنی دنیا وغیرہ جاری ہوا۔ یا پھر اسی کے ذریعہ سے عوام کو ان دونوں رسالوں کا علم ہوا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ پاسبان نے ہی اہلسنت وجماعت میں صحافت کی روح پھونک دی ہے جس کے نتیجے میں آج بہت سے اہم رسائل ہیں جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ اسی شذرات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نظامی کا تنقیدی شعور بہت پختہ اور بلند ہے۔ ان کی تنقید میں تعمیر کا جذبہ مضمر ہے۔ وہ کسی پر بلاوجہ تنقید نہ کرتے تھے۔ بلکہ جہاں ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے جذبۂ تنقید کو بروئے کار لاتے تھے۔ بہر صورت ان کے شذرات مجموعی حیثیت سے اردو ادب میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

---

۲ تقریظات و تاثرات

یہ بات حقیقت ہے کہ تقریظات و تاثرات سے کسی کے صحیح نظریہ کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے تاہم اس کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں بہت سے ایسے مسائل آجاتے ہیں جن سے اسلوبیات کا علم ہوجاتا ہے۔ علامہ نظامی صاحب نے حضرت بیکل اتساہی کے مجموعہ دیوان پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ جو نہایت ہی اہم ہے اس میں الفاظ وبیان کی خوبی۔ تراکیب وبندش کی جدت۔ ان کی ادبی صلاحیت کو اجاگر کرتی ہے۔ وہ منظر کشی اس انداز سے کرتے ہیں کہ واقعہ تو واقعہ اسکے جزئیات بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ دیہات کا منظر کشی کرتے ہوئے علامہ نظامی صاحب رقمطراز ہیں۔

کھیتوں اور کھلیانوں کی بہار، پپیہا کی رٹ، کوئل کی پکار
بلبل کی نوا سنجی، چکور کا اضطراب، کسانوں کی مشقت
مزدوروں کا افلاس، گاؤں کا پنگھٹ اور دیہات کا بے لوث
اخلاص یہی وہ مناظر قدرت اور شواہد فطرت کا نکھرا ہوا
ماحول تھا جس کی حسین گود میں اس بچے نے آنکھ کھولی
کبھی باد صبا نے جھولا جھلایا۔ تو کبھی نسیم سحر نے لوریاں دیں۔

اس عبارت کو پڑھئے اور داد دیجئے کہ نظامی صاحب کس حسین انداز سے منظر کشی کرتے ہیں۔ یقین جانئے یہ منظر کشی آپ کی زندگی کا وہ حسن وجمال ہے جو دیگر ادیبوں سے آپ کو ممتاز کرتا ہے۔ اس سے دیہات اور گاؤں کا تصور جس خوبصورت انداز سے ذہن ودماغ پر نقش ہوتا ہے کہ شہر کا حسن وجمال انسان فراموش کرنے پر مجبور ہوجائیگا۔ آپ نے جذبات سے سرشار ہوکر تاثرات کو قلم بند ضرور کیا ہے مگر کہیں بھی آپ کا قلم راہ صداقت سے منحرف نہیں۔ آپ نے وہی بات کی جو حقیقت پر مبنی تھی۔ آج پوری دنیائے ادب میں بیکل کا ترنم مشہور ہے ان کی نغمہ سرائی میں ایسا جادو ہے کہ سامعین محظوظ ہوجاتے ہیں۔ علامہ صاحب بیکل کی آواز کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔

آواز مدھم مگر بہت سریلی اور دلکش جس میں ایسی
جاذبیت ومقناطیسیت ہے کہ نہ صرف چلتے ہوئے انسان
بلکہ بہتا ہوا پانی اور چلتی ہوئی ہوائیں رک جاتیں۔ پڑھنے
کا انداز بہت ہی پیارا اور جاذب نظر ہے۔

اس محولہ عبارت کو پڑھئے۔ اور اندازہ لگائیے کہ ان کے قلم میں کس قدر صداقت اور دیانت کی خوشبو تھی۔

> ✽ پاسبان ملت کا تنقیدی شعور بہت پختہ اور بلند ہے۔ انکی تنقید میں تعمیر کا جذبہ مضمر ہے وہ کسی پر بلاوجہ تنقید نہ کرتے تھے بلکہ جہاں ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے جذبۂ تنقید کو بروئے کار لاتے تھے۔

> فرشتے کی وہ دنیا ہے جہاں معصوم بستے ہیں
> خطا تو پیارے ہوتی ہے ہمارے جیسے انساں سے

پاسبانِ ملّت اور تصنیفات

اب تک علامہ نظامی کی بہت سے تصنیفات منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل بھی ہیں۔

(۱) خون کے آنسو
(۲) قہرِ آسمانی
(۳) دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں
(۴) جماعتِ اسلامی کا شیش محل
(۵) دیندار کے بے نقاب چہرے

یہ وہ کتابیں ہیں جو شائع ہو کر اربابِ علم و دانش سے داد و تحسین لوٹ چکی ہیں ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ نظامی کا تنقیدی شعور کس قدر بلند اور پختہ تھا۔ ان کی تنقید برائے ادب نہ تھی بلکہ برائے زندگی تھی وہ تنقید کے ذریعہ حیاتِ انسانی کی برہم زلفوں کو سنوارنا چاہتے تھے۔ ایمان وعقیدے کے رخِ زیبا کو جمال عطا کرنا چاہتے تھے۔ قوم وملت کی اصلاح چاہتے تھے۔ ان کی تنقید انتہا پسند نہ تھی بلکہ اس میں زندگی اور اس کی تعمیر کا جذبہ ہوتا تھا۔ علامہ موصوف اپنی تنقیدی نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> کسی کے کلام پر ناقدانہ تبصرہ اپنا منصب نہیں۔ اس کے لئے اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اپنوں کے محاسن دیکھنے کی فرصت کہاں نقد و نظر آج کی دنیا میں عمدہ چیز ہے بشرطیکہ وہ تنقید معاصرانہ جلن اور بغض و عناد جیسے گھنونے تصورات سے پاک ہو۔

وہ تو صرف قوم وملت کی اصلاح چاہتے تھے۔ ایک ایسے سماج کی تشکیل ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ جو اسلامی قوانین اور حق و انصاف پر قائم ہو۔ اپنے اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ اور مختلف تحریکوں سے وابستہ رہے تبلیغ سیرت اور آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء جیسی عظیم تحریکوں کے عظیم عہدوں پر فائز رہے۔ ان کا تنقیدی شعور اس قدر منجھ اور نکھر چکا تھا۔ خلوص و وفا کے اس اعلیٰ منزل پر پہنچ چکا تھا۔ نیز ان کی بصیرت اس قدر نکھر چکی تھی کہ وہ عوام سے واہ کے طالب نہ تھے۔ بلکہ آہ ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ مندرجہ بالا کتابوں سے ان کا جو تنقیدی شعور بلند ہوتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جس جذبات سے متاثر تھے عوام بھی اس سے متاثر ہو جائیں۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

> اس کا یقین کر لیجئے کہ میں اپنی عمر کے جس دور سے گزر رہا ہوں وہ عوام کے واہ واہ کا دور نہیں ہوتا یہ تو ابتدائی دور کے مقررین کی خواہش ہوتی ہے ۱۹۵۷ء سے میری تقریر کا آغاز ہوا اور اب یہ ۱۹۷۷ء ہے خدانخواستہ اگر میں گورنمنٹ سروس میں ہوتا تو ریٹائر ہو کر پنشن کا مستحق ہو گیا ہوتا۔ مگر تقریر و تحریر یہ ایک قومی وملی خدمت ہے جس میں لگا گیا ہوں یا لگا ہوا ہوں خدا کا شکر ہے ایمان وعقیدے کی جو دولت اپنے بزرگوں سے ملی تھی اسے میں نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا۔ اور رکھوں گا شاید کہ یہی سرمایہ مرا حاصل زندگی پائے۔ اس لئے اب عوام سے واہ واہ کا طلب نہیں ہے۔ اب تو صرف یہی آرزو ہے کہ جو میرے سر کا سودا ہے وہی دوسرے سروں میں آجائے۔ اور ایمان وعقیدے کی جو امانت اپنے سینے میں ہے اسے قبول کرنے کے لئے عوام اپنے دلوں کا دروازہ کھول دیں بس تقریر و تحریر کا یہی مقصد ہے۔

اس عبارت سے چند باتیں دریافت ہوتی ہیں۔

اولاً۔ مولانا عوام سے واہ واہ کے طالب نہ تھے۔
ثانیاً۔ وہ ایمان وعقیدے کی دولت کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔
ثالثاً۔ وہ اپنے سر کے سودا کو دوسرے سروں میں دیکھنا چاہتے تھے۔
رابعاً۔ وہ جذبۂ محبت سے سرشار ہو کر تقریر و تحریر کو انجام دیتے تھے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے دل روشن ہوتا ہے اور قلبی بصیرت کا مزاج بنتا ہے

بصیرت کا یہ لازمہ ہے کہ جب وہ زود حس اور تیز تر ہوتی ہے۔ تو قوم و ملت کے عیوب و نقائص۔ سماج اور افراد کے بُرے اعمال و کردار پر طنز کا نشتر چلاتی ہے اور اصلاح کرنا چاہتی ہے۔ مگر جذبہ صادق کے ساتھ پیرائے تحریر اور انداز بیان اتنا لطیف ہوتا ہے کہ دل غیر شعوری طور پر مائل ہو جاتا ہے مولانا کی کتابوں میں طنز ہے لیکن جذبہ صادق خلوص و وفا کی خوشگوار فضا ہیں۔ اور اسلوب بیان اس قدر شگفتہ ہے کہ پڑھنے کے بعد دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر ہم بھڑک اٹھتے ہیں۔ علامہ نظامی صاحب جن مقاصد کے تحت تقریری و تحریری خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہی مشن اعلیٰ حضرت

* پاسبانِ ملت کی کتابوں میں طنز ہے لیکن جذبہ صادق خلوص و وفا کی خوشگوار فضا ہیں۔ اور اسلوب بیان اسقدر شگفتہ ہے کہ پڑھنے کے بعد دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور غیر شعوری طور پر ہم بھڑک اٹھتے ہیں۔

فاضل بریلوی کا تھا وہ بھی پوری زندگی ایمان و عقیدے کی حفاظت کے لئے وقف کر چکے تھے اور عوام کو اس دولت کی اہمیت سے نظم اور نثر کے ذریعہ آگاہ کرتے رہے ہیں۔ جن کا عکس اس شعر میں دیکھا جا سکتا ہے کہ

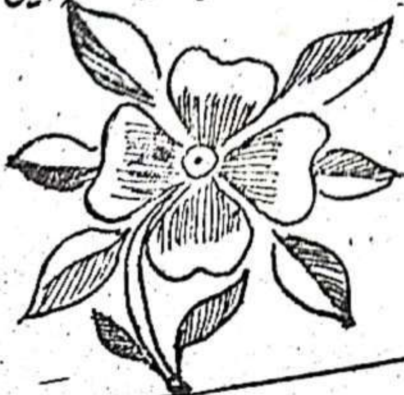
سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند لگالی ہے

پاسبانِ ملت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں

علامہ نظامی صاحب کا تنقیدی شعور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کا مرہون منت ہے امام احمد رضا کے نقش قدم پر چل کر ہی وہ بلند ہوئے۔ اور پورے ملک میں اپنی خطابت صحافت اور علمی صلاحیتوں کی دھوم مچادی۔ وہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے کس قدر متاثر تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اعلیٰ حضرت کو "امام" کہا۔ اور اس جذبہ کے تحت کہ زمانہ حاضرہ میں اعلیٰحضرت جیسی عظیم شخصیت کو "امام" لکھنا، لفظ "امام" کی بے پناہ وسعت اور اس کی عظمت کو برقرار رکھنا ہے۔ ان کا یہ کہنا اس قدر مقبول ہوا کہ آج ہر لسان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو" امام احمد رضا کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جب تک لوگوں کی زبان پر امام احمد رضا کا نام رہے گا۔ اس کے پس منظر میں علامہ نظامی کی شخصیت ضرور ابھرے گی۔ مگر افسوس ہے۔ علامہ نظامی آج میرے درمیان نہ رہے۔ ایسا عظیم مقرر۔ ایسا عظیم خطیب ہم نے کھو دیا کہ اس خلا کا اب پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ وہ اپنے عہد کے بے باک اور نڈر نقیب تھے۔ وہ ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ عشق و وفا، خلوص و للہیت کی تصویر تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ دل و جگر میں پیوست ہوتا تھا۔ وہ جہاں بیٹھ جاتے تھے ایک انجمن آرائی ہوتی تھی۔ آہ۔ اب وہ شوخی بیاں کہاں وہ طرز بیاں۔ وہ بانکپن کہاں نصیب ہوگا؟ جو ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون ؟
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پہ تیر کون ؟

اللہ تعالیٰ ان کی قبر انور پر رحمت و نور کی بارش برسائے۔ اور کروٹ کروٹ فردوس بریں عنایت کرے۔ (آمین ثم آمین)



منقبتیں

محمد حلیم حاذق رضوی

نیل خانہ ہوڑہ کلکتہ

شعور و فکر و سخن کو کمال دیکے چلے
ہر ایک گام پہ سوز بلال دے کے چلے
قلم کو عظمت شمسیر کا مقام دیا
زباں کو ندرت جاہ و جمال دیکے چلے
غرور شرک و ضلالت کا سر قلم کر کے
نئی حیات کو روشن مثال دیکے چلے
امیر شہر خطابت کو کس طرح بھولیں
کلیم وقت کو حسن مقال دیکے چلے
وہ ایک جہد مسلسل کے قافلہ سالار
ہر اک محاذ پہ فولادی ڈھال دیکے چلے
حکیم بزم شبستاں میں وہ نکھار کہاں
ہمارے دل کو وہ درد و ملال دیکے چلے



محمد محب الحق مظفر پوری

متعلم الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سیٹی ۸

تاجدار علم و حکمت حضرت مشتاق تھے
پاسبان دین و ملت حضرت مشتاق تھے
انکی خدمات جلیلہ سے ہے دنیا فیضیاب
پیکر رشد و ہدایت حضرت مشتاق تھے
کانپتی تھی نجدیت ان کے مبارک نام سے
قاطع شرک و جہالت حضرت مشتاق تھے
راہ حق کا وہ مسافر ہو گیا سب سے جدا
باعث تسکین ملت حضرت مشتاق تھے
کر دیا پیدا میان حق و باطل امتیاز
واقعی حق کی علامت حضرت مشتاق تھے
اس زباں سے اے محب انکی ثنا ہو کیا بیاں
پیکر فضل و کرامت حضرت مشتاق تھے



پاسبان ملت کی مذہبی خدمات

مولانا محمد قمر الحسن قمر بستوی، بمبئی

کوئی ۱۹۷۱ء کا ذکر ہے جب میں دار العلوم اہلسنت تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی میں ابتدائی طالب علم تھا ایک روز دار العلوم کی لائبریری میں کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا کہ دفعتہً ایک کتاب "خون کے آنسو جلد اول" ہاتھ لگی دیکھا بہت پسند آئی فوراً اپنے نام اندراج کرالایا اور اسکو پڑھنے لگا کتاب کے مصنف کوئی اور نہیں خطیب مشرق، پاسبان ملت حضرت علامہ مولانا "مشتاق احمد نظامی" تھے۔ اسوقت شعور پختہ نہیں تھا تاہم کتاب کا اسلوب اور طرز نگارش اتنا جاذب اور دلگیر تھا کہ میں اس میں ایسا مستغرق ہوا کہ کھو گیا۔ جب بھی ذرا موقع ملا تو ایک دو ورق پڑھ لیا۔ گویا جب تک اسکو مکمل نہیں کر لیا کسی اور طرف توجہ نہیں گئی۔ پڑھنے کے بعد میرے احساسات میں ایسا انقلاب بپا ہوا جسکو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ دیوبندیت، وہابیت، غیر مقلدیت، تبلیغی جماعت، اور مودودیت کا مکروہ چہرہ کھل کر نظروں میں آگیا اس مکتب فکر سے نفرت کے جذبات بڑھتے چلے گئے میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ کتاب سمت راست عطا کرنے میں میرے نزدیک کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔

پھر ۲۲ر جون ۷۲ء کو مادر علمی دار العلوم اہلسنت تدریس الاسلام بسڈیلہ میں ایک جلسہ ہوا جسکا پس منظر یہ تھا کہ انہیں دنوں یاسین حقانی کا اس اطراف میں بڑا زور شور تھا اس اطراف میں اسکے کئی ایک جلسے ہو چکے تھے۔ بھوری نامی گاؤں میں دیوبندیوں کے مدرسہ پر حقانی کی تقریر ہو چکی تھی اس نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو بسڈیلہ کے ایک جری سنی مسلمان ضمیر الدین صاحب نے فوراً اس کا یہ چیلنج قبول کر لیا اور مخدوم گرامی حضرت علامہ اعجاز احمد خاں صاحب قبلہ ادام اللہ ظلہ علینا کو بلانے کیلئے ایک شخص کو دوڑایا مگر پھر حقانی نے معافی مانگ لی اور چیلنج سے رجوع کر لیا تو اس خوشی میں نیز زہریلے اثرات کو دور کرنے کیلئے ایک جلسہ کا انعقاد ہوا۔ ارباب ادارہ نے طے کیا کہ اس میں خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد قبلہ نظامی اور شیر ہندوستان حضرت علامہ سید مظفر حسین صاحب قبلہ کچھوچھوی کو دعوت دیجائے چنانچہ دعوت نامہ گیا اور منظوری آگئی تاریخ مذکورہ میں جلسہ بڑی دھوم دھام سے ہوا اور یہ دونوں بزرگ تشریف لائے جبکہ

موسم برسات شروع ہو چکا تھا دیہات کے پگڈنڈی کے راستے خراب ہو چکے تھے پالن کا بھرپور تعاقب کیا گیا اسی موقعہ پر راقم الحروف نے ایک نظم لکھی تھی جسکے چند اشعار یہ ہیں :

کھل اٹھا صحن تدریس کا گلستاں
اور مسرت کی شہنائی بجنے لگی
آمد شیر ہندوستاں دیکھ کر
رحمت حق تعالیٰ برسنے لگی
بے نظامی کا کتنا کرم دیکھئے
جانفشانی سے پہونچے ہیں تدریس تک
قاطع نجدیت کی جھلک دیکھ کر
باخدا نجدیت سر پٹکنے لگی
دامن مصطفےٰ ہاتھ میں ہے قمر
اس لئے اہل باطل سے ہوئے خطر
رشتۂ عشق شاہ ھدیٰ دیکھ کر
رحمت ایزدی پیار کرنے لگی

بہر حال جلسہ ہوا اور دونوں بزرگ ایک نقش چھوڑ کر چلے گئے کارواں گزر گیا ہے مگر نشان راہ اب بھی باقی ہے اگرچہ گردش ایام نے ان پر شب و روز کا پردہ ڈال دیا ہے مگر پھر بھی جب جب کتاب زندگی کے ان اوراق کو پلٹا جائیگا یہ نشانات کسی مہر منیر کی طرح درخشاں ملیں گے ۔

ایک عالم دین کا معیار و مستوی، اس کی سرفرازی اور اس کے مقام عبدیت کا اندازہ رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے رسول ہاشمی نے اپنی بارگاہ کے چہیتے صحابی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا

یا ابا ذر! لان تغدو فتعلم آیۃ من کتاب اللہ خیر لک ان تصلی مائۃ رکعۃ ولان تغدو فتعلم بابا من العلم عمل بہ اولم یعمل خیر من ان تصلی الف رکعۃ (۱)

اے ابو ذر! صبح کرو تو کتاب اللہ کی کوئی آیت سیکھو یہ تمہارے لئے سو رکعت پڑھنے سے بہتر ہے اور یہ کہ صبح کرو تو علم کا کوئی باب سیکھو خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو یہ تمہارے لئے ایکہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے

اس حدیث کی روشنی میں کسی بھی عالم باعمل کی حیات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے نیز اسی سے ایک عالم دین کی ذمہ داری کا احساس بھی اجاگر ہوتا ہے عالم اپنے علم کی دولت ہی کے باعث عوام سے ممتاز ہوتا ہے گویا مابہ الامتیاز اس کا وہ علم ہے جس سے اس نے دین متین کی خدمت کی ہے اگر ایسا عالم جو دین کی خدمات سے عاری ہو تو اس کا معیار و مستوی وہ نہیں رہ جاتا جو کسی خدمت گزار عالم کا ہوتا ہے یہ فضل خداوندی ہے کہ جب خالق کائنات کسی کو توفیق خیر سے نوازتا ہے تو اس کو علمی اثاثہ ہبہ فرماتا ہے :

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین
اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسکو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے ۔

چونکہ میرا عنوان پاسبان ملت کی مذہبی خدمات ہے اس لئے مذہبی خدمات کو اسکے تنوع کے لحاظ سے ہم مندرجہ ذیل حصوں میں بانٹ سکتے ہیں

(۱) تدریس (۲) تحریر (۳) تقریر (۴) مناظرہ (۵) تبلیغ (۶) رشد و ہدایت ۔ مذکورہ بالا اس تقسیم کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو ایسا کم ہوگا کہ یہ ساری صفات کسی فرد واحد میں یکجا جمع ہوجائیں اگر کسی میں جمع ہو تو ہم اسے زائد علی المتزاد کہہ سکتے ہیں مگر ایسا خال خال ہوتا ہے کیونکہ ان میں کی ہر صفت الگ الگ صلاحیتوں کی محتمل ہے یہی وجہ ہیکہ جب ملکہ راسخہ کسی ایک طرف ہو جاتا ہے تو دوسری طرف کا پہلو کمزور رہ جاتا ہے مگر ہر دور میں کچھ ایسے اشخاص پائے جاتے رہے ہیں جو ان جملہ خصوصیات کے جامع تھے ۔ ایسے ہی جامع کمالات افراد کے متعلق ارشاد نبوی ہے :

"مرتبہ نبوت سے سب سے زیادہ قریب عالم اور مجاہدین علماء اس لئے کہ انہوں نے رسولوں کے پیغامات لوگوں تک پہونچائے اور مجاہد اس لئے کہ انہوں نے انبیاء کرام کے احکامات کو بزور شمشیر پورا کیا اور انکے احکامات کی پیروی کی "

اس تمہیدی بیان کی روشنی میں حضرت پاسبان ملت کی دینی و مذہبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو آپکی شخصیت بڑی نمایاں اور بلند و بالا نظر آتی ہے

۱۹۱۸ء سے ۱۹۹۰ء تک کا عرصہ کل ۷۲/
سال پر مشتمل ہے جسمیں عمر کے ابتدائی حصوں کو
الگ کر دیا جائے تو عہد طالب علمی کے آخری سال
یعنی ۱۹۳۶ء سے ۱۹۹۰ء تک ۴۴/ سال باقی رہے
اس عرصہ میں خدمت دین کے وہ جملہ گوشے سمٹتے
محسوس ہوتے ہیں جن کے تصورات سے شخصیت
کی قد آوری اجاگر ہوتی ہے اور ان کا مذہبی جذبہ
آفاقی محسوس ہونے لگتا ہے ان ۴۴ سالوں میں
آپکی حیات تدریس و تحریر، تقریر و مناظرہ، تبلیغ
و ارشاد و ہدایت کے جملہ گوشوں کو محیط نظر آتی ہے
مذہب و مسلک نے جہاں اور جب بھی آپکو پکارا
آپنے سب کچھ چھوڑ کر لبیک کہا ہے

زندگی کے وہ ابتدائی ایام جب آپ
اپنی طالب علمانہ زندگی گذار رہے تھے اور دار العلوم
سبحانیہ میں زیر تعلیم تھے آخری سال تھا اسی
وقت سے آپ الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ
مصباح العلوم میں مدرس ہوئے اور تدریسی خدمات
انجام دینا شروع کیا بقول مفتی شریف احمد شریفی
" ۱۹۳۴ء میں جب آپکی فراغت بھی نہ ہونے
پائی تھی آپ الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ
مصباح العلوم میں مدرس رہے ۔ مولوی عالم
کی کتابیں آپکے زیر تدریس رہیں اس کے بعد
الہ آباد کی مرکزی درسگاہ دار العلوم جامعہ حبیبیہ
میں ایک سال کے لگ بھگ تدریسی خدمات
انجام دیتے رہے اس کے بعد مدرسہ عالیہ فارقیہ
بنارس میں صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر
مامور ہوئے ابھی آپنے چند ہی ماہ تدریسی
خدمات انجام دی تھیں کہ مدرسہ سبحانیہ کے
اراکین کے بیحد اصرار پر آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد
چلے گئے اور تین برس سے زائد آپ یہاں تدریسی
خدمات انجام دیتے رہے "

مگر علامہ نظامی خطبات نظامی کے
مقدمہ میں خود رقمطراز ہیں

" ابتداءً میرا ذہن پڑھنے پڑھانے
سے متعلق تھا میں نے کبھی سوچا بھی
نہیں تھا کہ جلسہ و تقریر سے میرا سابقہ
پڑیگا لیکن تقدیر کا لکھا سامنے آتا
ہے میں نے سب سے پہلے ایک برس
مصباح العلوم میں پڑھایا ہے اور
۳/ برس مدرسہ سبحانیہ ایک برس
جامعہ حبیبیہ ، ۴ مہینہ مدرسہ فارقیہ
بنارس پھر اس کے بعد زیادہ موقع
نہ مل سکا "

گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت پاسبان ملت
نے تدریسی فریضہ بھی انجام دیا جس سے مذہبی خدمات
کی ابتدا ہوئی ۔ اگرچہ یہ زمانہ طویل نہیں تاہم
۵/ سال دس ماہ پر بکھرا ہوا ہے جسمیں ایسے
افراد کو ڈھالا گیا ہے جو اپنے دور کے ناموروں
میں شامل ہوئے ، مولانا انوار احمد نظامی مہتمم
دار العلوم غریب نواز الہ آباد ، مولانا نور الدین
نظامی پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور ، مولانا ابوذر رانی
سابق رجسٹرار سررشتہ تعلیم مدارس عربیہ اتر پردیش
یہ حضرات پاسبان ملت کے افکار کی منہ بولتی
تصویریں ہیں جن کو آپ نے اپنے میکدۂ علم سے
سرفراز فرمایا مگر یہ ضرور ہے کہ تدریسی ایام کا
یہ مختصر زندگی کو اگر طول دیا جائے تو موازنہ
میں کتنوں کی حیات کا احصاء کر سکتی ہے
یہ وہی لگن تھی جو مذہب و مسلک کے جذبہ
وحمیت کے تحت آپکے اندر موجود تھی لیکن قوم
کی دوسری ضرورتوں نے آپکو درسگاہ سے
نکال کر خطابت و مناظرہ کے میدان میں لاکھڑا
کیا اس لئے تدریسی سلسلہ منقطع ہو گیا
مگر ——— سلسلۂ تدریس کے انقطاع
کے بعد جو میدان سامنے تھا اسمیں سوختگیٔ
قلب ، تکان ، بے وقتی اور عزم و ہمت کے
اضمحلال کا تصور سامنے تھا اور ان سب سنگ
مراحل سے گذرنا تھا جس کا ہر لمحہ آزمائشی اور
ہر قدم ہمت شکن تھا

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

تاہم پاسبان ملت کی مذہبی رواداری ، دین
متین کے عشق کا سلسلہ جنون خیز اور رسول
ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پاکیزہ محبت
نے آپکے قویٰ کو مضمحل کرنے کے بجائے وہ
توانائی بخشی کہ ہر میدان سر ہوتا چلا گیا اب
درس و تدریس کا محدود دائرۂ عمل نہیں
تھا بلکہ ایک وسیع تر میدان تھا کنج خمولی میں
بیٹھکر تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کا دائرہ

بہت پیچھے چھوٹ چکا تھا اب میدان کی وہ جلوہ سامانیاں تھیں جہاں جلوت کا نظارہ تھا اب فرد کے بدلنے کی بات نہ تھی بلکہ مجمعات اور سوسائیٹی کے سنبھالنے کا مسئلہ تھا۔ بقول مولانا انوار احمد نظامی

"اب علامہ نظامی صاحب تقریری پروگرام سے متعلق ہو چکے تھے اور وہ بستر جو ہمیشہ کھلا رہتا تھا اب ہمیشہ بند رہتا تھا اب زندگی صبح کہیں شام کہیں والی ہو گئی تھی اسی بنیاد پر آپ نے مدرسہ سبحانیہ سے استعفیٰ دیدیا۔ ویسے تو ۱۹۴۶ء ہی سے جلسوں میں آپکی شرکت ہونے لگی تھی لیکن اب تدریجا پروگرام کی ہماہمی میں پڑھانے کی فرصت کہاں تھی"

جلسہ کی ابتداء سے متعلق آپ نے خود تحریر فرمایا اور پھر جلسوں سے پیدا ہونے والے اثرات کا کتنا شدید احساس تھا آپ کتنی جلد عوام میں مقبول ہوئے اور قدرت نے مذہبی جذبات کی کتنی کردلیں شکن درشکن آپکے اندر پیدا فرمادیں

"سب سے پہلے میں (نظامی صاحب علیہ الرحمہ) نے قصبہ بھدوہی ضلع بنارس میں تقریر کی اور پھر وہی علاقہ مثلاً ردٹھاں، کھمریا، مادھو سنگھ، وغیرہ میری تقریروں کا اکھاڑا بن گیا جلسوں اور پروگراموں میں شمولیت کے دوران

آپ نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا بدعقیدگی کی مسموم ہوائیں جو ہندوستان کے افق پر چل رہی تھیں اس کا بخوبی اندازہ ہوا اب صرف تقریری کافی نہ تھی بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ مذہب ومسلک بچانے کیلئے ہر ممکن تدابیر اختیار کی جائے چونکہ آپکے پہلو میں ایک دردمند دل تھا جہاں ماحول کو دیکھنے کے بعد رہ رہ کر درد اٹھتا اور اسلامیان ہند پر بکھرے ہوئے مسلمانوں کی سادہ لوحی گردش کرتی تمام باطل فرقوں کی دسیسہ کاری انکو خون کے آنسو رلاگئے۔ امام اہلسنت علیہ الرحمہ والرضوان اور دیگر اکابرین کی روشیں انہیں آواز دیرہی تھی، پھر کیا تھا پاسبان ملت نے قلم سنبھال لیا اب دوہری ذمہ داری کا بوجھ تھا مگر ابھی قلم کی روشنائی کی توانائی ایک رسالہ کی شکل میں تھی تاکہ عوام کو تازہ بہ تازہ نوع بہ نوع فکری مواد حاصل ہوسکے اور انکی مذہبی رواداری کو جلا ملتی رہے اسی لئے ماہنامہ "پاسبان" کا اجرا کیا گیا۔ لیکن صرف رسالے پر اکتفا کرنا آپنے نہیں سیکھا تھا چنانچہ پوری توجہ تصنیف وتالیف کی طرف مرکوز کردی مقصد یہی تھا کہ کسی بھی طرح ان دسیسہ کاروں کا پردہ چاک کرکے عوام اہلسنت کو بچایا جاسکے کیونکہ طوفان کا رخ اتنی شدت اختیار کرچکا تھا کہ اس کے مقابل اگر اب رکاوٹ نہ کھڑی کی جاتی تو اس سیلاب بلا میں بہت سارے لوگ خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے آپکی شاہکار تصنیف کا مسودہ تیار ہونے لگا اور دیکھتے دیکھتے "خون کے آنسو"

نامی کتاب ۱۹۶۱ء میں منظر عام پر آگئی جس نے ماحول پر ایسا اثر چھوڑا کہ دلوں پر ناپاک غباروں کا جو انبار چھایا ہوا تھا دھلتا چلا گیا اور کتنے سنی مسلمان اپنا عقیدہ محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو گئے اور کتنے ایسے افراد جو نجدی دعوت کی زد میں آکر اپنا ایمان کھو چکے تھے اس کتاب کے مطالعہ سے سنی صحیح العقیدہ ہو گئے تحریر کا اسلوب اور طرز نگارش بالکل انوکھا طرز استدلال بڑا جاذب۔ اس نے خون کے آنسو نے مسیحائی کا کام کیا

اللہ اکبر ...... ۱۹۶۱ء سے قلم کا سفر جو شروع ہوا تو عمر کے آخر تک جاری رہا قلم کی روشنائی کا ہر قطرہ حمیت حق، تحفظ عصمت رسالت اور مذہب اسلام کے فروغ میں صرف ہوتا رہا، ذرا کتابوں کی اس تفصیل پر نظر ڈالئے تو آپکی نگاہ حیرت سے کھلی رہ جائیگی کہ اتنی گوناگوں مصروفیت کے باوجود یہ علمی جواہر پارے کب اور کیسے معرض وجود میں آگئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذہبی خدمات کے کس درجہ کمال پر آپ جلوہ بار نظر آتے ہیں۔

خون کے آنسو جلد اول ۱۹۶۱ء وجلد دوم (۲) ہند کے راجہ (۳) جماعت اسلامی کا شیش محل (۴) دیندار کے بے نقاب چہرے (۵) مجرم کون ہے (۶) انکشافات (۷) قہر آسمانی برفتنہ حقانی، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء (۸) دیوبند کا نیا دین ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء (۹) عقائد اہلسنت (۱۰) کربلا کا مسافر ۱۹۷۷ء

(۱۱) دیوبند کی خانہ تلاشی ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
(۱۲) تنویر الایمان فی فضائل شعبان (۱۳) مناظرہ
ہدایت (۱۴) خطبات نظامی ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء
(۱۵) نسیم رحمت (۱۶) فردوس ادب ۱؎

کتابوں پر اس تفصیل سے نظر ڈالنے
کے بعد یہ احساس شدت اختیار کر جاتا ہے کہ
حضرت پاسبان ملت کے پہلو میں کتنا درد بھرا
دل تھا اور وہ مسلک و مذہب کیلئے کسقدر
بے چین رہا کرتے تھے چنانچہ متذکرہ الذکر دونوں
کتابیں (نسیم رحمت اور فردوس ادب) اسی
لئے تحریر کی گئیں کہ اسکو مکاتیب عربیہ کے ابتدائی
درجوں میں داخل نصاب کر کے ابتداء ہی سے
بچوں کا ذہن مذہبی بنا دیا جائے تاکہ بعد
میں جو بھی غلط نقوش ذہن میں ابھرنے
والے ہوں ان کا تدارک پہلے ہی ہو چکا ہو
بحمد اللہ یہ دونوں کتابیں نسخہ کیمیا
ثابت ہوئیں اور طفلانہ مزاج کیلئے اتنی سود مند
کہ بچپن ہی میں ذہن مذہب کا خوگر ہو جائے

علاوہ ازیں مذکورہ بالا تصانیف نہ
صرف اپنے دور تحریر سے معمور ہیں بلکہ ذہن میں
مسلک کی پختگی اور مذہب کی چاشنی کیلئے تیر
بہدف بھی۔

آپنے مذہبی خدمات کا یہ انمٹ نقش جو
چھوڑا ہے وہ قیامت تک کیلئے دائمی ہو گیا
ہے یہ مسلک ہی کا جذبہ تھا جس نے میدان قلم
میں آپکی تحریروں کو شگفتگی عطا فرمائی تاکہ عوام
و خواص سے ہر ایک کما حقہ اس سے استفادہ
کر سکے آپکی دور رس نظروں نے ذرائع ابلاغ کی
کمی کا بھرپور جائزہ لے لیا تھا سیاسی اتھل پتھل
میں سواد اعظم اہلسنت و جماعت کا کردار اگر چہ
بے داغ رہا ہے مگر عصری تقاضوں کے پیش نظر
اہلسنت کا کوئی آرگنائزر ہونا چاہئے تھا اسی
ضرورت کو پورا کرنے کا آپ نے بیڑہ اٹھایا اور
۱۹۷۱ء میں سرزمین بمبئی سے "تاجدار ویکلی"
کا اجرا ہوا اگر چہ لبعد میں بعض مجبوریوں کیوجہ
سے اسکو بند ہو جانا پڑا

عصری تقاضوں کے پیش
نظر اہلسنت کا کوئی آرگنائزر ہونا چاہئے
تھا اسی ضرورت کو پورا کرنے کا آپنے بیڑہ اٹھایا
اور ۱۹۷۱ء میں سرزمین بمبئی سے
"تاجدار ویکلی کا اجرا ہوا

تاہم تاجدار نے صحافت کے میدان میں جو نقش
چھوڑا وہ کالحجر ہے۔ اسکے اجرا سے اہلسنت کو
ایک ایسا پلیٹ فارم ملا تھا جس سے اپنی آواز
دور دور تک پہنچ رہی تھی آپ اہلسنت کی اٹھان
کو اوج ثریا سے بلند دیکھنا چاہتے تھے اور ہر ممکن
یہی کوشش تھی کہ سواد اعظم کا یہ طبقہ ہر محاذ پہ
نمایاں نظر آئے جسمیں بہت حد تک کامیابی ہو چکی ہے
یہ وہ دور تھا جسمیں باطل کا ہر قدم تخریب کاری کی
طرف بڑھ رہا تھا ایمان کو چند ٹکوں کے عوض
فروخت کر کے ارباب جبہ و دستار دیوبند کی ساکھ
بحال کر رہے تھے ایسے پر آشوب ماحول اگر علماء
اہلسنت عوام کو سنبھالا دینے میں مشغول تھے مگر
پاسبان ملت کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز تھی
کچھ اتنا ہی نہیں بلکہ مناظروں کے اسٹیج
سے آپنے مذہبی خدمات کا جو پرچم بلند کیا وہ آب
زر سے لکھا جانے کے لائق ہے ملک کے طول
و عرض میں کہیں بھی کوئی مناظرہ ہوتا آپکی شمولیت
ناگزیر ہوتی

بھنگواں (گونڈہ) ناگپور، جھریا (بہار)
بحر ڈیہہ بنارس اور بھیونڈی کے مناظروں
کے علاوہ نہ جانے کتنے مناظرے آپنے کئے اور
ہر ایک میں کامیابی کا سہرا سواد اعظم کے
سر رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بھنگواں کے
مناظرہ کے وقت میں دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ
ضلع بستی کا طالب علم تھا جن لوگوں نے اس مناظرہ
میں شرکت کی انکا بیان ہے کہ شدید بارش کے
موسم میں جبکہ ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھا راستے
پانی سے بھر چکے تھے کچے راستے کا حال بگڑ چکا
تھا ایسے راستوں پر چلنا نہایت ہی دشوار تھا
مگر "آفریں بر ہمت مردانہ"
کہ بارش، کیچڑ اور راستہ کی ہزار خرابی کے باوجود
علامہ نظامی مناظرہ گاہ میں جلوہ بار ہوئے اس
مناظرہ میں جہاں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ
مفکر اسلام مولانا قمر الزماں صاحب اور دیگر۔

اکابر علماء موجود تھے وہیں نظامی صاحب کا کردار سنہری حرفوں میں لکھا جانے کا مستحق ہے بارش ہوتی رہی مگر پاسبان ملت اسٹیج پر پرتو فگن رہے نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کی خواہش، نیند کو تج دیا گیا تھا۔ ایسے ماحول میں حضرت نظامی صاحب کے کارہائے نمایاں وہ تھے جو صرف انہیں کا خاصہ تھا

پھر جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا کے مصداق اہلسنت وجماعت کو رب قدیر نے فتح وکامرانی سے ہمکنار فرمایا

آپکو مذہبی جذبے کے پیش نظر مناظروں سے جنون کی حد تک عشق تھا آپ ہر طالب علم کو مناظر کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے کیونکہ انہیں شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبدو پنجہ ملانے اور انکی کلائی مروڑنے کا موقع فراہم ہوتا ہے مولانا مفتی محمد شفیق احمد شریفی سے بار بار فرماتے:

"مولانا! کاش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں (وہابیوں غیر مقلدوں) سے مجھے مناظرہ کا پھر موقع مل جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے دشمنوں کا منھ توڑ جواب دیتے میرا دم نکل جائے"

اسی جذبے کے پیش نظر آپ سواد اعظم کے ہر فرد کو مناظر بنانا چاہ رہے تھے چنانچہ دارالعلوم غریب نواز کے طلبہ کو مناظر بنانے کے لئے اپنی تمام کتابیں دارالعلوم کو ہبہ کر دیں مولانا مفتی محمد شفیق احمد شریفی بیان کرتے ہیں کہ پاسبان ملت نے مجھ سے بار بار فرمایا کہ

"مولانا شفیق! دارالعلوم نے اگر چند کامیاب مناظر پیدا کر دئے تو یہ میری زندگی کا بڑا کارنامہ ہوگا اور اس کے بعد آپ نے مناظرہ کی تمام کتابیں دارالعلوم غریب نواز کو وقف کر دیں"

اب پاسبان ملت پوری پامردی کے ساتھ میدان میں خم ٹھونکے کھڑے تھے۔ ایک طرف اشہب قلم میدان تحریر کو سر کر رکھا تھا اور آپ کے نوک قلم سے شستہ، پاکیزہ اور مدلل تحریریں معرض وجود میں آکر مسلک کا تحفظ کر رہی تھیں آپکی طمانیت غائب تھی، آپکو کسی پل سکون نہیں تھا، آپکی فکر ہر سمت کام کر رہی تھی، تقریر سے زنگ آلود دلوں کو صیقل کیا جا رہا تھا، تحریر سے اہل الرائے کو سمت راست دکھائی جا رہی تھی، مناظروں سے احقاق حق اور ابطال باطل کیا جا رہا تھا مگر آپنے مستقبل کی نسلوں کا جائزہ لیا اور افراد تیار کئے جانیکی فکر آپکو لاحق ہوئی کیونکہ یہ امر متحقق ہے کہ جو نقوش بچپن میں صفحۂ ذہن پر مرتسم ہوتے ہیں وہ دیرپا بلکہ دوامی ہوتے ہیں اس لئے اب بنیادی کام کی طرف توجہ ضروری تھی حالانکہ احساسات کا یہ سرچشمہ انہیں ابتدا ہی سے رس رہا تھا مگر اب انہیں تیزی آگئی تھی پھر مدارس کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور ملک کے طول وعرض میں مدارس بکھیر دئے گئے چنانچہ سب سے پہلا مدرسہ جو آپنے قائم کیا وہ قصبہ بھدوہی کا مدرسہ مدینۃ العلم ہے خود تحریر فرماتے ہیں

"چنانچہ میں نے پہلا مدرسہ مدینۃ العلم کے نام سے قصبہ بھدوہی میں قائم کیا بحمد اللہ بحسن وخوبی آج تک چل رہا ہے اس کے بعد اسی

یوں تو حضرت پاسبان ملت نے ملک کے طول وعرض میں درجنوں ادارے قائم کئے مگر "دارالعلوم غریب نواز" کو ان میں تفوق حاصل ہے اسی لئے اسکو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ ★

سے متصل روٹھاں میں قائم کیا جو آج بھی
بالکل باغ و بہار ہے اور ہندوستان میں بہت
سارے مدارس ہیں جن سے میرا کسی نہ کسی طرح
تعلق ہے "

اسی طرح قلب شہر الہ آباد میں بھی
ایک ادارہ ضروری سمجھا گیا تو جو زمین اپنا مکان
بنانے کیلئے خریدی گئی تھی اسکو ادارہ کیلئے وقف
کر دیا گیا اور ۱۹۶۵ء میں "دار العلوم غریب نواز"
کی داغ بیل پڑ گئی اس طرح قوم و ملت کی آبیاری
کا ایک اور چشمہ سیال ابلا

یوں تو حضرت پاسبان ملت نے ملک
کے طول و عرض میں درجنوں ادارے قائم کئے
مگر "دار العلوم غریب نواز" کو ان میں اولیت
و تفوق حاصل ہے چنانچہ دار العلوم غریب نواز
کے قیام کے بعد اسکو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا
گیا تاکہ ہر میدان کے شہسواروں کی کھیپ تیار کیجائے
دار العلوم کے ان ذیلی شعبوں پر نظر ڈالئے
تو یہ احساس بڑھ جائیگا کہ حضرت موصوف قوم
کے نونہالوں کو خدمت دین کیلئے کس کس رنگ
میں ڈھالنا چاہ رہے تھے ۔

(۱) رضا لائبریری (۲) کتب خانہ (۳) انجمن گلشن
اجمیر (۴) شعبہ تحقیقات (۵) سلیمان لائبریری
(برائے طلبہ فقط)

ان میں ہر ایک وقتی تقاضوں پر محیط
ہے اور ہر ایک سے ذہنوں کو نئی زندگی اور نئی
تلاش کا جوہر ملیگا مدارس ماحول کو مذہبی رنگ
دینے کا ضامن ہوتے ہیں جس جگہ مدرسوں کا
قیام ہوا وہاں کی فضا بہر حال مذہبی رواداری

آپ نے سنگلاخ وادیوں میں علمی گلستاں سجایا ★★★

کی متحمل ہوتی ہے اور مسلک کے تحفظ
کیلئے جگہ جگہ مدارس کا قیام یوں بھی ناگزیر ہے
اس لئے آپ زیادہ سے زیادہ مدارس کے قیام
پر زور دیتے تھے آپ نے ان سنگلاخ وادیوں میں
علمی گلستاں سجایا جہاں کسی ادارے کے
قیام کا تصور سوہان روح سے کم نہیں۔ شاید میں
اس بات کے کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جنوبی ہند
کو ہمارے علماء کبار نے اپنے قدموں کی برکت سے
ہمیشہ محروم رکھا یہی وجہ ہے کہ اس طرف دیوبندیت
وہابیت، جماعت اسلامی وغیرہ کو کھلنے کھیلنے
کا موقعہ ملا، مگر علامہ نظامی علیہ الرحمہ پہلی شخصیت
ہے جنہوں نے جنوبی ہند پر پوری توجہ مرکوز کی اور
نہ صرف دورے کئے بلکہ مناظرہ، خطاب اور مدارس
سے ہند کے جنوبی خطہ ارضی کو لالہ زار بنا دیا ۔

میرا اپنا واقعہ ہے

۸۵ء کی بات ہے میں میسور سرنگا پٹم
حضرت ٹیپو سلطان شہید کی مزار پر بغرض فاتحہ خوانی
میں حاضر ہوا قلعہ کی قدیم عمارتیں جو زبان حال سے
عہد رفتہ کی کہانی سنا رہی تھیں انکو دیکھا تو ماضی
کی زریں تاریخ نظروں میں گردش کرنے لگی ۔
سلطنت خداداد کو ختم ہوئے صدی گذر گئی مگر
اسلامی نقوش کی یاد ابھی بھی تازہ محسوس ہوتی
تھی ۔

پتہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی
کوئی اس راہ سے ہو گزرا ہے

فاتحہ سے فراغت کے بعد گھوم کر قلعہ دیکھنے لگا مکہ مسجد کے پاس
ایک بورڈ آویزاں دیکھا جس پر جلی حرفوں سے
"جامعہ سلطان ٹیپو" نوشتہ دیکھا۔

میرے قدم رک گئے میں حیرت و استعجاب میں
ڈوبا کھڑا تھا میرے ہمسفر مولانا نصیر الدین جامعی
نے قریب آکر کہا ۔ مولانا ۔ کیا سوچ
رہے ہیں ؟ میں خیالوں کی دنیا سے واپس ہوا
اور اظہار تاسف کرتے ہوئے بولا ۔ مولانا۔
تاریخ اسلامی کو یورپ نے تار تار کر دیا ،
سلطنت خداداد کا سقوط صدیوں پہلے ہو چکا
ہے ہر طرف ہو کا عالم ہے آخر کس مرد حق آگاہ
نے دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ بنانے کا
عزم کر کے قدسیوں کو نغمہ سنانے کی جنون کی
ہے ؟ یہ ادارہ یہاں کیوں اور کس نے قائم کیا ؟
مولانا نصیر الدین نے کہا چلئے آفس سے اس
کا پتہ کرتے ہیں ہم لوگ آفس میں گئے ایک
ضعیف العمر سفید ریش بزرگ اور ایک نوجوان
مصروف کار تھے سلام کے بعد میں نے ادارہ
کے بانی کا نام معلوم کرنا چاہا تو موصوف نے
شگفتگی سے با ادب انداز میں فرمایا :

پاسبان ملت علامہ نظامی صاحب قبلہ نے قائم کیا ہے چونکہ ادھر اپنا کوئی ادارہ نہیں تھا اور جو ادارے ہیں بھی وہ دور پڑتے ہیں، سرنگا پٹم میسور ایک ایسی آبادی ہے جہاں ایک دینی ادارے کا قیام انتہائی ضروری تھا تاکہ مسلک کا تحفظ ہو سکے حضرت تقریری دورے پر تشریف لائے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک مجلس شوریٰ قائم کی اور ادارے کی بنیاد پڑ گئی اسی شوریٰ کے تحت یہ ادارہ قائم ہے "

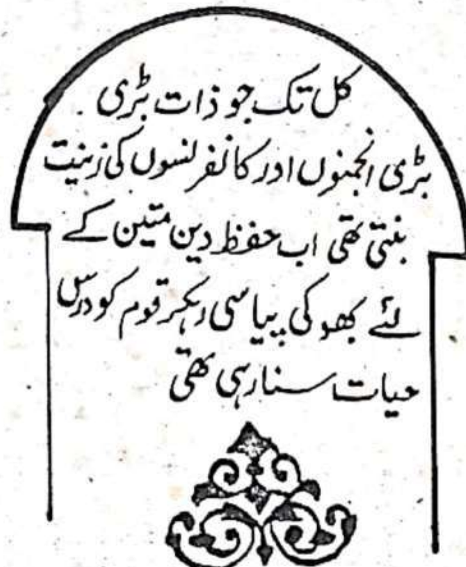
معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ متوسطات تک تعلیم ہے بیساختہ زبان سے کلمہ تحسین بلند ہوا کیونکہ ایک ایسی سنگلاخ زمین جسکو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا تھا مگر آپکی دوررس نگاہ نے ان مخفی اثرات کو دیکھا اور ادارہ کی بنیاد ڈالدی گئی حمد للہ آج بھی وہ ادارہ کام کر رہا ہے

آپکے قائم کردہ ان اداروں پر نظر نظر ڈالئے ۔ مدرسہ مدینۃ العلم بھدوہی، دار العلوم غریب نواز الہ آباد، دار العلوم غوثیہ ہبلی، دار العلوم دستگیریہ منڈگور، دار العلوم شاہ جماعت ہاسن، دار العلوم شاہ جنگی بھاگلپور دار العلوم غوثیہ ریلوا، مدرسہ گلشن اجمیر بہریا، مدرسہ تعلیم الاسلام پھولپور، دار العلوم امام احمد رضا بمبئی اس طرح کتنے اور اداروں کو قائم فرمایا اور اسکی سرپرستی فرماتے رہے مقصد صرف یہی تھا کہ مذہب کی طرف رغبت دلائی جائے، لوگوں کو مسلک حق سے آگاہ کرایا جائے، غارتگروں سے انکے ایماں کو بچایا جائے، حشرات الارض کی طرح رینگنے والے ایمان خور دزدوں سے قوم کو محفوظ رکھا جائے

پھر ان زہریلے اثرات کو زائل کرنے کیلئے جو تبلیغی جماعت کی شکل میں برسوں سے مسلمانوں کا ایمانی تشخص مجروح کر رہے ہیں ایک

جماعت میں تنہا شخصیت ہے علامہ نظامی کی جس نے "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" کے اصول پر سنی تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی ★

اور تحریک اٹھی آپنے ہوا کا رخ موڑنے کی ایک اور کوشش کی چونکہ یہ اصول آپکی نظروں میں تھا کہ — لوہا لوہے کو کاٹتا ہے —، لہذا تقریر و مناظرہ، تحریر و تدریس کی افادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے تبلیغی طرز پر ایک تحریک بپا کی



اور یوں "سنی تبلیغی جماعت" کا قیام عمل میں آیا مولانا مجاہد حسین رضوی مصباحی رقمطراز ہیں :

کلمہ اور نماز کا پیارا نام لیکر ایمان وعقیدہ پر شبخوں مارنے والوں کی ٹولیاں حشرات الارض کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی ہیں یہ صحیح ہیکہ ہمارے اکابرین نے اپنی روشن تحریروں کے ذریعہ بے ایمانوں کے فریب کا پردہ بہت پہلے ہی چاک فرما دیا ہے مگر

جماعت میں تنہا شخصیت ہے علامہ نظامی کی جس نے "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" کے اصول پر ایمان وعقیدے کے تحفظ کے لئے آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالی اس کا دائرہ کار اگر چہ پورے ملک میں وسیع نہ ہو سکا تاہم کچھ صوبوں میں خصوصاً راجستھان و مہاراشٹر میں یہ تنظیم نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے "

اسکو فروغ دینے کیلئے آپنے جن امور کو اپنایا وہ آپکی ملی ہمدردی اور مسلکی محبت کا منھ بولتا

ثبوت ہے ۔ اللہ اکبر — ! آپ بغیر بلائے
ائمہ مساجد علماء و مدرسین کے پاس تشریف لیجاتے
انہیں عوام کو مذہب سے قریب کرنیکی تلقین فرماتے
خود اپنے خرچ سے جگہ جگہ جلسہ کرتے اور اپنا
خطاب نایاب فرماتے ذرا غور کیجئے کہ کل تک
جو ذات بڑی بڑی انجمنوں اور کانفرنسوں کی
زینت بنتی تھی ، تاریخ کیلئے مہینوں پہلے مراسلت
کی جاتی تھی اب حفظ دین متین کیلئے بھوکی پیاسی
رہکر قوم کو درس حیات سنا رہی تھی نتیجہ یہ نکلا
کہ سنی تبلیغی جماعت دیکھتے دیکھتے کامرانیوں
کی بلندیوں کو چھونے لگی اور اسکی شاخیں ملک
کے مختلف حصوں میں قائم ہوگئیں آپکے سوچنے
کا انداز بالکل جداگانہ تھا آپ وقت کی نبض
پر ہاتھ رکھکر سوچنے کے عادی تھے اس لئے
مخالف ٹولی سے جیسی ذریب وہ حرکتیں کی
جاتی تھیں آپ اس کا جواب انتہائی سنجیدہ
خوبصورت اور شیریں انداز میں دینے کے خوگر
تھے ۔ من لم یعرف اہل زمانہ فھو
جاھل کے مصداق آپکی بصیرت افروز نظر
ہمیشہ تغیرات زمانہ پر مرکوز رہتی تھی اسی لئے
تبلیغی جماعت کا توڑ سنی تبلیغی جماعت سے
کیا اور یہ تحریک انقلاب آفریں حیثیت کی حامل
ہوگئی ۔

ایک طرف تو آپ تبلیغ کے ذریعہ دینی
خدمات کا فریضہ انجام دے رہے تھے اور دوسری
طرف رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری تھا اگرچہ
بیعت و ارشاد کا یہ طریق کار کچھ ظاہر نہ ہوسکا

آپ بغیر بلائے ائمہ مساجد علماء و مدرسین کے پاس
تشریف لیجاتے انہیں عوام کو مذہب سے قریب کرنیکی تلقین فرماتے

تاہم آپ نے رشد و ہدایت کا یہ بار بھی سنبھال
رکھا تھا وجہ یہ ہیکہ پیر و مرید کے درمیان رشتہ
کی جو نزاکت ہوتی ہے وہ ایک الگ حیثیت کی
حامل ہے چونکہ اس تعلق سے جو بھی دامن سے
وابستہ ہوجائیگا وہ بحمایت ایزدی گمراہی و فریب
خوردگی سے محفوظ ہوجاتا ہے میرا قیاس یہی
کہتا ہے کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات کی
وجہ سے اولاً اس سے گریز کرتے رہے ہوں گے
مگر تحفظ مسلک و مذہب کی بات آئی ہوگی
یا زندگی میں کوئی ایسا دلدوز واقعہ
رونما ہوا ہوگا جس نے آپکو تڑپا دیا ہوگا
تو آپنے اس امانت کو بھی گلے سے لگایا ہوگا
آپکے مریدوں کی تعداد کا صحیح علم تو نہیں
تاہم ؛
"سفر و حضر کے رفیق ..... جناب
الحاج حافظ لعل محمد قادری نے
بتایا کہ علامہ کے مریدین کی تعداد
تقریبا ۵ ہزار ہے"

اسی طرح جب ملک میں اسلامی قانون کے خلاف
ہندوازم کی لہر تیز ہوگئی اور مسلمانوں کے عائلی
قوانین کے خلاف مداخلت بیجا کی جانے لگی تو
پاسبان ملت نے پھر ایک کروٹ لی اور مسلمانوں
کے باہمی امور کو خود حل کرنیکا نظریہ پیش کیا یہ
نظریہ دراصل امام اہلسنت علیہ الرحمہ کے نظریہ
سے ماخوذ تھا کہ مسلمان اپنے معاملات خود حل کریں
کورٹ کچہری میں اپنے داخلی مسائل لیجا کر خود اپنا
مال بھی خرچ ہو اور دوسروں کی دست نگری بھی
باقی رہے اس لئے اپنے مسائل کو حل کرنے
کیلئے پنچایتیں قائم کریں طلاق و نکاح اور
دیگر ضروری مسائل زندگی کو مل بیٹھکر حل کریں
حضرت موصوف نے بھی اس روش کو اپنایا اور
مسلمانوں کو ان کا تشخص بچانے کے لئے آپ
نے "ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر" کا قیام کیا جس
میں مفتی کے زیر نگرانی شرعی حدود و قوانین میں
مسلمانوں کے مسائل
حل ہو رہے ہیں

سفر و حضر کے رفیق — جناب الحاج حافظ لعل محمد قادری نے
فرمایا کہ علامہ کے مریدین کی تعداد تقریبًا ۵ ہزار ہے ★★★

آپکی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے
کہ مسلک کے نام پر آپکو کبھی بھی یاد کیا جاسکتا
تھا جب بھی آپ کو یاد کیا گیا آپ پا بجولاں وہاں

پہنچے۔ یہ خصوصیت حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ سے آپکو وراثت میں ملی تھی آپ ملک کی مختلف تنظیموں سے وابستہ رہے اور اپنے اسٹیج سے حق کا پیغام نشر کرتے رہے۔ تنظیمات کی تفصیل اور آپ کے عہدے ملاحظہ فرمائیں

آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ	آرگنائزر سکریٹری
آل انڈیا تبلیغ سیرت	جوائنٹ سکریٹری
آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء	جنرل سکریٹری
آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت	بانی

۴۴ سال کی زندگی جو شعور و آگہی کے ساتھ ابھری کیسا آفاقی بنتی چلی گئی ★

اللہ اکبر ۔۔۔۔! ۴۴ سال کی یہ زندگی جو شعور و آگہی کے ساتھ ابھری اور کیسا آفاقی بنتی چلی گئی۔ مذہب نے آپ کو کہاں نہیں پکارا، مسلک نے آپکو کہاں نہیں دعوت دی، اسلام کی صدائے طلبی نے آپکو اشارہ کیا اور آپ ۔۔۔ ع ۔۔۔

کفن بدوش اسیران زلف یار چلے

دوڑ پڑے۔ فرد سے جماعت تک آپ کے کارنامے بکھرے ہوتے ہیں۔ گوشۂ تنہائی سے جلوت گاہ عام تک آپکی خدمات درخشاں ہیں، سفر و حضر ہر منزل پر آپکا نقش تابندہ ہے عشق کی جلوہ سامانیاں کہاں نہیں ہیں، قوم کا درد عضو عضو سے ظاہر ہے، فکری بلندیاں ہر دشواری کو سر کررہی ہیں یقیناً پاسبان ملت کی مذہبی خدمات کا جائزہ لینے کیلئے ایک دفتر درکار ہے، اس مختصر مقالہ میں اسکی گنجائش کہاں آپ اس کو ایک اجمالی خاکہ کہہ سکتے ہیں جو چند گوشوں کا خفیف احصاء کرتا ہے حیات کی تہوں کو کھولا جائے تو ان میں چھپے جواہرات کی برق پاشیوں سے نظریں خیرہ ہوجائیں، بیشک آپ فرد میں انجمن تھے اور آپکا تشخص مجتمعات کو محیط ؎

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ
أَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي الْوَاحِدِ

★ ★ ★

حواشی و حوالے

(۱) شیخ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ربعی قزوینی محدث۔ ابن ماجہ ص۲۰ مطبوعہ اصح المطابع دہلی
(۲) " " " " " ص۲۰ "
(۳) محمد غزالی امام مکاشفۃ القلوب ص۵۸۶ مطبوعہ اے ون آفسیٹ پریس دہلی
شفیق احمد شریفی مفتی پاسبان ملت ص۱۲ ناشر مکتبہ غریب نواز اٹالہ الہ آباد
مشتاق احمد نظامی مولانا خطبات نظامی ص۲۰ ناشر مدرسہ گلشن بغداد اسرا سہسواں الہ آباد
مشتاق احمد نظامی مولانا مقدمہ قہر آسمانی ص۹ ناشر مکتبہ پاسبان الہ آباد
مشتاق احمد نظامی مولانا خطبات نظامی ص۲ ناشر مدرسہ گلشن بغداد اسرا سہسواں الہ آباد
شفیق احمد شریفی مفتی پاسبان ملت ص۱۴ ناشر مکتبہ غریب نواز الہ آباد
مشتاق احمد نظامی مولانا خطبات نظامی ص۲ ناشر مدرسہ گلشن بغداد
ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور شمارہ دسمبر جنوری ۱۹۹۱ء ص۸۲
شفیق احمد شریفی پاسبان ملت ص۱۵ ناشر مکتبہ غریب نواز الہ آباد

نذیر القادری مصباحی سیاری

پاسبانِ ملت

بحیثیت خطیب

پاسبان ملت حضرت علامہ شاہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ ملت کے ایک عظیم پاسبان تھے بلکہ آپ کی ذات بجائے ملت اسلامیہ کی ایک ایسی گرانقدر پونجی تھے جس کی پاسبانی و نگہبانی از حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے سروں سے آپ کا سایہ اٹھتے ہی سارے عالم میں کہرام مچ گیا۔ آپ کیا گئے مسلمانوں کی دنیا اجڑ گئی — تمنائیں لٹ گئیں آرزوئیں پیوند خاک ہو گئیں۔ ابھی آپ کو اس انجمن جہاں سے گئے صرف ایک سال اور کچھ مہینے ہوئے مگر قدرت نے ان کی علمی تحقیقات ملی خدمات اور گرانقدر نگارشات کو قیامت کے لیے محفوظ و مامون کرنے کے کئی انتظامات فرما دیئے۔ متعدد رسالوں نے آپ کی بارگاہ میں اپنے اپنے مخصوص انداز میں عقیدتوں کے نذرانے پیش کیے۔ خود ماہنامہ نور مصطفےٰ نے ایک خصوصی شمارہ شائع کر کے اپنی نیازمندی کا ثبوت پیش کیا تھا — اور اب باضابطہ ایک دستاویزی شکل میں پاسبان ملت نمبر کی اشاعت بھی اسی سلسلے کی ایک عظیم اور ناقابل فراموش پیشکش ہے۔

علامہ نظامی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ہر میدان میں اپنی مثال آپ تھے۔ تحریر ہو کہ تقریر، صحافت ہو یا حکایت مناظرہ کی دنیا ہو یا بزم تدریس ہر جگہ آپ نے اپنی ایک الگ چھاپ چھوڑی ہے۔ آپ کی ہر ادا نرالی تھی — آپ کا ہر اسلوب انوکھا تھا — طرز تحریر کی سحر طرازی کا عالم یہ تھا کہ خشک سے خشک مضمون کو اس انداز میں تحریر کا جامہ پہناتے کہ قاری کو اس کی خشکی کا احساس تک نہ ہوتا — آپ کی ایک ادبی خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس بات کو وہ نثر کے ایک پیراگراف

> آپ صرف خطیب ہی نہیں خطیب گر تھے — بلکہ آپ کی منفرد المثال تصنیف "خطباتِ نظامی" کا مطالعہ کرنے سے اہل فن اس نتیجے پر پہنچے کہ آپ نے اس فن کی نئی راہیں کھولی ہیں

میں کہتے وہ پوری بات اس کے نیچے جڑے گئے ایک شعر میں آجاتی ہے جس کا اندازہ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اور جہاں تک آپ کی تقریری صلاحیتوں کا سوال ہے تو اس بارے میں یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ آپ صرف خطیب ہی نہیں خطیب گر تھے۔ بلکہ آپ کی منفرد المثال تصنیف "خطبات نظامی" کا مطالعہ کرنے سے اہل فن اس نتیجے پر پہنچے کہ آپ نے اس فن کی نئی راہیں کھولی ہیں۔ دوسرے مقررین جب اس فن میں کوئی کتاب لکھتے ہیں تو اس وقت ان کی اپنی ذات اپنی صلاحیت پیش نظر ہوتی ہے۔ مگر ایک علامہ نظامی ہیں جب انھوں نے خطبات نظامی تحریر فرمائی تو اول سے آخر تک انھوں نے طلبہ کے ذہن و مزاج اور ان کی صلاحیتوں کو سامنے رکھا ہے۔ کتاب کے شروع میں ضروری انتساب کے طور پر آپنے طلبہ سے جو چند باتیں کی ہیں اسے پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب میں تقریری نہیں اصول تقریر بھی پیش کئے گئے ہیں۔ ایک مقام پہ فرماتے ہیں :-

"تقریر علماء کے لیے نہیں عوام کے لیے کرو۔ اول سے آخر تک عوام سے مخاطب رہو۔ یہ تو علماء کا کرم ہے کہ وہ داد تحسین سے نوازدیں (خطبات نظامی)

خطیب مشرق علامہ نظامی ان مقررین میں سے نہیں تھے جو ریڈی میڈ تقریر لے کر اسٹیج پر آتے ہیں اگر ان کے سامنے موقع و محل اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر موضوع بدلنے کی ضرورت پڑجائے تو پسینے چھوٹنے لگتے ہیں بلکہ آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ جب جس موضوع پہ چاہتے اپنی خداداد صلاحیت کی بدولت فی البدیہہ تقریر فرماتے۔ اور پوری محفل پر چھا جاتے۔ خود فرماتے ہیں :-

"دہلی روڈ کانپور کے سالانہ اجلاس میں میرا تقریری پروگرام تھا۔ رات اور موسم کا تقاضا تھا کہ مسئلہ معراج کو موضوع بنایا جائے۔ لیکن بغیر کسی ارادے اور تیاری کے فی البدیہہ "دیوبندی بولتے ہیں سمجھتے نہیں" کے عنوان پر تقریر ہوگئی۔"

اب یہ تقریر فی البدیہہ ہونے کے باوجود کتنی کامیاب پر مغز اور مدلل ثابت ہوئی اس کا اندازہ دیوبندی بولتے ہیں سمجھتے نہیں کے مطالعہ سے لگایا جاسکتا ہے اس لئے کہ یہ کتاب پوری کی پوری مذکورہ تقریر ہی ہے۔ چنانچہ پیش لفظ کے اندر فرماتے ہیں :-

"چنانچہ اجلاس ختم ہونے کے بعد جب میں اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو مولانا عبدالسمیع صاحب اور ادیب شہیر حضرت مولانا نسیم بستوی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ آج کی تقریر قلمبند کردی جائے۔"

اور جیسے لوگوں کو معلوم ہوا کہ "دیوبندی بولتے ہیں سمجھتے نہیں" کے عنوان سے معرض وجود میں آنے والی فی البدیہہ تقریر کو کتابی شکل دینے کا آپنے وعدہ فرمالیا ہے۔ تو عالم یہ ہوا کہ ابھی کتاب طبع ہوکر نہیں آئی تھی کہ ایک دو کی نہیں ڈھائی ہزار کتابوں کے آرڈر مکتبہ پاسبان کو موصول ہوچکے تھے۔ (پیش لفظ دیوبندی بولتے ہیں سمجھتے نہیں)۔

اس سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی برجستہ تقریریں کتنی باثر اور دلپذیر ہوا کرتی تھیں۔

آج کل عام طور سے مقررین کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے جہاں ضمیر کی آواز برملا اظہار کرنے پر پابندی ہوتی ہے۔ عوام کا مزاج کچھ اس قسم کا ہوچکا ہے کہ اپنے آپ کو کھانٹی اہل سنت کہتے ہیں پھر بھی صلح کلیت کے قائل ہیں وہ اپنے جلسے کے لیے ایسا مقرر تلاش کرنا چاہتے ہیں جس کی تقریر سن کر وہ سینہ پھلا کر یہ کہہ سکیں :

ے رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت نہ گئی

مگر خطیب مشرق نہ اس نظریہ کو پسند فرماتے تھے اور نہ اس قسم کے اسٹیجوں پر تشریف لے جاتے تھے چنانچہ اپنی ایک آپ بیتی اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

"ایک بار نواح بمبئی کے ایک ممتاز اور مشہور و معروف شہر میں حاضری کا اتفاق ہوا تو چند احباب نے فرمائش کی کہ تقریر ایسی ہو جس کے سبھی مداح ہوں اس ضمن میں انھوں نے ایک صاحب کا نام بھی لیا کہ جب وہ تشریف لاتے ہیں تو ان کی تقریر میں سنی اور دیوبندی دونوں واہ واہ کرتے ہیں۔ لہذا آپ کا یہی انداز ہونا چاہیے۔ میں نے اپنی بے مائیگی کا اظہار کرتے

ہوئے یہ عرض کیا کہ میرے پاس کوئی ایسی تقریر نہیں جس سے دیوبندیوں کو خوش کرنے کے علاوہ آپ جیسے سنیوں کی تفریح طبع اور تسکین قلب کا کوئی میٹریل استعمال کر سکوں ؎

پیٹ اور ملک ہی نہیں سب کچھ
ہے بڑی چیز دین وایماں بھی

(مجرم کون ہے ص۵۰)

اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"معمول اسلاف وعقیدہ کی رو سے مخلوط جلسوں کی شرکت سے اجتناب وپرہیز قطعاً ضروری ہے"

آگے چل کر مخلوط جلسوں کے غلط نتائج کا ذکر کرتے ہوئے ان مقررین کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے جو صرف چند سکوں کے لیے مصلحت پسندی کی آڑ لیتے ہوئے اس قسم کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور نتیجے کے طور پر بجائے اس کے اپنے نظریات سے صلح کلیت پسند اور اس متذبذب افراد کو مسلک اہلسنت کی حقانیت سے روشناس کرا کر ان کے ذہن وفکر کو بے غبار کرتے، خود اپنے لوگوں کو بھی تشکیک وارتیاب کے دلدل میں پھنسا کر اپنی راہ لیتے ہیں ایسے لوگوں کا تعارف آپ اس انداز میں کرتے ہیں:۔

"واضح رہے کہ یہ جماعت کے انتہائی خطرناک اور مخدوش افراد ہیں جہاں ایسے افراد سے اس امر کی مخلصانہ اپیل ہے کہ انھیں خدا کی بازپرس سے ڈرنا چاہئے، وہیں آئمہ اور بھی گذارش ہے کہ سفینۂ اہلسنت تلاطم اور منجدھار سے گزر رہا ہے۔ اگر آپ ناخدائی کا حق ادا نہیں کر سکتے تو اس میں سوراخ بھی نہ کیجیے۔"

(مجرم کون ہے ص۲۱)

مندرجہ بالا شواہد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پاسبان ملت علیہ الرحمۃ روایتی مقرر نہیں تھے بلکہ وہ جو کچھ بولتے تھے اس میں ملت کی تباہی وخستہ حالی کی تصویر کشی ہوا کرتی تھی ــــ بالکل اسی انداز میں جس طرح کوئی باغبان اپنے گلشن کی بربادی وتباہی اور گلچیں کے خوف سے تڑپ اٹھتا ہے ــــ اور کیوں نہ ہو کہ پاسبان ملت گلستان ملت کے باغبان ونگہبان تھے۔

پاسبانِ ملت کے شہ پارے

اگر خون کی ایک بوند میں وفاداری مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جذبہ ہے تو آپ کا ایمان اللہ کے رسول کے دشمن سے نفرت اور گھن محسوس کریگا۔ خدانخواستہ اگر ایمان کے رشتہ پر خون کا رشتہ غالب ہے اور دین سے زیادہ چچا، ماموں، بھائی، بھتیجے، بیٹی، داماد چہیتے ہیں تو یقین کر لیجیے آپ ایمان سے اور ایمان آپ سے کوسوں دور ہو چکا ہے پھر کل ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان حشر میں پانی نہ مانگیے گا۔

آپ اپنی تقریروں میں واہ واہی کے ہرگز طلبگار نہ تھے ــــ مگر گفتگو ہی ایسی ہوتی تھی ــــ لوگ اچھل جاتے ــــ دل جھوم جاتا روحیں مسرور ہو جاتیں اور پورے مجمع پر ایک ایسا کیف وسرور کا شامیانہ تن جاتا جہاں جھلاہٹ اکتاہٹ اور بددلی کی کوئی تپش ہرگز دخل نہ پاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور پاسبان ملت علیہ الرحمۃ کو خطابت کے میدان میں جو مقام حاصل تھا وہ بلاشبہ انھیں کا حصہ تھا ــــ وہ خطیب ہی نہیں استاذ الخطباء تھے آپ نے کبھی یہ نہ سوچا کہ میرا فلاں مواد اگر کسی دوسرے مقرر کو مل جائے گا تو میں بے دست وپا ہو جاؤں گا ــــ بلکہ جس کسی ابھرتے ہوئے نوجوان مقرر کی پیشانی پر ترقی کا ستارہ چمکتا ہوا دیکھتے اُسے خود بلاتے سر پر شفقت کا ہاتھ ڈالتے محبت بھرے جملوں سے اس کی حوصلہ افزائی فرماتے ــــ اور پھر اسے فنِ خطابت کے ایسے گُر بتلاتے کہ اچھے اچھے مقررین ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے۔

علامہ نظامی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے دنیاوی جائداد کے لیے اپنا کوئی وارث نہ چھوڑا اسی طرح انھوں نے دولت علم وعرفان بھی بلاتحقیق اپنائیت واجنبیت گویا لٹا دیا ــــ اس لیے کہ انھوں نے آج تک کسی کو اپنے لیے غیر نہیں سمجھا سب آپ کے اپنے تھے ــــ ہر دردمندوں سے آپ کو

بقیہ ص۲۶ پر

پاسبان ملت کی

جامع و پُر وقار شخصیت

از: مولانا غلام مصطفےٰ رضوی نجم القادری، یاسین کرناٹک

پاسبان دین وملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی متنوع شخصیت اور بوقلموں ذات بیک وقت کئی صفات کا حامل تھی، سوز وگداز، خلوص وللہیت اولوالعزمی، جاں بازی، عزم مجاہدانہ، ذوق زاہدانہ اور نعرۂ قلندرانہ کی ہزاروں انجمنیں آپ میں آباد تھیں

وہ زہرہ نگار ادیب بھی تھے اور فلک وقار خطیب بھی، بلند بانگ مقرر بھی تھے اور دقیق نظر مفکر بھی، وہ تحریک بھی تھے اور محرک بھی، تنظیم بھی تھے اور ناظم بھی۔

میدان خطابت کے شیر ایسے کہ جب باطل کو للکارتے تو زعماء باطل کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی اور جب مدحت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے تو محسوس ہوتا کہ ع

بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

ان کے اس فن کا لوہا قریب قریب سب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ مقرر ہی نہیں بلکہ مقرر ساز بھی تھے وہ صرف خطیب ہی نہیں خطیب آفرین تھے۔ یہی وجہ ہیکہ آپ کی گفتگو کی تعبیر دل پذیر سے بھی کبھی سامعین کو سیری نہیں ہوئی باریک سے باریک نکتہ کو بھی سامعین کے ذہن میں اتار دیتے

ایسے کریم النفس کہ جن ذروں میں چمک محسوس کر لیتے ان ذروں کو آفتاب بنانے کیلئے اپنے ہر مشورے، قیمتی رائے اور زریں خیالات سے انکی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ آپ کی یہ ایسی خوبی تھی جو آپکے معاصرین سے آپکو ممتاز کرتی ہے۔ اس تنگ نظر ماحول میں جبکہ ہر آفتاب خود ہی ہر محفل میں چمکنے کا خواب دیکھ رہا ہے کسی ستارہ کی معمولی سی جھلک بھی گوارہ نہیں کی جاتی علامہ نظامی ہی کی شخصیت میری نظر میں ایسی تھی جو اس عیب سے نہ صرف یہ کہ پاک تھی بلکہ آپکی خواہش یہ ہوتی کہ ہر

> ایسے کریم النفس کہ جن ذروں میں چمک محسوس کرلیتے ان ذروں کو آفتاب بنانے کیلئے اپنے ہر مشورے قیمتی رائے اور زریں خیالات سے اسکی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے آپ کی یہ ایسی عظیم الشان خوبی تھی جو آپکو آپ کے معاصرین سے ممتاز کرتی ہے

کوکب دری نیر درخشاں اور ہر ٹمٹماتا ہوا چراغ شمع ضوفشاں، ہر ذرہ رشک آفتاب وماہتاب اور ہر قطرہ ابر علم وفن بنکر اٹھے اور کشت زار سنیت پر موسلا دھار بارش بنکر برسے

ملت کی آبرومندانہ زندگی کے لئے آپ نے کیا کیا تحریکیں نہ چلائیں اور کون کون سی تنظیمیں نہ قائم کیں اور کس کس ادارہ وجماعت کی آپ نے سرپرستی وحمایت نہ قبول کی۔ غرض کہ ان کا پرسوز دل ہمیشہ ملت کے درد میں دھڑکتا، انکی حق ترجمان زبان ہمیشہ حق کی ترجمانی میں متحرک رہتی، ان کا روشن دماغ ہمیشہ نئے نئے عزم ویلان اور پروگرام ومشن کو جنم دیتا

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت، دارالعلوم غریب نواز ادارہ شرعیہ مہاراشٹر، دارالعلوم امام احمد رضا بمبئی آپ کی انتھک کوششوں کا نتیجہ اور انمٹ یادگار ہیں

جب تبلیغی جماعت کے بھیس میں نماز وروزہ کے نام پر ایک جماعت شہر شہر اور نگر نگر پھرنے لگی باد سموم کے تیز وتند جھونکے چلنے لگے۔ خیالات بدلنے اور پرانے جام ومینا توڑے جانے لگے تو ایسے خطرناک موڑ پر آپ ہی نے کمر ہمت باندھی اور سنی تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈال کر دفاعی مورچہ سنبھالا، بگڑے ہوئے عقیدے کو سنوارنے بدلے ہوئے حالات کو نیا رخ دینے کے لئے سعی بلیغ فرمائی جگہ جگہ اسکی شاخیں کھولی گئیں پھر کیا تھا گلشن سنیت میں عشق وعقیدت کی نسیم وصبا چلی شاخیں جھومنے لگیں، کلیاں مسکرانے لگیں اور اس طرح مایوس فضا میں پھر امید کی نئی کرن پھوٹی جو کام تبلیغی جماعت مہینوں بلکہ برسوں میں کرتی سنی تبلیغی جماعت نے چند دنوں میں کر دکھایا اور بتا دیا کہ ؎

ہم بھی دل رکھتے ہیں ہم بھی صاحب احساس ہیں

> ملت کی آبرومندانہ زندگی کے لئے آپ نے کیا کیا نہ تحریکیں چلائیں اور کون کونسی تنظیمیں نہ قائم کیں غرض کہ ان کا پرسوز دل ہمیشہ ملت کے درد میں دھڑکتا، ان کی حق ترجمان زبان ہمیشہ حق کی ترجمانی میں متحرک رہتی، ان کا دماغ ہمیشہ نئے نئے عزم ویلان اور پروگرام ومشن کو جنم دیتا۔ ★★★

مدرسہ کی دنیا میں دارالعلوم غریب نواز کی شکل میں ایک عظیم اسلامی قلعہ اور دینی درسگاہ آپ نے قوم کو دیا ہے جو تعلیم وتربیت کا گہوارہ اور تبلیغ واشاعت کا مرکز ہے تشنہ کامان علوم وفنون جھنڈ کے جھنڈ آتے اور اپنی پیاس بجھاتے اور کثیر تعداد میں ہر سال زیور علم سے آراستہ ہو کر نکلتے ہیں

اور جب اس آرزو نے آپکو تڑپایا کہ مسلمانوں کے خاص دینی مسائل دینی عدالت میں حل ہوا کریں تو آج اسی آرزو کی محسوس شکل ادارہ شرعیہ بہار اسٹیٹ کی صورت میں قائم ہے

شعبۂ قضاء، شعبۂ افتاء اور شعبۂ تعلیم و تربیت پر مشتمل یہ کثیر المقاصد ادارہ یقیناً وقت کی دکھتی رگ پر مرہم کا کام انجام دے رہا ہے۔

علاوہ ازیں ملک کے طول و عرض میں سینکڑوں ایسے ادارے ہیں جن کی سرپرستی کا بار گراں آپکے دوش پر تھا اور پوری زندگی آپ نے اس عظیم ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھایا آپکی رحلت پر تمام ادارے اشکبار و سوگوار ہیں کہ ان کا مسیحا چلا گیا

تصنیف و تالیف جیسی سنگلاخ زمین کا وہ راہرو جس نے ایوان تصنیف کے دروازے پر نہ یہ کہ صرف دستک دی بلکہ بہت سے بند دروازوں کو آپ نے کھولا بھی ہے پھر وہ کچھ کر دکھایا جس کی دنیا مشتاق و متمنی تھی اپنی تصنیف میں آپ نے لذت کام و دہن کے لئے جس حسین پیرائے میں چٹخارے کی آمیزش کی ہے یہ آپ ہی کا حصہ تھا

خلاصہ یہ کہ تنہا آپ کیا گئے آپ کیساتھ خطابت کی گھن گھرج، مناظرہ کا طمطراق تحریر کی دل آویزی، تصنیف کی ندرت، جماعتی سرگرمی کا وقار، قوم و ملت کے درد کا درماں، اور خلوص و محبت کا مجسمہ رخصت ہو گیا۔ مولائے قدیر انکی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے سایہ عاطفت میں جگہ عنایت فرمائے

آمین



علامہ
یٰسین اختر
مصباحی

۲۹ر اکتوبر کو دوپہر میں کریلی اسکیم الہ آباد سے محمد صابر صاحب اور ممبئی سے جناب سعید نوری نے بذریعہ ٹیلیفون یہ وحشت اثر خبر سنائی کہ آج صبح ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا مشتاق احمد (متولد ۱۵ر اگست ۱۹۱۸ء ضلع الہ آباد) حضرت علامہ نظام الدین بلیاوی سابق صدر المدرسین سبحانیہ الہ آباد، مدرسہ عالیہ رامپور، کے سب سے قابل فخر شاگرد تھے۔ اور انہیں کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنے آپ کو نظامی لکھتے تھے

اسیر حبیب

مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ والرضوان (متوفی ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء) سے بھی آپ نے چند کتابوں کا درس لیا اور انہیں سے شرف بیعت حاصل کیا۔ مجاہد ملت سے آپ کو غایت درجہ قلبی لگاؤ بلکہ والہانہ محبت تھی۔ اور اپنی اطاعت و وفا شعاری کا اظہار وہ (اسیر حبیب) لکھ کر کیا کرتے تھے۔ ایسا نہیں کہ وہ صرف اپنے استاد گرامی اور مرشد برحق ہی کے گرویدہ تھے۔ بلکہ اپنے دور کے سبھی بزرگ علماء و مشائخ کو وہ اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ اور ان کے ادب و احترام کو وہ اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ حضور مفتی اعظم، حافظ ملت، سید العلماء، مفتی اعظم کانپور وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملاقات کے وقت جس طرح وہ اپنا دیدہ و دل فرش راہ کرتے اس کا عالم دیدنی ہوتا۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد ۱۹۷۱ء میں علامہ کے قائم کردہ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں مجھے ایک سال رہنے کا اتفاق ہوا اس وقت میں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا اور آپ کے علم و فضل، اخلاص و اخلاق اور ذہانت و طباعی کا مشاہدہ کیا۔ ضیافت و مہربانی، تعظیم و توقیر اور خوردہ نوازی کے بہت سے مناظر میں نے دیکھے۔ اور آپ کی زبان سے کسی کی غیبت تو میں نے کبھی سنی ہی نہیں۔

ایک بار ایک مجلس میں مولانا قمر الزماں اعظمی کا ذکر آیا تو اس

وقت ایک سنجیدہ مقرر کی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ حضرت نظامی صاحب نے مجھ سے کہا کہ اس طرح کے باصلاحیت نوجوانوں کی تعریف نہ کی جائے۔ اور انہیں آگے نہ بڑھایا جائے تو پھر کس کی تعریف کی جائے۔ یہی لوگ تو آگے چل کر ہماری جگہ سنبھالیں گے۔"

اپنے نئے تعلیمی سلسلے کے آغاز کے لئے جب میں الہ آباد سے لکھنؤ چلا گیا تو ۱۹۷۲ء میں میرے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت نظامی صاحب نے تحریر فرمایا۔ "آپ کے اندر آگے بڑھنے کی لیک ہے جس کی میں قدر کرتا ہوں۔" اور آپ کا یہ جملہ آج تک میرے دل پر نقش ہے۔

آپ کی اس شفقت کو بھی تا زندگی فراموش نہیں کر سکتا جب میں نے اپنے والد مرحوم نور محمد ۱۳۹۱ھ کے انتقال کی خبر ایک خط لکھ کر دی تو آپ نے بمبئی سے اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔ "کاش اس وقت میں آپ کے قریب ہوتا۔ تو اپنے سینے سے لگا کر آپ کا شریک غم بن جاتا۔ اور آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیتا۔"

خطیب مشرق

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلسنت وجماعت کے خطباء و مقررین کا تقریر وخطابت کے میدان میں کوئی جواب نہیں۔ میں نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو سبحان الہند حضرت مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری اور خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی کو مذہبی اسٹیج کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب پایا۔ ان کی تقریروں میں موجوں کا تلاطم بھی ہوتا۔ اور آبشار کی روانی بھی۔ شیر کی گھن گرج بھی ہوتی۔ اور بلبل کی چہچہاہٹ بھی۔ علم وفن کی روانی ہوتی اور فکر وبصیرت کا ٹھہراؤ بھی۔ مدح وستائش کے پھول بھی جھڑتے اور نقد ونظر کے تیر بھی چلتے جس سے محفل میں ایک سماں بندھ جاتا اور سامعین وحاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

مجھے یاد آتا ہے کہ گولہ بازار مبارکپور کے ایک جلسہ میں حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان نے حضرت نظامی صاحب کا پرجوش تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا۔ "مولانا مشتاق احمد نظامی دور حاضر کے مولانا ہدایت رسول لکھنوی ہیں۔"

★ پاسبان ملت کی تقریروں میں موجوں کا تلاطم بھی ہوتا اور آبشار کی روانی بھی۔ شیر کی گھن گرج بھی ہوتی۔ اور بلبل کی چہچہاہٹ بھی علم وفن کی روانی ہوتی اور فکر وبصیرت کا ٹھہراؤ بھی مدح وستائش کے پھول بھی جھڑتے اور نقد ونظر کے تیر بھی چلتے

حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب ناگپوری کی دعوت پر دس روزہ تقریری پروگرام میں مجھے بھی حضرت نظامی صاحب کی رفاقت میسر آئی تھی۔ جامعہ عربیہ ناگپور میں قیام تھا۔ اور وہیں سے وہ جلسوں میں شریک ہو کر خطابت کے جوہر دکھاتے۔ خلق خدا آپ کی تقریر سننے کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی۔ مگر نظام قدرت دیکھئے کہ آخری وقت میں فالج کے شدید حملے نے انہیں کس طرح بے زبان بنا دیا بولتی ہوئی زبان خاموش ہو گئی۔ سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور وہ مجسم تصویر حیرت بنے اپنے مخلصوں اور ہمدردوں کا منہ تکتے رہ گئے

خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

گذشتہ سال محرم الحرام کے موقع پر کرلا بمبئی میں آپ کا قیام تھا۔ حضرت صوفی نظام الدین صاحب بھی اسی جگہ قیام پذیر تھے۔ ملاقات کیلئے فتح احمد بستوی کو لے کر میں حاضر ہوا۔ حضرت نظامی صاحب بہت خوش ہوئے۔ ماہنامہ حجاز کی تعریف کی۔ فرمایا کہ جماعت کو ایسے کسی علمی وفکری ماہنامہ کی ضرورت تھی۔ آپ کا یہ جرأت مندانہ اقدام ستائش ومبارک کے لائق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے مقبولیت واستحکام سے نوازے۔ (آمین)۔

جب میں نے واپسی کی اجازت چاہی تو آپ نے اس
فالج زدہ کیفیت میں بھی رخصت کرنے کے لئے بستر سے
اٹھ کر کھڑے ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ میں نے کہا حضرت
آپ تشریف رکھیں۔ اس کیفیت میں اٹھنا مناسب نہیں
لیکن آپ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہو گئے ،، مولانا یٰسین
یہ پاؤں کبھی میرا بوجھ اٹھاتا تھا۔ اور اب میں اس کا بوجھ
اٹھا رہا ہوں۔،،

کس قدر کرب اور بے بسی کا اظہار ہو رہا ہے
ان الفاظ سے؟ یہ الفاظ میرے دل میں ترازو ہو گئے اور
مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی نحیف ولاغر اور ضعیف و
ناتواں بوڑھا شیر اپنے عہد شباب کو یاد کر کے کف افسوس
مل رہا ہے۔ جب اس کی رگوں میں خون زندگی رواں تھی۔
جب اس کی نگاہ برق پاش کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا
جب وہ اپنی ایک جست میں شکار کو دبوچ لیا کرتا تھا۔
اور اس کا فولادی پنجہ اپنے شکار کی گردن توڑ کر اس
کے چیتھڑے اڑا دیا کرتا تھا۔ جب اس کی شوکت و حشمت
کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور جب اس کی ایک چنگھاڑ پورے

> ہاں! وہ شیر نیستان اہلسنت تھا وہ میدان خطابت کا
> شہسوار تھا، وہ بولتا تھا تو مرد مجاہد کا گرم خون اسکی رگوں
> میں برق تپاں بن جایا کرتا تھا اس کے چہرے پر فاروقی
> عظمت و جلال کی لکیریں ہویدا ہو جاتی تھیں۔

جنگل کا سناٹا توڑ کر فلک پیما چوٹیوں سے ٹکرا جاتی تھی اور
وحوش وطیور اس کی ہیبت و دبدبہ سے سہم اٹھتے تھے۔

ع ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے

ہاں! وہ شیر نیستان اہلسنت تھا۔ وہ
میدان خطابت کا شہسوار تھا۔ وہ بولتا تھا تو مرد
مجاہد کا گرم خون اس کی رگوں میں برق تپاں بن جایا کرتا
تھا۔ اس کے چہرے پر فاروقی عظمت و جلال کی
لکیریں ہویدا ہو جاتی تھیں۔ اس کے ہاتھ ہوا میں اس
طرح لہراتے کہ ضرب یداللّٰہی کا نقشہ چشم تصور کے سامنے

> ★ مجھے یاد آتا ہے کہ گولہ بازار مبارکپور کے
> ایک جلسہ میں حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضرت
> نظامی صاحب کا پرجوش تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا۔
> "مولانا مشتاق احمد نظامی دور حاضر کے مولانا
> ہدایت رسول لکھنوی ہیں"۔

پھر جاتا۔ اور اس کے لہجے کی کاٹ ایسی تھی کہ ذوالفقار
حیدری کا گمان ہونے لگتا۔

ع دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

پاسبان ملت: وہ زبان کے ساتھ ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے۔ انہیں
خطابت کے ساتھ صحافت کا بھی کا اعلیٰ ذوق تھا۔ جس کا
مظاہرہ انہوں نے پاسبان الہ آباد کے ذریعہ کیا اور
ہفت روزہ "تاجدار" بمبئی کو بھی وسیلہ بنایا
اور ان دونوں جریدوں کے بانی بھی تھے۔ اور مدیر اعلیٰ
بھی۔ اسی لئے انہیں پاسبان ملت کہا جاتا ہے اور تاجدار
ملت بھی۔ انہوں نے عصری تقاضوں کو لبیک کہا اور بالغ
نظری کا ثبوت بھی دیا۔ ماہنامہ "پاسبان" کے شذرات
آج بھی ہماری اجتماعی زندگی کے گراں قدر نایاب متاع
ہیں۔ آپ کی بیش قیمت تحریروں کو یکجا کر کے شائع کر دیا

جائے تو آج کی نئی نسل بھی اس سے مستفیض ہو سکتی
ہے۔ اور ان تحریروں کے آئینے میں اپنے ماضی کا مطالعہ
کر سکتی ہے۔ ہند کے راجہ، شیش محل، نسیم رحمت، فردوس
ادب، اور گمی ایک کتابیں آپ کی شہرت اور مقبولیت میں
چار چاند لگا چکی ہیں۔ ماہنامہ "پاسبان" کا مجدد اعظم نمبر
اور عقائد اہلسنت نمبر ہماری سنی لائبریریوں کی زینت ہیں
اور انہیں از سر نو شائع کیا جائے تو ان کی افادیت اور
بڑھ جائے۔ آخری عمر میں "تذکرہ" کے نام سے اپنی یادداشتوں
کا مجموعہ مرتب کر رہے تھے معلوم نہیں اس کی تکمیل ہوئی یا
نہیں۔

مذہبی تنظیموں اور تحریکوں کے ذریعہ بھی آپ نے
قوم وملت کی پاسبانی کے فرائض انجام دیئے۔ مجاہد

> ادب وصحافت کی دنیا کا بلند پایہ ادیب وصحافی آج
> ہمارے درمیان موجود نہیں اور ہم اس کی علمی ودینی اور اخلاقی
> خوبیوں کو یاد کرکے خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ اور ہماری
> نگاہیں انھیں ڈھونڈ رہی ہیں۔

ملت علیہ الرحمہ کی آل انڈیا تبلیغ سیرت کی ترویج واشاعت
میں آپ نے حصہ لیا۔ آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کو آپ نے تقویت
پہنچائی۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے
آپ نے خدمت دین متین کا پرچم بلند کیا۔ اور کچھ دن تک
اس کی صدارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ سنی تبلیغی
جماعت کے نام سے آپ نے اصلاحی تحریک چلائی۔ جس کے
اثرات باسنی ضلع ناگپور اور بھیونڈی وغیرہ میں آج بھی
نمایاں ہیں۔

بانی دار العلوم غریب نواز:۔ بنیادی طور پر آپ کا ذہن
تعمیری تھا۔ اور آپ مثبت فکر کے حامل تھے۔ آپ نے
بارہا اعلان کیا اور اپنی خصوصی نشستوں میں اس کا ذکر
کیا کہ میں ایک جدید اسلامی درسگاہ کی شکل میں اپنے
دار العلوم غریب نواز کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس ادارے
کے آپ ہی بانی تھے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی
اجمیری سے عشق وعقیدت کی بناء پر غریب نواز نام کا ایک
جز بنا دیا۔

آپ کی خواہش وکوشش تھی کہ دار العلوم غریب نواز کو
قدیم وجدید نظام تعلیم کا ایک خوبصورت سنگم بنایا جائے اور
یہاں سے جامع اور ہمہ گیر صلاحیت کے علماء پیدا کئے جائیں۔

خون کے آنسو:۔ افسوس کہ اپنے اساتذہ کا یہ منظور نظر، طبقہ علماء
کا ممتاز ترین عالم، میدان خطابت کا گرجتا شیر، سلسلہ
دعوت وتبلیغ کا مخلص داعی ادب وصحافت کی دنیا کا
بلند پایہ ادیب وصحافی آج ہمارے درمیان موجود نہیں اور ہم
اس کی علمی ودینی اور اخلاقی خوبیوں کو یاد کرکے خون کے آنسو
رو رہے ہیں۔ اور ہماری نگاہیں انہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔ جو
اپنے رب کی ردائے رحمت ومغفرت میں لپٹا ہوا ہم سے
بہت دور جا چکا ہے۔

شاید وہ اپنی دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ
ہمیں دیکھ رہا ہے اور زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ

ے

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

پاسبان ملت

سدا بہار شخصیت

★ مولانا مجاہد حسین مصباحی، ایم اے

فن خطابت کا تاجدار جو ایک طویل عرصہ تک ہندوستان کے مذہبی افق پر آفتاب بن کر چمکتا رہا جس نے اپنی تقریروں کے ذریعہ عشق رسول کی دولت تقسیم کی ہو۔ ہوا کے دوش پر محبت مصطفےٰ کا چراغ جلایا اور نہ معلوم کتنے دلوں کی تاریکیاں اجالوں میں تبدیل ہو گئیں۔

جماعت کے وہ عظیم الشان مناظر جس کے گھن گرج سے باطل کے ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے دلائل کے انبار سے مقابل کی کمر ختم ہو گئی اور "جاء الحق وزھق الباطل،، کا نمونہ دیکھنے کو ملا۔

جماعت کا وہ صاحب طرز قلمکار جس نے اپنی تحریروں سے وفاداری کا لباس پہنے ہوئے دین کے غداروں کو ایسا بے نقاب کیا کہ ان کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہہ گئے ۔ قہر آسمانی کی بجلی ٹوٹ پڑی ۔ باطل کا شیش محل ،، چکنا چور ہو گیا راز ہائے سربستہ منکشف ہوئے ۔ اور ان ،، انکشافات،، سے پتہ چلا کہ مجرم کون ہے؟

اپنے نبی کا ایسا عاشق کہ بھری محفل میں نبی زادے کا قدم چوم لے نہ اپنی عظمت کا خیال اور نہ اپنی شہرت کا ۔ نہ حسن خطابت کا زعم ہو نہ طرز تحریر کا ۔ اس لئے کہ عشق نہ تو زمانہ دیکھتا ہے اور نہ زمانہ کی سنتا ہے ۔ اس کے سامنے تو بس محبوب کا رخ روشن ہوتا ہے اس کے اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزیں ۔ اس کی طویل ترین زندگی میں نہ جانے کتنی بار حالات بدلے حالات کے تقاضے بدلے ۔ تقریروں کا مزاج بدلا، قلم کا تیور بدلا۔ مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا ۔ ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہوا ۔ اس نے ہر حال میں عشق رسول کا درس دیا ۔ محبت کی بات کی ۔ اور قوم کے ہر دکھ درد کا مداوا عشق رسول قرار دیا ۔ اور بتایا کہ حالات کیا؟ تسخیر کائنات کا واحد ذریعہ محبت رسول ہے ۔

خوش مزاجی کا مجسمہ، حسن اخلاق کا پیکر، جو ان سے ایک بار ملا زندگی بھر ان کا خطبہ پڑھتا رہا ۔ شہرت و مقبولیت کی چوٹی سر کر لینے کے باوجود اتنا منکسر المزاج کہ بتانا نہ پڑے کہ شاخ ثمردار کسے کہتے ہیں ۔

سنی سنائی بات نہیں مشاہدہ ہے ۔ آج تقریباً پانچ سال سے راقم الحروف دارالعلوم غریب نواز میں تدریسی خدمات

انجام دے رہا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہر مدرس کے کمرہ میں خود تشریف لے جاتے ہر ایک سے دریافت کرتے، کوئی ضرورت نہیں! کوئی تکلیف۔ کوئی استاد سفر سے واپس آتا تو فرماتے آج آرام کیجئے۔ سفر کی تکان ختم ہو جائے تب پڑھایئے گا۔ انہوں نے ہر مدرس کو اپنا رفیق کار سمجھا۔ جب بھی اپنے تقریری دورے سے واپس ہوئے اساتذہ کو ضرور یاد کیا۔ اور موسم کے مطابق کبھی امرود سے، کبھی خربوزے سے، اور کبھی آم سے اور کبھی پھولوں سے ضرور ضیافت کی۔ کھانے کی کم البتہ کھلانے کی فکر ہمیشہ رہی۔

آج سے پچیس سال پہلے جس نے دین کی ٹھوس تعلیم کیلئے الہ آباد کی دھرتی پر دارالعلوم غریب نواز کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر و ترقی کیلئے اپنا خون جگر پیش کیا دیکھتے دیکھتے یہ ادارہ ملک گیر شہرت کا حامل ہو گیا اور آج اس کا شمار ہندوستان کے چند گنے چنے مدارس میں ہے۔

یہاں کے فارغ التحصیل سیکڑوں علماء ملک کے اطراف و جوانب میں دین متین کی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

کلمہ اور نماز کا پیارا نام لے کر ایمان و عقیدہ پر شبخون مارنے والوں کی ٹولیاں حشرات الارض کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے اکابرین نے اپنی روشن تحریروں کے ذریعہ بے ایمانوں کے فریب کا پردہ بہت پہلے چاک کیا ہے مگر جماعت میں تنہا شخصیت پاسبانِ ملت کی ہے۔ جس نے "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے" کے اصول پر ایمان و عقیدہ کے تحفظ کیلئے آل انڈیا تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ اس کا دائرہ کار اگرچہ پورے ملک میں وسیع نہ ہو سکا تاہم کچھ اصولوں میں خصوصاً راجستھان اور مہاراشٹر میں یہ تنظیم نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے اسلام کے عائلی نظام کو عام مسلمانوں کی زندگی تک رائج کرنے کیلئے طلاق، نکاح، فسخ اوقاف اور وراثت جیسے مسائل کے حل کیلئے بمبئی میں ادارہ شرعیہ مہاراشٹر و گجرات قائم کیا۔ آج جس سے ہزاروں مسلمان فیضیاب ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک طویل سلسلہ ہے مدارس اور تنظیموں کا جن کا وجود حضرت ہی کا مرہون منت ہے۔

آج جب ہمارے درمیان سے ایسا ہمہ گیر شخص چلا گیا تو کہنا پڑتا ہے کہ جانے والا اکیلا نہیں گیا۔ بلکہ اپنے ساتھ ساتھ بلند بانگ خطیب کو، ایک عظیم قلم کار کو، ایک زبردست مناظر کو، ایک محبوب رہنما کو، ایک بے مثال مفکر کو، ایک حسن اخلاق کے پیکر کو لیتا گیا ہے جب تک رہا اپنے جلو میں ایک انجمن لئے رہا۔ اور جب گیا تو وہ انجمن بھی چلی گئی۔

میرے معبود! ہمارے اس محبوب رہنما کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما۔ (آمین)

اپنے نبی کا ایسا عاشق کہ بھری محفل میں نبی زادے کا قدم چوم لے نہ اپنی عظمت کا خیال اور نہ اپنی شہرت کا، نہ حسن خطابت کا زعم ہو نہ طرز تحریر کا۔ اس لیے کہ عشق نہ تو زمانہ دیکھتا ہے اور نہ زمانے کی سنتا ہے۔ اس کے سامنے تو بس محبوب کا رشتہ روشن ہوتا ہے اس کے اوصاف حمیدہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزیں۔ اس کی طویل ترین زندگی میں نجانے کتنی بار حالات بدلے، حالات کے تقاضے بدلے، تقریروں کا مزاج بدلا، قلم کا تیور بدلا، مگر وہ اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوا۔ اس نے ہر حال میں عشق رسول کا درس دیا۔ محبت کی بات کی۔ اور قوم کے ہر دکھ درد کا مداوا عشق رسول قرار دیا۔ اور بتایا کہ حالات کیے ہی، تسخیر کائنات کا واحد ذریعہ محبت رسول ہے



پاسبانِ ملت اور ان کا اخلاق کریمانہ

از۔ مفتی مرغوب حسن قادری اعظمی

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ خانی
روتی ہے گلے مل کے سحر شمع سحر سے

خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی فی زمانہ ارباب اہلسنت وجماعت کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جنھیں زمانہ ایک مدت مدیدہ کے بعد دیکھتا ہے آج آپ کے وصال کو ڈیڑھ سال کا زمانہ گزر رہا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے گویا آج بھی وہ شمع محفل کی حیثیت سے جگمگا رہے ہیں اور کچھ ہی لمحہ بعد ہماری محفل میں آکر بیٹھ جائیں گے یادِ رفتگاں کی روشنی میں آپ کی زندگی کے بیشمار نقوش ہیں۔ جنھیں اکٹھا کیا جائے تو مستقل ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے سردست فخر ملت حضرت سید ولی الدین رضوی ایڈیٹر نورِ مصطفےٰ کو ہم مبارکباد دیں گے جنھوں نے ایک عظیم محسن سنیت کا نمبر نکال کر مستقبل کی نوجوان نسلوں کے لیے داروئے شفا تجویز کیا ہے ویسے نورِ مصطفےٰ کبھی کبھی نظر سے گذرتا رہا مگر پاسبان نمبر کے اعلان سے بے پناہ مسرت ہوئی۔ حضرت علامہ نظامی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کے عظیم پیکر تھے جہاں اپنوں کے لیے ریشم سے زیادہ نرم بڑوں کی بارگاہ میں سراپا ادب و نیاز وہیں دشمنان خدا و رسول اور کسی بھی بدمذہب کے لیے تلوار سے زیادہ سخت مذہب وملت کی بقا کے لیے کبھی بھی کسی نرم پالیسی کو انھوں نے برداشت نہیں کیا۔ دنیا جو کچھ بھی کہتی رہی مگر وہ ایک سچے الست تھے جو اللہ ورسول جل جلالہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی روشنی میں اسلاف کرام کی صاف وشفاف پالیسی کے راح اور اس پر کاربند رہے زیر نظر گفتگو میں ہم اس موضوع پر روشنی ڈالیں گے کہ ان کا اخلاق اپنوں اور غیروں کے ساتھ کیا تھا بڑوں کا احترام چھوٹوں پر شفقت از راہ سنیت بدمذہبوں کی مذمت وحقارت از راہ بدمذہبیت ؎

دشمنوں میں بن کے چمکا ذوالفقار حیدری
اور جب اپنوں میں پہنچا پیار کی شبنم ہوا

پہلی ملاقات

فخر ملت وصحافت نازش بزم خطابت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کو میں اس وقت سے بخوبی جانتا ہوں جبکہ آج سے کم وبیش تیس سال بیشتر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کانفرنس دہلی کے سلسلے میں ملک کے طول وعرض کا دورہ کرتے ہوئے ادری ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے تھے آپ کے ہمراہ ایک دوسرے صاحب بھی تھے جامع مسجد ادری میں استاذ گرامی وعم محترم حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی نے تقریر کا پروگرام بنایا جلی حرفوں میں دو تین پوسٹر لکھا علامہ نظامی کی تقریر! پھر کیا تھا دوسرے روز آپ تشریف لائے قرب و جوار کے لوگوں کا ایک اژدہام تھا جو جامع مسجد کو پُر کر کے باہر تک بکھرا ہوا تھا. شعلہ بار تقریر ہوئی نعرۂ تکبیر ورسالت سے پنڈال گونج رہا تھا پھر تو اس کے بعد مبارک پور، گھوسی، بہار صوبائی سنی کانفرنس، مجالس محرم بمبئی، کرناٹک اور ملک کے مختلف حصوں میں سننے اور بعض دفعہ سنانے کا بھی اتفاق ہوا۔

آپ کے اخلاق میں خورد نوازی ایک اہم جز تھا جس کا احساس ہر چھوٹے کو ہوگا جسے ان کی صحبت ملی ہو۔ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اخلاق کا مظاہرہ :- آج تو اخلاق کا عجیب مفہوم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بس خندہ پیشانی سے مل کر ماشاء اللہ، سبحان اللہ کہہ لو بلکہ بعض دفعہ مسکہ پالش کر کے خوش کر دو مخاطب سمجھ جائے کہ بڑا عمدہ آدمی ہے حالانکہ بقول شمس العلماء حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ جعفری جونپوری اخلاق کی صحیح تعریف یہ ہے کہ انسان کو اس کے سامنے اس کی اچھائی اور خامیوں کو بیان کر دو تاکہ مخاطب مغالطہ میں نہ رہے۔ حضرت سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشان حالی و درماندگی

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سفر میں یا کہیں اسٹیشن پر یا کسی اجلاس میں ملنے پر بعض لوگ مجسم اخلاق بن جاتے ہیں۔ ارے صاحب کیا پوچھنا آپ یہ ہیں وہ ہیں چنیں وچناں مگر جب اچانک ان کے مکان پر پہنچ جائیے یا انھیں کے زیر اثر اگر ان کے ادارے میں پہنچ جائیے اور وہ محسوس کرلیں کہ اب مستقل میرے یہاں رہنا ہے تو پھر ساری جولانیت رفتہ رفتہ ماند پڑجاتی ہے۔ مگر قربان جائیے علامہ نظامی صاحب قبلہ کے اخلاق پر وہ جیسے باہر ملتے تھے اسی طرح اپنے گھر اور اپنے ادارہ دار العلوم غریب نواز میں بھی ملتے تھے مدرسین و طلبہ پر ویسی ہی شفقت مراتب کے لحاظ سے ویسے ہی ان سے گفت و شنید، اسی طرح کا ایک واقعہ اپنی ذات سے وابستہ ہے جسکو میں تادم حیات فراموش نہیں کرسکتا ہے۔

دار العلوم غریب نواز :- حضرت علامہ نظامی صاحب کا رقعہ ملا کہ بمبئی سے واپس ہوتے ہوئے الہ آباد آئیں، میں پہنچا اور دار العلوم غریب نواز میں درس و تدریس کی اور کچھ پاسبان کے کام کے لیئے تقرری ہوگئی ایک ہفتہ الہ آباد رہ کر وطن اوری پہنچا تاکہ دوسرے اہم سامان بستر وغیرہ لیکر الہ آباد آجاؤں۔ تین روز کے بعد رات کے گیارہ بجے الہ آباد پہنچا تو معلوم ہوا کہ آج حضرت نظامی صاحب کے دولتکدہ پر مدرسین کی دعوت تھی حضرت آپ کو پوچھ رہے تھے میں نے کہا اب صبح ملاقات کروں گا۔ صبح کے وقت ساڑھے سات بجے مقررہ درسگاہ کی تیاری کر رہا تھا کہ باہر سے دیکھا حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ ساتھ میں ایک طالب علم ہے جو توشہ دان لیے ہوئے ہے حضرت آکر دوسری منزل پر میرے کمرے کے سامنے کھڑے ہوئے سلام و مصافحہ کے بعد فرمایا رات غریب خانے پر مدرسین کو بلایا کھانے کے وقت پتہ چلا کہ آپ ابھی تشریف نہیں لائے ہیں یہ ناشتہ آپ کے لیے لایا ہوں چلئے میرے کمرے میں چنانچہ حضرت کا مخصوص روم پہلی منزل ہی میں دو زینوں کے وسط میں پڑتا تھا دسترخوان بچھوایا ناشتہ کرایا چائے پی گئی کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر فرمایا اچھا اب چلتا ہوں کمرہ آپ کا ہے یہ مخصوص کتابیں ہیں ان کا مطالعہ کیجئے پھر آرام کیجئے کل سے پڑھائیں گے جب نکلیں گے تو چابی کا خیال رہے اہل دیابنہ کی نایاب کتابیں ہیں چنانچہ اسی وقت تھانوی کی کتاب نشر الطیب کا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا اس کے بعد حضرت نظامی صاحب قبلہ اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ آپ کے اس اخلاق کا مجھ پر بے حد اثر ہوا۔

مگر قسمت کی بدنصیبی کہ الہ آباد کا آب و دانہ راس نہیں آیا کچھ ہی مہینوں کے بعد گھر کی کچھ الجھنیں اور دوسری رکاوٹوں نے الہ آباد غریب نواز چھوڑنے پر مجبور کر دیا گھر ایک ہی ہفتہ رہا کہ حضرت علامہ الحاج ارشد القادری صاحب قبلہ فاتح جمشید پور کے اصرار پر کلکتہ پہنچا پھر وہاں سے راورکیلا مدرسہ مفتاح العلوم میں جانا ہوا۔ چلتے وقت حضرت علامہ نظامی صاحب قبلہ سے ملاقات نہ ہوسکی تھی ایک سال کے بعد جمشید پور مدرسہ فیض العلوم کے زیر اہتمام جلسہ جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جبکہ حضرت نظامی صاحب قبلہ

مدعو تھے ناچیز بھی تھا فیض العلوم کے کمرے میں دوران قیام نظامی صاحب سے مفصل گفتگو ہوئی۔ اطمینان پانے کے بعد فرمایا آپ نے الہ آباد چھوڑ دیا اگر میں رہا ہوتا تو آپ کو آنے نہ دیتا خیر آب ودانہ کی بات تھی دوسرے روز حضرت کی خواہش پر ان کے ہمراہ ایک دوسرے جلسے میں بھی جانا ہوا پھر تو اس کے بعد سندر گڑھ۔ راج گانگپور اور متعدد جگہوں پر ساتھ رہا اسی طرح کرناٹک شیموگہ کے دوران قیام رانی بنور، داونگیرہ، ہبلی اور متعدد جگہوں پر ساتھ رہا جو لوگ آپ کے ساتھ رہے انھوں نے سفر کا لطف بھی اٹھایا ہوگا۔ اسٹیشنوں پر یا ٹرین میں کوئی چیز بکنے کو آئی تو موسم کے لحاظ سے خرید لیے ہیں ساتھ رہنے والے بھی کھا رہے ہیں مگر پیسے اپنی جیب سے دے رہے ہیں۔

راورکیلا سے دھام نگر :۔ ایسے ہی میری زندگی کا ایک روح پرور سفر وہ رہا جو راورکیلا کے دوران قیام دھام نگر عرس مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان میں جاتے ہوئے پیش آیا۔ عرس کی شرکت اچانک ہوئی اس وجہ سے ریزرویشن نہ ہوسکا خیال ہوا کہ کسی بھی ڈبے میں بیٹھ جاؤ آگے چل کر کسی ٹی ٹی سے رابطہ پیدا ہو جائیگا چار بجے شام کا وقت تھا چھٹی ہو چکی تھی لہذا کئی بچے اسٹیشن پر پہنچانے آگئے مجھے خبر بھی نہیں تھی کہ کون کون حضرات ٹرین میں ہیں۔ اتفاق کہ جگہ مل گئی اور اطمینان سے سیٹ پر بیٹھ گیا کہ آگے جیسا ہوگا۔ کئی بچوں کو پلیٹ فارم پر دیکھکر حضرت نظامی صاحب نے بچوں سے پوچھا بالو کیا بات ہے کیسے پہنچانے آئے تھے ایک بچے نے کہا کہ ہاں حضرت (میرا نام لیکر) دھام نگر شریف جا رہے ہیں آپ نے اس بچے سے غالباً حافظ محمد گلریز تھے اور حضرت نظامی صاحب سے ناواقف تھے فرمایا جاؤ حضرت سے کہنا کہ الہ آباد کا مشتاق اس ڈبے میں ہے سامان لیکر آجائیں حافظ گلریز نے کہا حضرت الہ آباد کے کوئی مولانا مشتاق صاحب ہیں وہ آپ کو یاد کر رہے ہیں سامان لیکر اس ڈبے میں چلا جائے اچانک سن کر خوشی بھی ہوئی اور اطمینان بھی ڈبے میں پہنچا تو عجیب منظر تھے۔ ایک طرف حضرت مولانا مفتی عبد الحلیم صاحب ناگپوری اور مفتی عبد القدیر صاحب ناگپوری ہیں تو دوسری جانب حضرت علامہ نظامی صاحب کے ہمراہ مولانا محمد مسلم، ڈاکٹر حسن رضا پٹنہ اور مولانا محمد کمال صاحب ہیں۔ ملاقات کے بعد سیٹ کے ریزرویشن کی بات آئی علامہ نظامی صاحب اور مولانا حسن رضا نے فرمایا کوئی بات نہیں سب ہو جائیگا چنانچہ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر سارے مرحلے طے ہو گئے پھر کیا تھا رات میں کھانا درمیان میں کیلے کھانے کے ساتھ دہی پھر چلائے لیکن ہم پانچ آدمی جو حضرت نظامی صاحب کی کھیپ میں تھے ان سب کے پیسے علامہ نظامی صاحب نے دیئے حسن رضا خاں کیلے کھا رہے ہیں۔ اور اشارتاً ہنس رہے ہیں فرماتے ہیں کھاؤ کہاں روز روز نصیب ہوتا ہے دھام نگر تشریف پہنچتے ہی پتہ چلا کہ کل سے حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی بھی تشریف فرما ہیں مفتی عبد الحلیم و مفتی عبد القدیر صاحبان کے علاوہ ہم لوگ ایک ہی کمرے میں رہے مجاہد ملت سے متعلق بہت سی باتیں اور دوسرے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی ہم لوگ مستفیض ہوتے رہے۔ چونکہ مجاہد ملت کا عرس تھا جو زندگی میں سب سے زیادہ آپ سے قریب تھے نیز مشفق و مربی کے لحاظ سے بہت سے احسانات تھے جس کا اظہار نہ کرنا کفران نعمت کے مترادف پھر وصال سے دو سال کے بعد بولنے کا موقع ملا تھا لہذا جم کر بولے بجلی کی کڑک اور بادل کی گھن گرج کا منظر تھا ایسی تقریر بہت دنوں کے بعد سننے میں آئی تھی۔

بڑوں کی بارگاہ میں سراپا نیاز یہ تو تھے چھوٹوں پر شفقت واکرام مگر بڑوں کی بارگاہ میں جب تشریف فرما ہوتے تو دوزانوں بیٹھتے کچھ جگہ چھوڑ کر لوگوں سے سنتا تھا مگر اس کا عینی مشاہدہ مناظرہ بجر ڈیہہ میں کیا جو اہلسنت وجماعت وغیر مقلدین کے درمیان ہوا تھا اور جس کے صدر سنیوں کی جانب سے حضور مجاہد ملت تھے جب بھی قیام گاہ پر یا محفل میں حضور مجاہد ملت تشریف فرما ہوتے فوراً دوزانوں ہو جاتے اور خاموشی سے حضرت کی نصیحتوں کو سماعت فرماتے اور جی، ہاں سے تائید فرماتے۔ بھنگواں کے مناظرے کے بعد حضرت کا پروگرام ادری ضلع اعظم گڑھ میں تھا مگر استاذ گرامی بحر العلوم

حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ مدظلہ العالی رقمطراز ہیں اور ادری کے جلسے میں بھی فرمایا کہ نہ پوچھئے علامہ نظامی کی سعادت مندی حضور مجاہد ملت کی بارگاہ میں کہ میلوں کا سفر پیدل طے کرکے ہم لوگ بس پکڑنے کیلئے روڈ پر پہنچے برسات کا موسم جگہ جگہ کیچڑ اور پانی مگر ایک فرستادہ سے خبر ملی کہ حضور مجاہد ملت فرمارہے ہیں کہ واپس آجائیں یہاں آپ کی ضرورت ہے تو آپ نے مجھے ادری بھیجدیا اور فوراً ہی الٹے پاؤں سکروری کے لیے واپس ہوگئے ؎ خدا کرے تو سودا دے کسی کی زلف پیچاں کا، ادری کے جلسے کے لیے راقم الحروف اور مفتی مجیب الاسلام صاحب نے خود بلیا پہنچکر جلسے کی تاریخ لی تھی جسمیں شریک ہونا بھی بہت ضروری تھا مگر مجاہد ملت کی فرمانبرداری سب پہ مقدم تھی۔ یونہی ایک دفعہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے دفتر میں بھی دیکھتے ہیں آیا وہ میٹنگ صدارت سے متعلق تھی کہ جمعیۃ العلماء کے صدر اعلیٰ کی حیثیت سے حضور سید العلماء کے بعد اب کون ہو۔ نبیرہ اعلیٰ حضرت استاذ گرامی حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری بھی تشریف فرماتھے گوکہ آپ کے ہمعصر تھے بلکہ عمر میں علامہ نظامی صاحب سے چھوٹے تھے مگر سرکار اعلیٰ حضرت سے نسبت و اہل خاندان ہونے کی وجہ سے دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ راجستھان کے ایک مولانا صاحب نے تیز آواز میں کچھ گستاخی بھی کی مگر آپ نرم انداز میں بات کرتے رہے۔ یونہی مرشد برحق سرکار مفتی اعظم ہند اور استاذ گرامی حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان کا بھی غایت درجہ احترام فرماتے تھے مبارک پور ایک میٹنگ میں تشریف لائے کچھ باتیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا یہاں کسی کا جھنڈا نہیں گڑے گا یہاں جھنڈا گڑے گا تو معمار ملت حضور حافظ ملت کا جنھوں نے اپنی چالیس سالہ جانفشانیوں کے نتیجے میں قوم کو الجامعۃ الاشرفیہ جیسی درسگاہ دی ہے۔ صفحات کی قلت مانع ہے ورنہ بہت سی ایسے واقعات ہیں۔

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

محبت ہو تو اللہ کیلئے دشمنی کسی سے ہو تو اللہ کے لئے۔ یہ تو ان حالات کا اجمالی خاکہ تھا جو اپنوں سے منسلک تھا مگر آپ کی نگاہ میں حدیث مذکورہ گویا ہمیشہ گردش کرتے رہتے تھے کسی سے محبت و دشمنی اگر ہو تو کیوں ہو اگر وہ اللہ ورسول کا ہے تو یقیناً اپنا ہے اگر ذرہ برابر بھی رسول گرامی کی جانب سے دل میں کجی ہے تو وہ اپنا نہیں اگر اس کی روشنی میں آپ کی حیات کا جائزہ لیا جائے تو پھر صفحات کے صفحات تنگی داماں کی شکایت کرنے لگیں سفر سے لیکر حضر تک پوری زندگی اسی محور پر گردش کرتی رہی کہ جو مصطفیٰ کا ہے وہ اپنا ہے جو ان کا نہیں وہ اپنا کہلاتے ہوئے بھی اپنا نہیں ؎

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامان محمد ﷺ

آپ کی ایک صاف ستھری پالیسی تھی چنانچہ اس کی وضاحت وہ نام لے لے کر فرماتے ہیں اس زمانے میں اکابر علماء مثلاً امام اہلسنت فاضل بریلوی۔ شہزادہ اعلیحضرت حضور مفتی اعظم ہند، مناظر اعظم حضرت شیر بیشہ اہلسنت، استاذ العلماء حضرت حافظ ملت امام التارکین حضور مجاہد ملت۔ سیاح عالم مولانا عبدالحلیم میرٹھی۔ سلطان العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی۔ شمس العلماء قاضی شمس الدین مجاہد اعظم علامہ فضل حق خیرآبادی۔ تاج الفحول مولانا علامہ قادر بدایونی، مخدوم الملت محدث اعظم ہند، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی۔ حضرت محبوب ملت فخر اماثل اور سند المحدثین علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نظریات اور ان کے اصول قابل تقلید ہیں ان کے موقف سے ہٹ کر ہمارا کوئی موقف اور وزن نہیں ہم کہیں گے وہی جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے فرمایا جسکی نشاندہی حضرت شیر بیشہ اہلسنت نے فرمائی اور جن کی تائید و تصدیق حضور مجاہد ملت اور حضور حافظ ملت نے فرمائی۔ ان اکابر کے نقش قدم کو اپنانا ہی معیار سنیت کی دلیل تھی۔

اعتراف حقیقت

امام اہلسنت کے بعد مناظرے کے میدان میں حضرت شیر بیشہ اہلسنت کا نام نامی

جلی حرفوں میں نظر آتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مناظرہ آپکی سرشت تھی مناظرہ
آپکی فطرت ثانیہ تھی بڑے بڑے دیوبند کے منظور نظران کی شیرانہ دھاڑ پر
سر پٹک چکے ہیں۔ حضرت پاسبان ملت اکثر جگہوں پر اور اکثر نشستوں
میں حضرت شیر بیشہ سنت کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے یہی وجہ
ہے کہ " مشاھدہ مولانا حشمت علی" المعروف سوانح شیر بیشہ سنت
مصنفہ اسد السنتہ محبوب ملت حضرت مولانا محبوب علی صاحب مفتی اعظم
بمبئی کے ابتدائیہ میں تذکرہ اہل وفا کا" کے تحت فرماتے ہیں بے نصیبی سے
ہم نے بریلی میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن ہم پڑھتے تھے الہ آباد میں پیتے تھے
بریلی میں شیر بیشہ سنت و حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں ہمارا یہ پینا ہی کام
آگیا۔ میں آج بطور فخریہ کہہ سکتا ہوں کہ میں رضوی مارہروی ہوں۔ رضوی
مارہروی رہوں گا اور رضوی مارہروی ہو کر مروں گا اللہ تعالیٰ بریلی کے آستانے
کو سلامت رکھے (آمین)

بدمذہبوں پر غلظت

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے (اعلیحضرت)

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں اب تک آپ الحب فی اللہ کا جلوہ دیکھ
رہے تھے جو اپنوں کے ساتھ علامہ نظامی کا طرۂ امتیاز رہا مگر والبغض فی اللہ
کی روشنی میں بدمذہب خصوصاً وہابیوں، دیوبندیوں، مرزائیوں، رافضیوں
مودودیوں اور تبلیغیوں کے حق میں وہ شمشیر براں نظر آتے تھے جس کی
دلیل آپ کی کتاب خون کے آنسوں، قہر آسمانی، جماعت اسلامی کا ششِ محل
و دیگر تصانیف ہیں نیز اسٹیج کے میدان میں پورے ملک کا طوفانی دورہ
ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال بجرڈیہہ کا مناظرہ بھی ہے وہابی مناظرے
اپنے صدر کا نام بدل کر دوسرے فرد کو صدر کی حیثیت سے پیش کیا تو
حضور مجاہد ملت نے فرمایا میں بھی اپنی جگہ پر صدر مناظرہ کی حیثیت سے
مشتاق نظامی کو پیش کر رہا ہوں بس پھر کیا تھا صدر کی حیثیت سے
ہمارا گرجتا ہوا شیر مائک پر کھڑا ہوتا ہے مقابل میں وہابی صدر بھی مائک
پر کھڑا ہوا مگر علامہ نظامی کی گھن گرج آواز اور گرفت نے میدان مناظرہ
میں سناٹا طاری کر دیا صدر مناظرہ وہابیہ مبہوت ہو کر منہ تاک رہا تھا اور علامہ
نظامی کی صدائے حق نگر مہا پالیکا کے ہال میں گونج رہی تھی بالآخر وہابی صدر
کو خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی اور وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر للکارنے کے بعد
آپ بیٹھے تو سبحان اللہ سبحان اللہ اور مجاہد ملت و اکابر علماء کے دعائیہ کلمات
سے آپ کا چہرہ کھل رہا تھا فرمایا الحمد للہ اب دل کی بھڑاس نکلی ہے کب سے
لاوا پھوٹ رہا تھا کہ کب بولنے کا موقع ملتا ہے اب اطمینان نصیب ہوا۔
تقریر میں غضب کی روانی تھی ایک مرتبہ مبارکپور گولہ بازار میں تقریر ہو رہی تھی
انداز بیان تھا کہ گنگا کی لہریں جو مد و جزر کی صورت اختیار کر رہی تھی ہماری
ادری کے کئی حضرات نے ایک دیوبندی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر ہم لوگوں میں
میں ایسا مقرر ہوتا تو ہم لوگ سونے سے تول دیتے۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے
مناظرانہ گرفت کا ایک منظر پیش کر رہا ہوں تفصیل کے لیے آپ کی مایہ ناز
کتاب خون کے آنسو جلد اول صفحہ ۲۰۸ کا مطالعہ کریں۔ یوں تو بہت
سے مناظروں میں آپ نے شرکت فرمائی۔ کہیں بحیثیت مناظر کہیں بحیثیت
معین المناظر مثلاً جھریا دھنباد، بجرڈیہہ، فیض آباد گجرات اور بھیونڈی
وغیرہ مگر سلطان پور کا ایک مناظرہ جو آپ کی ذات سے مخصوص ہے اور
دلچسپ بھی، کہتے ہیں کہ تقریباً ۱۹۵۵ء میں آپ شہر سلطان پور یوپی تشریف
لے گئے ان دنوں ایک دیوبندی عالم مولوی یونس خالدی بھی مولوی
عبدالباری دیوبندی کی دعوت پر سلطان پور میں براجمان تھا چنانچہ مولوی
یونس خالدی نے حضرت نظامی صاحب کو چیلنج مناظرہ دیدیا۔ اور تقریباً
تین دنوں تک تحریری مناظرہ ہوتا رہا ایک دفعہ مولوی یونس نے نظامی صاحب
سے دریافت کیا کہ آپ بحیثیت مسلم گفتگو کریں گے یا بحیثیت غیر مسلم؟ اس
کے اس جملے پر علامہ نظامی صاحب نے حسب ذیل سوالات کیے۔
سوالات بھی پڑھیں اور علامہ نظامی صاحب کی معقولی صلاحیت کا بھی
اندازہ لگائیں۔

(۱) اسلام و ایمان کا فرق؟

(۲) ایمان کے بسیط و مرکب ہونے میں محدثین کے اختلاف کی وضاحت

اور قول راجح کی تعیین ؟

(۳) نحوی اصول سے غیر کے وجود اعراب ؟

(۴) منطقی بنیاد پر حیثیت کے جملہ اقسام مع امثلہ

(۵) (الف) اسلام و ایمان دو مفہوم کلی ہیں یا جزئی اگر جزئی ہیں ۔

(ب) تو نسبت اربعہ (تساوی، تباین عام خاص مطلق عام خاص من وجہ) میں سے کونسی نسبت ہے؟ اور اگر دو مفہوم جزئی ہیں (ج) تو جزئی حقیقی ہیں یا اضافی ؟ (د) اور جزئی حقیقی و اضافی کا مقسم کیا ہے ؟ غرضیکہ اس جملے کے ہر ہر ٹکڑے پر آپ نے سوالات قائم کیئے اور اخیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ جواب دیکر دو سو روپے نقد حاصل کیجئے ۔ یہ دیکھتے ہی لکھنوی صاحب کے منہ میں پانی آگیا اور ۹ر جون عبد اللہ گنج کا میدان مناظرہ کے لئے متعین ہوگیا اہلسنت کے اسٹیج پر علامہ نظامی کے علاوہ ان کے استاذ شمس العلماء مولانا نظام الدین صاحب بلیاوی، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب اور اجمل سلطان پوری وغیرہم بھی تھے ۔ نظامی صاحب خود فرماتے ہیں اس مناظرے

> ہو پاسبان ملت کی صدائے حق نگر مہلا الیکا کے ہال میں گونج رہی تھی بالآخر وہابی صدر کو خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی اور وہ بیٹھ گیا کچھ دیر للکارنے کے بعد آپ بیٹھے تو سبحان اللہ اور مجاہد ملت و اکابر علماء کے دعائیہ کلمات سے آپ کا چہرہ کھل رہا تھا ۔

میں مولوی یونس کا حال بالکل ایسا ہی تھا کہ السلام علیکم جواب بیگن توڑ رہا ہوں ۔ میں دریافت کرتا تھا کہ اسلام و ایمان میں کونسی نسبت ہے تو آنجناب کبھی تو یہ فرماتے کہ نسبت کی تعریف صغریٰ و کبریٰ میں موجود ہے اور جب زیادہ وحشت ہوتی تو بحرانی کیفیت میں فرماتے نظامی صاحب میں آپ کو جانتا ہوں کہ آپ جمعیۃ العلماء کے کٹر دشمن ہیں ۔ چند ہی نسبت کے بعد کلام اور دوسرے پڑھے لکھے حضرات یہ کہہ کر جانے لگے کہ دیوبندیوں نے کس جاہل کو لاکر کھڑا کر دیا ہے جو اپنے مخاطب کی بات بھی نہیں سمجھ پاتا اور لوہر دکن کے حاجی محمد حنیف صاحب وغیرہ یہ کہہ کر مخاطب کرتے کہ مولانا دو سو روپے کاٹ رہے ہیں جواب کیوں نہیں دیتے جواب دے کر دو سو روپے وصول کر لیجئے مگر خالد صاحب تو اس امید پر آئیں بائیں کر رہے تھے کہ اس طرح وقت کٹتا رہے جب تک یہ امید تھی کہ ابھی فیض آباد کی ٹرین سے مولوی عبد الشکور یا اور کوئی آجائیگا تب تک یہ حال رہا مگر جب معلوم ہوا کہ ٹرین آکر گذر گئی اور کوئی نہیں آیا تو سارے ارمانوں پر اوس پڑ گئی مولوی خالد کی کا سانس پھولنے لگا زبان پر لکنت آگئی اور بدقت تمام لوگوں نے بازو پکڑ کر کرسی سے اتارا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لقوی یا فالج کا اثر ہو گیا ہو اپنے مناظر کی یہ کیفیت دیکھ کر وہابیوں کا سرغنہ وکیل معشوق علی تھانے پہنچا اور فورس لاکر مناظرے کی کارروائی درہم برہم کرادی ۔ مختصر یہ کہ پوری زندگی مسلک اہلسنت و جماعت و حمایت تعلیمات اعلیحضرت میں گذری ڈیڑھ سال پیشتر محرم کے موقع پر بمبئی ہاسپٹل میں تھے وہاں جاکر میں نے ملاقات کی کچھ باتیں بھی ہوئیں پھر دوسرے روز آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شہید اعظم کانفرنس وکرولی میں ہوئی اس میں لوگ سہارا دیکر حضرت کو لائے چند کلمات ارشاد ہوئے اہلسنت کی ترجمانی کرتے ہوئے شفیق جونپوری کا آخری شعر سنایا کہ ؎

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

اس کے بعد قیام گاہ پر آئے وہی آخری ملاقات تھی پھر وہاں کے بعد جو خاموش ہوئے ہیں تو گیارہویں کی نسبت سے ۱۸ ربیع الآخر کو غوث کا نعرہ لگاتے ہوئے سب سے رخصت ہوگئے ؎

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور



از ــــ محمد حلیم حاذق رضوی ــــ پیل خانہ۔ ہوڑہ ــــ

انسان کی فطرت ہمیشہ اپنے محسنوں کو یاد کرتی رہی ہے کیونکہ یہی شرافت واخلاق کا بنیادی تقاضہ رہا ہے دنیا میں بے شمار یادگاریں اسی یادگار کے سبب قائم ہوئی ہیں۔ تاریخ انسانیت میں ایسی بے شمار شخصیتوں کے چہرے نظر آتے ہیں جنھوں نے دنیا کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دیا ہے تو دنیا نے انھیں یاد کر کے اپنی وفا شعاری کا ثبوت دیا۔ کیونکہ احسان فراموشی اور محسن کشی دنیا کے کسی مذہب تہذیب کے نزدیک سب سے بڑا اخلاقی جرم ہے دنیا نے ان محسنوں کی یاد مختلف طور طریقے سے منایا۔ اور تاریخ میں ان کے حیات وخدمات کو محفوظ کر دیا۔

جب دنیا کا یہ حال ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین نے محسنوں کے تعلق سے کیا نظام فکر وعمل پیش کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ایک حدیثِ پاک سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے محسنوں کا شکر گذار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گذار نہیں ہوسکتا۔" اس فرمان مقدس سے محسنوں کی عظمت اور محسن نوازی کی اہمیت کا تصوّر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر قرآن عظیم کا ایمان افروز مطالعہ کریں تو اس میں تو بے شمار محسن صادق کا نورانی قافلہ نظر آئے گا بلکہ ان کی یادگاریں نظامِ عبادت بن کر محسنوں کی یاد تازہ کرتی ہوئی معلوم دیں گی۔ ان یادوں کے تصوّر میں یہ نقطہ پوشیدہ ہے کہ انسان اپنے محسن کو کسی صورت فراموش نہ کرے۔

جب یہ تصور ذہن وفکر کے دروازے پہ دستک دیتا ہے تو عصرِ حاضر کے ایک عظیم محسن کی یاد بے چین کر دیتی ہے اور ان کی قائم کی ہوئی یادگاریں نظروں کے سامنے آجاتی ہیں۔ اگر اس ذاتِ محترم کے تعلق سے

> ★ پاسبانِ ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی شخصیت کا نام نہیں بلکہ مسلکِ اہلسنت کی بے باک ترجمان اور مذہب عشق و محبت کی جانباز پاسبان کا نام ہے تو قطعی بے جا نہ ہوگا ــــ

یہ کہوں کہ پاسبانِ ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کسی شخصیت کا نام نہیں بلکہ مسلکِ اہلِ سنت کی بے باک ترجمان اور مذہب عشق و محبت کی جانباز پاسبان کا نام ہے تو قطعی بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ علامہ نظامی کی دینی وملی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اگر ایک مستقل ادارہ

برسوں انکی خدماتِ جلیلہ پر کام کرے پھر بھی تشنگی کا احساس باقی رہے گا
کیونکہ جس ذات کی ہمہ گیریت خون کے آنسو (اوّل و دوئم) دیوبند کا نیا
دین، شیش محل، ــــــــــــ انکشافات، قہرِ
آسمانی، ہند کے راجہ، دیندار کے بے نقاب چہرے، مجرم کون،
پاسبان کا مجدد نمبر، عقائد نمبر، کربلا کا مسافر اور ماہنامہ پاسبان کے
برسوں کے شذرات، مختلف کتابوں پر دیباچہ و تبصرہ تک بکھری ہوئی ہو
اور جس کی علمی و عملی قیادت کی یادگار سنی تبلیغی جماعت اور مدرسہ غریب نواز
کی تعمیر و تشکیل ہو۔ اس کے علاوہ چالیس پچاس سال تک بزم رسالت
کی خطابت اور بے دینوں سے مناظرے و مباحثے میں زندگی گذری ہو
اس ذات کو فراموش کر دینا مجرم زمانہ ہی کا وطیرہ ہو سکتا ہے۔ مگر دینِ حق
کے پاسداروں کا شیوہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت خطیبِ مشرق علیہ الرحمہ سے میری فکری و قلبی وابستگی
ان کی تحریروں اور تقریروں سے اس وقت ہوئی جب میں طالب علم تھا۔ ان
سے پہلی ملاقات حضور مجاہد ملت علیہ رحمہ کے ساتھ ہوئی۔ جب حضرت
برسوں کے بعد فیل خانہ ہوڑہ تشریف لائے تھے۔ لیکن یہ پہلی ملاقات
بھی عجیب تھی۔ میں ان کی دو چار کتابیں اور پاسبان کے چند شمارے
پڑھ چکا تھا۔ لیکن ان کی تقریر سننے کا پہلا موقع تھا۔ میں اپنے بزرگوں سے
سن رکھا تھا کہ علامہ نظامی کا عالمانہ لب و لہجہ اس قدر گہرائی و گیرائی رکھتا
ہے کہ ان کا مسلکی دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے وہ اختلافی
مسائل پر اس قدر دلائل و براہین کے ساتھ تقریر فرماتے ہیں کہ ایوان باطل
میں ضلالت پرست صرف کسمسا کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ ۱۹۶۹ء میں
فیلخانہ ہوڑہ کے کربلا میدان میں حضرت نے جوہر خطابت دکھایا تھا۔
واقعہ یوں ہے کہ دو دن کی عظیم کانفرنس ہوئی تھی جس کی صدارت
حضور مجاہد ملت علیہ رحمہ نے فرمائی تھی۔ لیکن ان کی تشریف آوری سے
پہلے دیوبندیوں نے یہ ماحول پیدا کر دیا تھا کہ اگر اختلافی مسائل پر تقریر
ہوئی تو خون خرابہ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ لہذا علاقہ کے چند لوگوں نے حضور
مجاہد ملت علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ حضور اختلافی مسائل پر تقریر نہ ہو
ورنہ فساد ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا جو باتیں قرآن و حدیث اور
اسلاف کرام سے ثابت ہیں وہی باتیں بیان کی جائیں گی۔ ہم فساد نہیں
دینی اتحاد کے لیے آئے ہیں۔ حضرت مجاہد ملت علیہ رحمہ کی اس گفتگو سے
لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے۔ بعد نمازِ عشاء جلسہ کا آغاز ہوا۔ دیگر مقررین نے
اپنی شعلہ نوائی سے مسلک اعلیٰ حضرت کو پیش کیا۔ اب باری پاسبان ملت
علیہ رحمہ کی تھی کہ ایک بچہ پاسبان ملت کے قریب پہنچا اور آپ کے دست مبارک
میں ایک پرچہ دیدیا۔ جس میں چند سوالات تحریر تھے۔ آپ نے نہایت
خاموشی کے ساتھ صدر جلسہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں
پیش کیا اور بڑے ادب سے فرمایا حضور مارشل لا ختم ہو گیا۔ اس کے بعد
وہ تقریر فرمائی جو اہل ہوڑہ و کلکتہ کے لیے ایک یادگار تقریر بن کر رہ گئی
حضرت پاسبان ملت کی تقریر کا ایسا خوشگوار اثر مرتب ہوا کہ دیوبندیوں
کو منہ کی کھانی پڑی۔ ان کے سادہ لوح عوام دوسرے دن ان ہی کے
خلاف نعرے لگائے اور بہت سے لوگ توبہ کر کے حضور مجاہد ملت علیہ رحمہ
کے دست حق پرست پر بیعت کیا۔

پاسبانِ ملت کے شہ پارے

سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ خداداد صلاحیتوں کی ایسی
منفرد المثال تھے جس نے ان کے اور ان کے معاصرین کے درمیان
خط امتیاز کھینچ دیا تھا یہی علل و اسباب تھے جس کی بنیاد پر یورپ
افریقہ، ایشیا ہر ایک ملک سے بریلی دار الافتاء میں استفتا آتے
اور سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیک وقت مرجع
خلائق بن کر سبھی کے جوابات ارسال فرماتے۔

یہ میری پہلی ملاقات کا پیش خیمہ تھا اس کے بعد تو کئی ملاقاتیں ہوئیں لیکن ان میں دو ایسی یادگار ملاقاتیں ہیں جسے شاید میں کبھی بھلا نہیں سکتا۔ حضرت سے ایک یادگار ملاقات عرس مجاہد ملت علیہ رحمہ میں ہوئی اتفاق سے جہاں آپ کا قیام تھا وہیں راقم الحروف بھی تھا۔ حضرت سے گھنٹوں گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے کلکتہ و ہوڑہ کے مذہبی و ملی مسائل کے پیش نظر

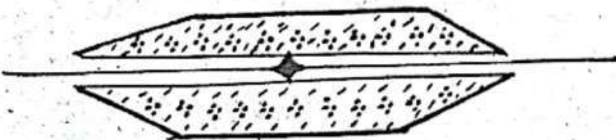
میں جب بھی حضرت سے ملا انھیں اسلاف کرام کی اخلاقی قدروں کا نمائندہ ہی پایا آج کی مصلحت کیش اور خود پرست دور میں اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے مگر کتنی بامعنی اور باعظمت تھی وہ شخصیت جو ہمیشہ گلزار ہستی میں ننھے ننھے شگوفوں کی پرورش اپنے خون جگر سے کرتی رہی۔

سنی تبلیغی جماعت کی ایک شاخ قائم کرنے کی درخواست کی تو حضرت نے نہایت محبت سے فرمایا۔" اگر نوجوانوں کا ایک مضبوط دستہ اس ناتواں کا دست و بازو ہو جائے تو ہر قدم پر ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ آپ کوشش کریں جہاں میری ضرورت محسوس کریں رابطہ کرلیں"۔ دھام نگر سے حضرت شیب پور ہوڑہ حجن باجی کے یہاں تشریف لائے جہاں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا اس جلسے کی صدارت حضرت نے فرمائی اور نقابت خاکسار نے کی تھی۔ میں نے حضرت کو دعوت سخن پیش کرنے کیلئے جو جملے استعمال کئے تھے وہ آج بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ "اب ہم اس ذات گرامی کی خطابت سماعت کریں گے جنھیں خطیب مشرق اور پاسبان ملت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جنھیں حضور مجاہد ملت کے خوابوں کی تعبیر کہئے۔ جن کی تقریر و تحریر ہمیشہ پاسبانی دین و ملت کرتی رہی اور باطل عقاید و نظریات کے شیش محل کو چکنا چور کر کے انھیں خون کے آنسو رونے پر مجبور کرتی رہی ہے۔" ان جملوں پر حضرت نے زیر لب تبسم فرمایا اور میری بے پناہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

اس کے بعد جو ملاقات ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۸ء ۱۲ ربیع الاول شریف کو شب ۸½ بجے حضرت کے دولت کدے میں ہوئی وہی آخری ملاقات بدنصیبی سے ثابت ہوئی۔ اس ملاقات کی جو دائمی کسک میرے دل میں ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ دراصل میں ایک جلسۂ پاک میں شرکت کی غرض سے الہ آباد میمھن پور روانہ ہوا تھا مگر ٹرین کوئی ۷ گھنٹے تاخیر سے پہنچی تھی۔ میں مایوسی کے عالم میں حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوا کہ شاید کوئی صورت نکل جائے۔ حضرت اپنی دہلیز میں چند لوگوں سے محو گفتگو تھے جوں ہی نظر پڑی بے ساختہ فرمایا۔" تشریف لائیے۔ شاید آپ کی ٹرین لیٹ سے پہنچی ہے۔ میں نے روداد سفر عرض کیا فرمایا" اماں سفر کیا چیز ہے مجھ مسافر سے کوئی پوچھے سارا وجود بکھر جاتا ہے"۔ اسی درمیان حضرت نے مولانا انوار احمد نظامی صاحب سے فرمایا فوراً کسی بچے کو آواز دیں اگر ان کا جلسہ چھوٹ گیا تو اتنی مصیبتوں سے حاصل کیا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کوئی بس نہیں ہے تو کار ہی کرلیں۔ اس کے بعد حضرت کے حکم پر ہاتھ منہ دھلا اور شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

گو کہ حضرت فالج کے زبردست دباؤ میں تھے مگر کچھ اس انداز سے محو کلام تھے کہ میں احساس تک نہ کرسکا کہ ان کی طبیعت ناساز ہے۔ حضرت اپنے چھوٹوں کو جسطرح نوازتے تھے اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہوگا جو ان کی خدمت میں رہا ہے۔ میں جب بھی حضرت سے ملا انھیں اسلاف کرام کی اخلاقی قدروں کا نمائندہ ہی پایا آج کی مصلحت کیش اور خود پرست دور میں اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے مگر کتنی بامعنی اور باعظمت تھی وہ شخصیت جو ہمیشہ گلزار ہستی میں ننھے ننھے شگوفوں کی پرورش اپنے خون جگر سے کرتی رہی۔

اللہ انھیں کروٹ کروٹ خلد بریں کی بہاروں سے ہمکنار کرے۔ آمین۔



پیامِ ملت

ایک پیکرِ عزیمت

از:۔ پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق

کسے کہ حسنِ رخِ دوست در نظر دارد
بہ پیشِ اہلِ نظر حاصل از بصر دارد (حضرت حافظ)

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خیرِ امت کے لقب سے نوازا اس لئے کہ وہ نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں اور برائیوں سے بچنے کی ہدایت گویا ایک مسلمان کی شناخت یہی ٹھہری کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ہو اور اس کی تبلیغ کرے۔

عصرِ حاضر میں سوادِ اعظم یعنی اہل سنت والجماعت کے اساتین تبلیغ واشاعت پر نظر ڈالی جائے تو پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی قدس سرہ العزیز کی ذات ستودہ صفات بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ شخص جس نے اپنی زندگی مستعار دین متین کی خدمت اور امتِ مسلمہ کے خیر و فلاح کے لیے وقف کردی ہو، پھر اس کے صدق جذبات واخلاص فی الدین پر نظر ڈالے تو بےمثال نظر آتا ہے۔ علامہ نظامی ایک عالم باعمل تھے۔ آپ جہاں آسمانِ خطابت پر مہرِ عالمتاب کی طرح چمکے وہیں دنیائے صحافت میں اپنے قلم معجز رقم کا لوہا منوادیا۔ مناظرے کے اسٹیج پر آئے تو اپنی ذہانت و فطانت اور تبحر علمی سے معاندین و منافقین دین متین کے چھکے چھڑا دیے۔

علامۂ مغفور کو ابنائے ملت کی علمی زبوں حالی کا نہایت رنج و ملال تھا۔ آپ نے پوری توجہ خلوص کے ساتھ سرزمین الہ آباد پر دارالعلوم غریب نواز کی شاندار بنیاد ڈالی اور روز و شب کی مسلسل تگ و دو سے اسے ترقی کی معراج عطا کی، یہاں تک کہ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کو اپنے موسس و بانی کی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ رحمتِ حق تا ابد اس کی نگہبانی کرے۔

ماہنامہ پاسبان الہ آباد علامہ نظامی کے عزائم کا نقیب تھا اور علم وفضل کا آئینہ، پاسبان کی دینی وملی خدمات تاریخ اسلام کا ایک زریں باب تو ہے ہی اردو زبان وعلم وادب کی ترویج ومعیار کا ایک روشن نشان بھی۔

اپنی مشغول ترین مسافرانہ زندگی میں موصوف کو تصنیف و تالیف کا وہ موقع نہ ملا جو ملت کے دیگر "قطب از جانمی جنید" جیسی بزرگ شخصیتوں کو حاصل رہا تاہم حضرت مغفور نے "خون کے آنسو" ہر دو جلد، شیش محل، ہند کے راجہ، قہر آسمانی، انکشافات اور دیوبندیوں کا نیا دین جیسی معرکۃ الآرا کتابیں لکھ کر بدعقیدگی و منافقت دینی کا قلعہ قمع کر دیا ہے ان علمی شہ پاروں میں علامہ نے جو داد تحقیق دی ہے وہ انھیں کا حصہ تھا۔

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

پاسبان ملت ایک شعلہ بیان وسحر اللسان خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقریر دلپذیر شعر وادب کی چاشنی سے لبریز اور جادو اثر ہوا کرتی تھی۔ حافظہ غضب کا تھا، اشعار برمحل کا استعمال دوران تقریر و تحریر گویا ان پر ختم ہوا۔ شعریت وادبیت ان کے زبان و قلم کی اسیر تھی۔ تحریر کا عالم یہ ہے کہ موثر و دلنشیں پیرایۂ بیان کو برجستہ اشعار کے حوالوں سے دو آتشہ کر دیتے ہیں۔ کوثر و سلسبیل میں ڈھلی پاکیزہ زبان میں منتخب اشعار کی سجاوٹ جیسے حریر و پرنیاں میں سلمیٰ ستارے ٹنکے ہوں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"علمائے دیوبند کی تقریر و تحریر کا کوئی آئین وضابطہ بھی ہے ... ایک مورخ بھی ان کی آزاد روش پر خون کے آنسو روتا ہوگا۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکاریں چلاؤں ہائے دل"

(خون کے آنسو جلد اول صفحہ ۲۱)

"اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ وہ فضل حق جو ... جزیرہ انڈمان کی زہر آلود فضاؤں میں ... اپنے نام کو زندگی جاوید دے گیا وہ انگریزوں کا پٹھو تھا یا سید صاحب و مولوی اسمٰعیل صاحب جو انگریزوں کے ہاتھ حلوہ پر اٹھا اڑا رہے تھے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے" (خون کے آنسو جلد اول صفحہ ۳۱)

پاسبان ملت کے شہ پارے

فقیہ دوراں حضرت مولانا محمد امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی مفسر قرآن ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب فاضل بہاری شارح بخاری مخدوم ملت حضرت محدث اعظم ہند، شہید عشق سیاح عالم حضرت مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی مہاجر مدنی، شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولینا محمد حشمت علیخاں صاحب مناظر اعظم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین و جملہ اکابر ملت و اکابر اہلسنت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ــــ خوان کرم کے پروردہ تھے جن کے علمی فضل و کمال سے دنیائے علم وادب اچھی طرح واقف ہے۔

"اسمٰعیل تحریک کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
تحریر سے دیکھا تو عمامے کے سوا ہیچ"

(خون کے آنسو جلد اول صفحہ ۴۴)

مجھے حضرت پاسبان ملت سے ملنے اور انھیں قریب سے دیکھنے کے کئی مواقع نصیب ہوئے۔ کربلا باغ کالونی الہ آباد کے سالانہ جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان کی خطابت سے مستفیض ہوا اور ان کے حضور تقریر کرنے کی سعادت، ان کے دعائیہ کلمات اور حوصلہ افزائی بھی حاصل ہوئی۔ اس مجمع محاسن شخصیت کا کمال یہ تھا کہ وہ مجھ جیسے چھوٹوں کو بھی بڑی فیاضی سے نوازتے۔ ان کے مزاج کا انکسار، خلوص و محبت، شفقت وعنایت، شگفتگی وشائستگی، نفاست ولطافت ایک ساتھ ایک شخصیت میں شاید ہی دیکھنے کو ملے۔ ایک جلسے کی

شرکت کے لیے الہ آباد میں حاضر تھا، حضرت مولانا ہاشمی میاں صاحب کچھوچھوی بھی تشریف فرما تھے، علامہ نظامی نے ہمیں اپنے مدرسہ دار العلوم غریب نواز میں مدعو فرمایا نہایت اعزاز و اکرام و اخلاق فرمایا۔ اور اپنے عزیز طلبا سے خطاب کا حکم فرمایا۔ اس کمترین کو فضیلت علم پر بیان کرنے کے لیے کہا اور میں نے تعمیل ارشاد کو اپنا سرمایہ اخروی جانا۔ ان کا اخلاق کریمانہ دلوں کو مسخر کرتا تھا۔ عالمانہ گفتگو، مشفقانہ لب و لہجہ کشف صدور کا سبب بنتا۔

حضرت مرحوم و مغفور کے ایام علالت میں بھی عیادۃً حاضری کا موقع ملا۔ معذور ہو چکے تھے مگر چہرے پر وہی طمانیت و انبساط ایمانی اور وہی تبسم نورانی۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

میرے ابی و شیخی حضرت علامہ شاہ قائم صاحب چشتی نظامی قتیل دانا پوری قدس سرہ العزیز سے پاسبان ملت کو بڑا قلبی لگاؤ اور دیرینہ عقیدت تھی اس جہت سے بھی وہ مجھے بیحد عزیز رکھتے اور بہت لطف و کرم فرماتے۔

اہل الہ آباد بڑے خوش نصیب تھے کہ انھوں نے دو معاصر نابغان باکمال و عالمانِ بے مثال یعنی پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی اور مجاہد ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمن حنفی قادری رحمہما اللہ تعالیٰ جیسی نادر روزگار عرفانی و روحانی شخصیتوں کا کم و بیش ایک زمانہ پایا، انھیں دیکھا سنا انکی خدمت کا شرف حاصل کیا اور فیضیاب ہوتے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را



بقیہ: پاسبان ملت کی زندگی کے گرد و پیش ......

صرف نہیں کرتے — انھوں نے اپنی تقریر کو مذہب اہل سنت کی ترویج و اشاعت کا ذریعہ بنایا تھا۔ جس میں انھیں ہمیشہ کامیابی ملی —

وفات

دین و ملت کا یہ پاسبان ایک زمانہ تک قوم و ملت کی خدمات انجام دیتا رہا۔ پھر ۱۹۹۱ء کو اس نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں — ہم سب کے لئے وہ وقت کتنا جانگسل اور جانکاہ تھا۔ جب آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے ۱۴۱۱ھ کو یہ خبر نشر کی تھی — کہ — پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی ایک طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے إنا لله وإنا إليه راجعون — سچ ہے — موت العالِم موت العالَم" — ایک عالم کی موت ایک جہاں کی موت ہے
اللہ عزوجل ان کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے (آمین)

تاریخ ساز شخصیت کا بقیہ ملاحظہ کریں

ڈھالنے والا پہلا عالم علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے۔ ماہنامہ پاسبان اور دیگر ان تالیفات و تصنیفات میں پھیلی ہوئی ہزاروں صفحات کی تحریریں اس بات کی گواہ ہیں کہ علم و ادب انکی تحریروں پر ناز کرے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی تنظیمی صلاحیتوں سے سرزمین ہند کو باغ و بہار بنانے والی عظیم جامع شخصیت کے چلے جانے پر مسلک اعلیحضرت کو جو نقصان ہوا ہے بظاہر اسکی تلافی ناممکن نظر آتی ہے ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را



علامہ نظامی

ایک منارۂ نور

از قلم ـــــــ محمد شہاب الدین رضوی، بہرائچی، بریلی شریف

حضور اکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العلماء ورثۃ الانبیاء" ـــ علماء نبیوں کے وارث ہیں، علمائے دین وارث علم رسول ہیں، وہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ میں اشاعت اسلام کے لیے انبیاء کے نائب ہیں، وہ اپنے مقام و رتبہ کے اعتبار سے بہترین خلائق کہلاتے ہیں، انھوں نے ـــــ سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و اشاعت سے کائنات ارضی پر بسنے والوں کے سینوں کو منور کرنے میں عمریں وقف کر دیں:

- ـــ وہ وحی الٰہی کے مقاصد کو لے کر اٹھے اور مشرق و مغرب پر چھا گئے۔
- ـــ وہ سنت رسول کو دامن دماغ میں سمیٹ کر بڑھے تو آسمانی وسعتوں پر حاوی ہو گئے۔
- ـــ وہ اصحاب صفہ تھے معلم اخلاق بنے۔
- ـــ وہ راوی حدیث تھے تو استاد جہاں کہلاتے۔
- ـــ وہ علم الٰہی کے چشمہ سے سیراب ہو کر صحرائے عرب سے نکلے تو غرناطہ اور اشبیلیہ کی یونیورسٹیوں کے بانی بنے۔
- ـــ وہ اپنے علم سے ایشیا و یورپ کی تاریکیوں کو علمی ضیاؤں سے چیرتے گئے۔
- ـــ وہ دولت علم کو کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ میں لیے پھرتے۔
- ـــ وہ بلا امتیاز مذہب و ملت انسانوں کی جھولیاں بھرتے گئے۔
- ـــ وہ اس سلسلے میں کبھی زادراہ کی جستجو کرتے نہ بحر و بر کی پہنائیوں سے شکستہ پا ہوتے۔
- ـــ وہ جہالت کے تاریک پردوں کو ہٹاتے گئے۔
- ـــ وہ ظلمات کو نور علم سے اڑاتے گئے۔

پاسبان ملت کے شہ پارے

اب تو صرف یہی آرزو ہے کہ جو میرے سر کا سودا ہے وہی دوسرے سروں میں آجائے اور ایمان و عقیدے کی جو امانت اپنے سینے میں ہے اسے قبول کرلینے کے لیے عوام اپنے دلوں کا دروازہ کھول دیں۔ بس تقریر و تحریر کا یہی مقصد ہے۔

آہ کاروانِ ملت کا پاسبان نہ رہا ـــ کتنی افسوسناک تھی وہ تاریخ جس میں ہمارا مناظر، ملّت کا پاسبان ہم سے رخصت ہوگیا۔ جس کے انتقال سے سنّیت کو ایسا دھچکا لگا ہے، وہ خلاء پیدا ہوا ہے جس کا پُر ہونا مشکل ہے۔

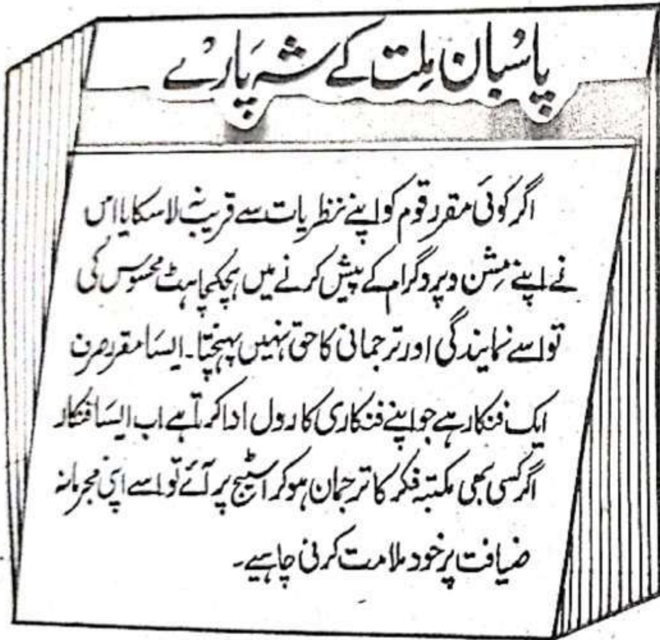
عصرِ حاضر میں پاسبانِ ملّت حضرت علاّمہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ کا وجود اہلِ اسلام کے لیے منبع برکت اور معدنِ فیوض تھا، سلف صالحین کی پاکیزہ یادا اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ تاجدارِ اہلِ سنت حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی تعلیمات کے بحر ذخائر تھے۔

جب علامہ مشتاق احمد نظامی کے انتقال کی خبر سنی تو جسم کے رونگٹے کانپ گئے، آہ ـــ یہ کیا ہوا۔ علامہ نظامی مجاہد اعظم تھے ـــ ملت کے پاسبان تھے، مسلک کے نگہبان تھے ـــ علامہ نظامی کہنہ مشق مدرس، کامیاب مقرر، مصنف و محقق اور بے بدل مناظر تھے، علامہ نظامی کے اندر متعدد خوبیاں پائی جاتی ہیں، فن خطابت کے شہسوار اور میدانِ صحافت کے تاجدار، رزمگاہ مناظرہ میں بادلوں کی گھن گرج اور بجلیوں کی تڑپ، متعدد مناظرے میں شرکت کی اور جس سے بھی پنجہ آزمائی کی اس کی کلائی توڑ دی اور خود مظفر و منصور ہوئے۔

علامہ مشتاق احمد نظامی کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم اور مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن قادری اڑیسوی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

آل انڈیا تبلیغ سیرت قائم ہوئی اور نظامی صاحب اس کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے تو اس کے لیے جو بے مثال قربانیاں پیش کیں وہ فراموش نہیں کی جاسکتیں، علامہ نظامی کو آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کے آرگنائزر سکریٹری اور آل انڈیا سنی جمیعۃ العلما کا جنرل سکریٹری بھی منتخب کیا گیا تھا۔ علامہ نظامی صاحب نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے نہایت خوش اسلوبی اور مستعدی سے نہ صرف سنبھالا بلکہ ناقابل فراموش قربانیاں بھی دیں۔

دارالعلوم غریب نواز الہ آباد آپ کی علمی یادگار ہے، بہت سے ادارے جو نصف صدی کی کوشش کے باوجود کچھ نہ کرسکے آپ نے قلیل مدت میں اس سے کہیں زیادہ کرکے دکھادیا، اس وقت رضا لائبریری، ادارہ تحقیقات اور دارالمصنفین کا باضابطہ قیام علامہ نظامی کی کوششوں کے اصل نشانے پر تھا ـــ مسلم پرسنل لار کانفرنس منعقدہ بمبئی و الہ آباد میں شرکت کے لیے جان توڑ کوشش کی گئی ہر چند کہ جزوی طور پر مقصدیت کا اشتراک ہے لیکن علامہ نظامی صاحب نے عملاً اشتراک و تعاون کو گوارہ نہ کیا تاکہ عوام کہیں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں اور اسلاف کی شیشہ پگھلاتی دیوار میں شگاف نہ آجائے ـــ یہ علامہ نظامی صاحب کی تحریکی زندگی تھی جس کو اجمالاً پیش کیا گیا، علامہ صاحب کی پوری حیات تحریک ہی تحریک تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ ایک پلیٹ فارم پر آجائے، وہ مسلمانوں کے قلوب میں ایک شمع جلانے کے لیے کوشاں تھے جو عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لَو تھی۔



- ـــ علامہ نظامی نے علمی شمعیں کیسے طوفانوں میں جلائیں۔
- ـــ کن مقاصد کو لے کر بحر ظلمات کو چیرتے گئے۔
- ـــ جہالت کے کن صحراؤں کے دامنوں کو علمی گل و گلزار سے بھر دیا۔
- ـــ علم و انصاف سے دلوں کے کن زنگ آلود گوشوں کو منور کیا۔
- ـــ عدل و انصاف سے کن سینوں کو صاف کرتے گئے۔
- ـــ اقوام عالم کے سامنے کس امتیازی شان سے علم کا نور بکھیرتے گئے۔

ان رازہائے سربستہ کا پتا علامہ نظامی کی شخصیت میں ملتا ہے ـــ انکی

ذات گرامی کا بخوبی مطالعہ کرنے کے بعد مذکورہ سوالات کے جوابات بحسن و خوبی حل ہو جایا کرتے ہیں ـــ علامہ کے انتقال سے ایک جہان خطابت سونا ہو گیا، بادلوں کی گھن گرج اور برق کی کڑک ختم ہو گئی، نظامی صاحب کے انتقال سے مندرجہ ذیل احادیث ذہن ودماغ پر گردش کرنے لگیں اور دماغ ہچکولے لینے لگا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات پر بڑا اظہار ملال فرمایا ہے کہ کائنات ارضی سے علم اور علمار کا خاتمہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اکثر احادیث میں ان خدشات کا اظہار کیا گیا ہے جس میں علماء کے اٹھ جانے پر اظہار افسوس ہے ـــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فتنے اٹھیں گے اور بہت زیادہ ہرج ہوگا۔ ہرج کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا! "قتل قتل اور پھر علم کا خاتمہ ہو جائے گا" ـــ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "علم اس طرح ختم نہیں ہوگا کہ سینوں سے نکل جائے گا بلکہ علمار ختم ہو جائیں گے" ـــ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ علم آدمیوں سے چھینا نہیں جائے گا لیکن علمار کے مٹنے سے مٹ جائے گا۔ عالموں کے خاتمہ پر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار اور پیشوا ماننا شروع کر دیتے ہیں، یہ لوگ علم کے بغیر فتویٰ دیتے ہیں، اپنی رائے سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ـــ حضرت حسن بصری عفی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "عالم کی موت سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے کہ گردش لیل ونہار بھی اسے پُر نہیں کر سکتی ـــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت کی وفات پر فرمایا" جس نے علم کا اٹھنا نہ دیکھا ہو وہ آج دیکھ لے"۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی نے ماہنامہ "پاسبان" (الہ آباد) کا کیا، کچھ دنوں کے لیے ماہنامہ پاسبان کا آفس بمبئی منتقل کر دیا گیا، عرصہ دراز تک ماہنامہ پاسبان سنیت کی زمین پر بادل بن کر چھایا رہا، جب تک علامہ نظامی صاحب کا قلمی تعاون "پاسبان" کو حاصل رہا اس کا ہر شمارہ علم وادب اور تاریخ کی دستاویز ہوتا، آپ کے قلم سے درجنوں کتابیں وجود میں آئیں

پاسبانِ ملت کے شہ پارے

ہم عشق ومحبت کے جس نشہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اس میں سرِ مو فرق نہیں آسکتا معاملہ ہمارا انہیں ہے، محبوب دو جہاں کا ہے جب تک دیوبندی مکتبۂ فکر تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، براہین قاطعہ جیسی گندہ اور توہین نبوت سے بھرپور کتابوں کی اشاعت کرتا ہے گا اس وقت تک ہماری زبان وقلم پر کوئی مہرہ نہیں بٹھا سکتا یہ ہمارا دستوری حق ہے اگر ایسا ہوا تو اس کے خلاف ہمیشہ صدائے احتجاج بلند ہوگی۔

خاص کر "خون کے آنسو" نے ایوان دیوبند میں زلزلہ پیدا کر دیا ـــ پہلی جلد جب حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ کی خدمت میں بطور تحفہ ونذر پیش کی گئی تو حضور آقائے نعمت مفتی اعظم نے پچیس ۲۵ روپئے بطور انعام عطا فرمائے اور استاذ زمن حضرت علامہ حسن رضا خاں حسن بریلوی کے شہزادہ گرامی استاذ العلمار مولانا حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے جب "خون کے آنسو" پہلی جلد کا مطالعہ کیا تو کتاب کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہوئے خط لکھا کہ دوسری جلد بھی بہت جلد لکھیں اس کا میں بہت بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں" (مفہوماً) ـــ
واہ رے ـــ علامہ نظامی کن کن عظیم المرتبت شخصیتوں نے آپ کے قلم کو سراہا اور مبارک بادی کے پیغامات دیئے ـــ پاسبان ملت کی تقریر سن کر ایک شیعہ عالم نے کہا تھا کہ "اگر مولانا ہم میں سے ہوتے تو ہم ان کو سونے سے تول دیتے"۔





قطعہ خیر مقدم

ناگپور میں خطیب مشرق کی آمد پر مولانا اعجاز کامٹوی نے ایک قطعہ فرمایا جسے ہم شریک اشاعت کر رہے ہیں

ہندوستاں میں جنکی خطابت کی دھوم ہے
وہ شہر ناگپور میں تشریف لائے ہیں
محفل تمام گوش برآواز کیوں نہ ہو
احمد کی مدح خوانی کو مشتاق آئے ہیں

نذر عقیدت — از — مولانا حامد القادری ویشالی

پاسبان ملت نے جو شمع جلائی ہے
اس کی ضو میں چلنا ہی اصل میں بھلائی ہے

سنیت کے غم میں جو خوں کے آنسو روتا تھا
وہ الہ آبادی تھا اس نے خلد پائی ہے

جو خطیب مشرق تھا جو بلیغ وافصح تھا
اسکی شیریں باتوں نے دھوم کیا مچائی ہے

اس نے کب دکھایا تھا آئینہ حقائق کا
آج تک وہابیت نجدیت لجائی ہے

طیبہ ہو کے جاتی ہے بالیقیں جو جنت کو
پاسبان ملت نے راہ وہ دکھائی ہے

اس کے خون دل کا بھی اسمیں خاص حصہ ہے
باغ سنیت میں جو اک بہار آئی ہے

حامد اپنی پلکوں پہ تارے جھلملاتے ہیں
پاسبان ملت کی یاد جب بھی آئی ہے

پاسبانِ ملت اپنی ذات میں ایک انجمن

مولانا فیضان احمد رضوی پوکھریری
سیوان

خطیبِ مشرق، پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی کا اسم گرامی مشتاق احمد

مگر خطیب مشرق، پاسبانِ ملت، شہنشاہِ خطابت اور مناظر اہلسنت جیسے محترم و محتشم القاب و آداب سے موسوم و مشہور ہوئے۔

۱۵/ اگست ۱۹۲۲ء کو اپنے آبائی وطن موضع سرائے غنی، تحصیل پھولپور ضلع الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ حسبِ دستور بزرگاں ۴ یا ۵ برس کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ ناظرہ قرآنِ حکیم اور اردو کی ابتدائی کتابیں ختم ہوئیں۔ فارسی و عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ پھر شہر الٰہ آباد کی قدیم ترین مرکزی درسگاہ مدرسہ سبحانیہ میں داخل ہوئے۔ جہاں جلیل القدر علماء و مشائخ سے درس نظامیہ و علوم باطنہ کی تکمیل کی اور ۴۷/۱۹ء میں سندِ دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

پاسبان ملت کے مخصوص اساتذہ

(۱) سلطان التارکین سراج السالکین مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب عباسی قادری علیہ الرحمۃ رئیس اعظم اڑیسہ۔ (۲) شیخ العلماء حضرت علامہ شاہ محمد عبد القدوس علیہ الرحمۃ کٹک اڑیسہ۔ (۳) شمس العلماء، امام المعقولات حضرت علامہ شاہ مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ مدظلہ العالی الہ آبادی وغیرہم۔

پاسبان ملت اپنے جملہ اساتذۂ کرام، مشائخ طریقت اور بزرگانِ دین سے بڑی عقیدت والفت رکھتے لیکن اپنے عظیم محسن و مربی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سے غایت درجہ اظہارِ عقیدت و محبت فرماتے۔ اور وارفتگی میں خود کو اسیر حبیب، اور خاکپائے حبیب کہنا اور لکھنا سرمایۂ زندگی تصور کرتے۔

خلافت و اجازت

دوسرے بزرگوں کے علاوہ تاجدارِ اہلسنت، آقائے نعمت۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ مصطفٰے رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے حاصل تھی۔

شاگرد کی کہانی استاد کی زبانی

شمس العلماء حضرت مفتی نظام الدین صاحب قبلہ الٰہ آبادی دنیائے سنیت کے بلند پایہ عالم دین ہیں اور فن معقولات میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ملک کی متعدد مرکزی دینی درسگاہوں کے

علاوہ الہ آباد کالج میں بھی پروفیسری کی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی صوبہ بہار کے قدیم ترین ادارہ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل پر فائز ہیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے فارغ اور حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے تلمیذ ارشد اور فیضیافتہ ہیں۔ مجاہد ملت نے مدرسہ سبحانیہ میں مدتوں تعلیم دی اور اپنے چہیتے شاگردِ مفتی صاحب کو سند فضیلت دیکر مدرسہ سبحانیہ میں مدرس بحال کر لیا۔ پھر استاذ و شاگرد دونوں نے مل کر علم و فضل کے سینکڑوں لعل و گہر پیدا کئے۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی نگاہِ کیمیا اثر کا فیضان مفتی صاحب پر اس طرح جاری و ساری ہوا کہ وہ ملک کے مقتدر علمارِ دین میں شمار ہونے لگے اور فی زمانہ تو جواب ہی نہیں رکھتے۔ حضور مجاہد ملت نے اپنے سعادتمند شاگرد سے متعلق تحدیثِ نعمت کے طور پر جو تاثر پیش کیا ہے وہ صرف سننے ہی نہیں بلکہ دل میں بھی جگہ دینے کے قابل ہے۔ "کل قیامت کے دن ربّ قدیر نے اگر مجھ سے پوچھا کہ حبیب الرحمٰن! ساتھ کیا لائے ہو تو کہدوں گا کہ مولا! نظام الدین لایا ہوں"۔ یہ کسی معمولی انسان کی زبان نہیں بلکہ ایک عارف باللہ اور محتاط عالم دین کی زبان ہے۔ مجاہد ملت کے اس فرمان سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی شان اور عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خطیبِ مشرق، پاسبانِ ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے مدرسہ سبحانیہ میں مذکورہ دونوں اہم شخصیتوں سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور ان دونوں حضرات سے کافی عقیدت رکھی۔ خاکپائے حبیب؛ اسیرِ حبیب کہنا اور خود کو مفتی نظام الدین صاحب کا خادم و شاگرد، لفظ نظامی لکھ کر اور بولکر ظاہر کرنا یہ اسی عقیدت کی جلوہ سامانی تھی، مفتی صاحب قبلہ نظامی صاحب کے دورِ طالبعلمی کا ذکر کرتے ہیں "جن ایام میں علامہ نظامی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں زیر تعلیم تھے اور جس جماعت میں تھے اس میں بہت ذہین و ذکی طلبہ تھے مگر نظامی اپنی مثال آپ تھے۔ فنِ معقولات درسِ نظامیہ میں ایک اہم اور ادق فن ہے جس کے تصور سے بڑے بڑے کہنہ اور تجربہ کار مدرسین کے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے لیکن قدرت نے نظامی کو ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی کہ اہم سے اہم مسائل کو بآسانی ذہن میں مستحضر کر لیتے اور درسگاہ میں بتائے ہوئے اصول کے مطابق من و عن سنا دیتے، اور یہی حال دوسرے جملہ فنون کا تھا۔ سبحان اللہ۔ جس کے فضل و کمال کا خطبہ خود استاذ و مربی پڑھ رہے ہوں اس کے مقام و منصب کا کیا کہنا۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

بعدِ فراغت ۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد علامہ نظامی نے الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ مصباح العلوم جامعہ حبیب الہ آباد اور جامعہ فاروقیہ بنارس میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔ خالق کائنات نے علامہ کو جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارتِ تامہ مرحمت فرمائی تھی وہیں ان کو خطابت و صحافت کا بے نظیر ملکہ بھی عطا فرمایا تھا زبان و ادب پر کامل عبور، علم و عرفان سے مملو گفتگو، مالوس الاستعمال الفاظ، صاف و شستہ اور جنچے تلے جملے، قرآنی آیات اور احادیث کریمہ سے مستدل و مستند واقعات و حکایات، مافی الضمیر کے اظہار و افہام کا حسین و دلکش انداز، شریعتِ مطہرہ کی مکمل احتیاط اور رونقِ محفل ہوتے ہی مجمع کو مسحور و مسخر

پاسبان ملت کے شہ پارے

میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام اور سائنس یا اسلام کا نظام مملکت جیسے مضامین پر تیاری نہ کی جائے بلکہ جماعت میں ایسے بھی افراد ہوں جو جنرل مضامین پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوں مگر ان مضامین کو ثانوی مرتبہ دینا چاہئیے۔ اس وقت ملک کی شر انگیز و فتنہ پرور جماعت ہم سے برسر پیکار ہے عوام کو قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے مشن سے قریب کرنا یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پھر یہ تو سوچئے ہمیں لینن اور ڈراون سے مطلب ہے یا شفیع محشر و ساقی کوثر سے۔

کرلینا علامہ کی خطابت کے خاص اوصاف تھے۔ خطابت کی انھیں گوناں گوں خصوصیات کے سبب علامہ اپنی مختصر سی مدت میں پورے ملک میں چھا گئے۔ اور اس طرح کہ جو اُن کو ایکبار سُن لیتا زندگی بھر مشتاق رہتا۔ قوم مسلم اور عوام سے قطع نظر، علمارِ عصر نے ان کو ہاتھوں پر رکھا، سینوں سے لگایا۔ اور ہر محاذ پر علامہ نظامی کو آگے بڑھایا۔ اور وہ زمانہ بھی کفر و الحاد اور بدعقیدگی کی تحریکات کا تھا۔ حضور محدثِ اعظم ہند، حضور مفتئ اعظم ہند، حضور مجاہد ملت، حضور سید العلماء آل مصطفےٰ مارہروی، صدر العلماء جیلانی میرٹھی، حافظ ملت، شمس العلماء قاضی شمس الدین جونپوری، مفتئ اعظم کانپور رفاقت حسین علیہم الرحمۃ والرضوان جیسی عبقری شخصیتوں نے علامہ سے تبلیغ وارشاد، ادارت ومناظرہ، اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ فروغ دین اور اشاعتِ سنیت کے لئے مسلسل اصرار کیا۔ تعمیل حکم ضروری تھی، اسلئے درس وتدریس کیجانب سے توجہ ہٹاکر اپنا پورا وقت انھیں کاموں میں صرف کیا۔

صوبۂ بہار کے پورنیہ اور کٹیہار کی سرزمین آپ کے تبلیغی کارنامے کی زندۂ جاوید یادگار ہے۔ ان مقامات میں گمراہ فرقوں کی تحریکیں زوروں پہ تھیں۔ سیدھے سادے مسلمانوں کے عقیدۂ وایمان کو خراب کرنے کی تدبیریں کیجارہی تھیں۔ وہاں پہنچکر علامہ نے سنیت کی جو خدمات انجام دیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ وہاں جاجاکر تبلیغی اور اصلاحی جلسے کرواتے، ضرورت پڑتی تو جلسہ گاہ کے لئے خود بھی زمین ہموار کرتے، شامیانے اور پنڈال کے بانس نصب کرتے، چوکی اور کرسیاں سجاتے، ممتاز علماء اور مشاہیر خطباء سے تقریریں کرواتے اور اختتام اجلاس کے بعد سنی خانقاہوں کے مشائخ طریقت سے عوام کو بیعت کرواتے مذہب اہلسنت، علماء حق اور امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہم الرحمہ کی دینی مذہبی اور ادبی تعلیمات خدمات سے عوام الناس کو بتمامہا روشناس کراتے۔ اور الحمد للہ پورنیہ اور کٹیہار کا وہ علاقہ جہاں دین وسنت کے فروغ کے لئے جدوجہد کی وہاں آج بھی سنیت زندہ ہوکر پھول پھل رہی ہے۔ اور متعدد دینی ادارے اور تنظیمیں کام میں ہیں ان میں قابلِ ذکر تنظیم المسلمین بائسی پورنیہ ہے جس کا حلقۂ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ علامہ نے دعوت وارشاد اور تبلیغ واصلاح کی مہم پورے ملک میں جاری رکھی۔ اور ہندوستان کا شاید ہی کوئی خطہ ہے جو آپ کی تبلیغ وتقریر اور خطابت سے محروم ہو۔ ہاں مہاراشٹر، کرناٹک، میسور، گوا، گجرات، راجستھان، یوپی، ایم پی اور بنگال وغیرہ صوبجات میں تبلیغ دین وسنیت کی زیادہ ضرورت محسوس کی، اس لئے ان میں زیادہ وقت دیا۔ تقریریں کیں، مناظرے کئے، جا بجا حسب ضرورت دینی مدارس، دار القضاء، دار الافتاء، دار التصنیف، رویت ہلال کمیٹی، مساجد میں درسِ قرآن، درسِ حدیث کا اجراء اور تنظیمیں قائم کرکے دین وملت کی قابلِ تقلید خدمات انجام دیں۔

> نجدی کا سر قلم ہے جگر پاش پاش ہے
> وہ سیف وہ سنان نظامی تمہیں تو ہو

علماء اہلسنت، اعلیٰ حضرت کی تصنیفات وعبارات پر کسی نے کوئی اعتراض کیا تو اس کا مسکت اور دنداں شکن جواب دیا۔ شان رسالت میں توہین وگستاخی کی جرأت کی تو زبان وقلم کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

ملت کے پاسبان نظامی تمہیں تو ہو
احمد رضا کی شان نظامی تمہیں تو ہو
نجدی کا سر قلم ہے جگر پاش پاش ہے
وہ سیف اور سنان نظامی تمہیں تو ہو
عشقِ حبیب شہرتِ آفاق دے گیا
اور اس سے شادمان نظامی تمہیں تو ہو

علامہ نظامی نے جو کام کیا خالص دین ومسلک کے لئے کیا۔ جہاں ریاء وسمعہ کا شائبہ بھی متصور نہیں۔ ان کے سینے میں قوم مسلم کا صحیح درد، سچی تڑپ تھی، صاف ستھری اور مذہبی زندگی گذاری۔ پروردگار کی عطا کردہ

ساری صلاحیتوں کے باوجود دنیاوی آلائشات اور سیاسی نظریات سے خود کو کوسوں دور رکھا۔ اوروں کی طرح غیروں سے دین و مسلک کا سودا نہیں کیا۔ دیابنہ، وہابیہ، اہل تشیع اور دیگر فرقہ باطلہ کی تمناری کہ کاش علامہ نظامی ان کے اسٹیجوں سے خطاب کرتے، یہاں تک بات کہی گئی کہ نظامی اگر ہمارے اسٹیج پر صرف ایکبار آکر اپنی خطابت کا جوہر دکھادیں تو ہم ان کو سیم و زر سے تول دیں گے۔ علامہ نے ان کے کھنکتے سکوں کو ٹھوکر ماردی اور فرمایا کہ ؂

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگوں مال دیں گے
مگر یہ ہم سے نہ ہو گا ہرگز نبی کا جاہ و جلال دیں گے

حافظ ملت کا قول

حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ دیوبندیوں کو اگر مولانا نظامی صاحب جیسا ممتاز عالم دین اور بلند پایہ خطیب مل جاتا تو پورے ملک پر وہ اچھا خاصا اثر چھوڑ جاتا۔

علامہ ارشد القادری صاحب

علامہ ارشد القادری صاحب نے علامہ نظامی صاحب علیہ الرحمہ کی خدمات سے متاثر ہو کر ایک مرتبہ لکھا تھا کہ "جو ابر کی طرح رواں دواں رہنے والے حضرت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب قبلہ اپنے دولت کدے پر مجھے مل گئے جو ایک سفر سے واپس آئے تھے اور دوسرے سفر کے لئے پر تول رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مولانا ایک تہائی صدی سے اپنے مسلسل اور پیہم تبلیغی اسفار کے ذریعہ ہند کے طول و عرض میں دین و سنیت کی جو عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے تابندہ نقوش اور لہکتے ہوئے آثار دینی اداروں مذہبی تنظیموں اور جیتی جاگتی مسلم آبادیوں کی صورت میں جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں۔"

نہ صرف اپنے بلکہ بیگانے بھی علامہ کی علمی و ادبی خدمات کے معترف ہیں۔ علامہ نظامی جیسی ذات جو نہ صرف وعظ و تقریر بلکہ فنون عقلیہ و نقلیہ پر مہارت تامہ رکھتی تھی دنیائے سنیت میں نظر نہیں آتی، بلند پایہ قلمکار بھی تھے اور شاعر و ادیب بھی متعدد موضوعات پر مختلف علوم و فنون میں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جیسے: خون کے آنسو، قہر آسمانی بر فتنہ حقانی، دیوبند کا نیا دین، انکشافات، ہند کے راجہ سوانح خواجہ، عقائد اہلسنت، نسیم رحمت، فردوس ادب، جماعت اسلامی کا شیش محل، کربلا کا مسافر، مجرم کون ہے، تنویر الایمان فی فضائل شعبان، دیندار کے بے نقاب چہرے، مینارۂ ہدایت، اور اخیر عمر میں خطبات نظامی

پاسبان ملت کے شہ پارے

مجھے عوام کے علاوہ اپنے عزیز طلبا کو بھی مخاطب کرنا ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

ہماری درسگاہوں کا مزاج دیوبند جیسا نہیں ہے دیوبند اپنے طلبہ کو محض شخصیتوں سے مرعوب کرتا ہے لیکن جب ان عقائد کی آتی ہے تو ان غریبوں کی آنکھ پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ مزاج ہماری درسگاہوں کا نہیں۔ حق کے خلاف گرفت کرنے میں ہم نے اپنے اور غیر میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ شخصیتوں کو ہم بھی تقسیم کرتے ہیں مگر کسی خارجی دباؤ کے تحت نہیں۔

الہ آباد کی سرزمین پر ان کے عشق و اخلاص، محبت و ایثار کا نقش اور ان کی عظیم دینی خدمات کا شاہکار دار العلوم غریب نواز ہے۔ جسے ۱۹۶۵ء میں قائم کیا اور مختصر سی مدت میں اپنی کارکردگی کی بنیاد پر اس نے جو شہرت، خصوصی امتیاز حاصل کیا ہے یہ اس کا اپنا حصہ ہے۔ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کے بانی و سربراہ آپ ہی تھے جسکی کارکردگی تبلیغ

تصنیف وتالیف کی صورت میں موجود ہے۔ اور کام ہو رہا ہے، بلا شبہ علامہ نظامی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ تصنیفات، دار العلوم غریب نواز، سنی تبلیغی جماعت، مکتبہ پاسبان، ماہنامہ پاسبان یہ سب انھیں کے دم قدم کی بہار ہے۔

دین و مسلک کی خدمات کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دینے والا جذبہ صادقہ علامہ کو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی آغوش تربیت سے حاصل ہوا تھا جیسا کہ ایک مقام پر خود فرماتے ہیں۔ عصر حاضر کا وہ ممتاز رہنما جس نے اپنے فضل و کمال پر درویشی کی چادر ڈال رکھی ہے جو ابھی چند برس ہوئے مسلمانوں کو آبرو مندانہ زندگی دلانے کے لئے پندرہ مہینے کی قید با مشقت سے رہا ہوا ہے جس کی آغوش تربیت نے مجھے سنبھالا اور مجھ ناچیز کو اپنی غلامی کا شرف بخشا۔ جس کے قدموں پر مری متاع زندگی نچھاور ہے خاکپائے حبیب مشتاق احمد نظامی"۔

جاننے کی باتیں ۔۔ (۱) اعلیٰ حضرت کو امام احمد رضا سب سے پہلے نظامی صاحب نے لکھا اور دنیا میں مشہور کرایا۔ (۲) مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو مجاہد ملت، نظامی صاحب نے لکھا اور مشہور کرایا۔ (۳) حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ بانی جامعہ اشرفیہ کو استاذ العلماء نظامی صاحب نے لکھا اور مشہور کرایا۔ اور دنیائے سنیت کے جملہ اکابر علماء و مشائخ کو عوام میں تحریر و تقریر سے جتنا متعارف علامہ نظامی نے کیا شاید کسی دوسرے سنی عالم نے نہیں۔ ان کے زیر ادارت شائع ہونے والا ماہنامہ پاسبان الہ آباد علمی و ادبی رسالہ ہونے کیساتھ علماء، مشائخ، دانشور اور شعراء کی شخصیات کا بھرپور تعارف کراتا تھا۔

میں نے ایسا نہیں دیکھا ۔ پڑھے لکھے لوگوں میں آپسی چشمک اور ناچاقی عام ہے۔ ایک دوسرے پر تفوق اور تعلّی ظاہر کرنا عادت قدیمہ ہے۔ علماء، مقررین، اور ادباء میں یہ مرض بکثرت پایا جاتا ہے۔ لیکن میں نے بہت قریب سے دیکھا قدرت کی ان ساری کرم فرمائیوں کے باوجود علامہ نظامی کسی پر اپنی فوقیت، برتری و تعلی کا کبھی اظہار نہیں کرتے اور نہ کبھی کسی کی شکایت ہی کرتے، میرا یہی مشاہدہ ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کیا حضور! فلاں صاحب اپنی تقریر میں آپ کے خلاف کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں۔ جواب دیا کہ" وہ اپنے فرض کی تکمیل کر رہے ہیں میں کیا کروں"۔ علامہ نظامی کا یہ وصف موجودہ علماء میں شاذ و نادر ہی ملے گا۔ خداوند قدیر مسلمانوں خصوصًا علماء کو انکا ناقل اور عامل بنا دے آمین۔

علامہ نظامی صاحب کا احترام علماء ۔۔ آپ علماء اور مشائخ کی بڑی قدر کرتے۔ جب ان سے ملتے عاجزانہ ملتے۔ دست بوسی اور قدم بوسی سے پیش آتے کسی عالم کی آمد پر اٹھ کھڑے ہوتے۔ میں نے خود دیکھا دار العلوم غریب نواز کے سالانہ جلسۂ دستار فضیلت کے موقع پر یا کبھی اتفاقیہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ یا مفتئ اعظم کا نپور حضرت علامہ شاہ محمد رفاقت حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ دار العلوم میں تشریف لاتے تو علامہ بستر بچھاتے، اٹھاتے، بیٹھاتے اور بدن دبانا، سر میں مالش کرنا شروع کر دیتے۔

نظامی صاحب کی خرداں نوازی ۔ علماء اہلسنت کی یہ کمی ہی کہی جائیگی کہ وہ جماعت کے کسی نوخیز عالم و خطیب اور شاعر و ادیب کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اور اس کو ابھرتا دیکھنا نہیں چاہتے لیکن علامہ نظامی اس عادت قبیحہ سے بالکل مبرا تھے۔ آپ کے یہاں خانقاہی۔ ملکی، صوبائی اور ضلعی تعصبات کا گذر تک نہیں تھا، اس لئے علماء و خطباء کو بھرپور سراہتے، نو مشق مقررین و شعراء کو عوام میں زیادہ سے زیادہ مشتہر کرواتے۔ خداوندا! علماء اہلسنت کو نظامی صاحب کے کردار کا عامل بنا دے آمین۔

حسن سیرت ۔۔ سیرت اتنی پیاری جسکی نظیر نہیں ملتی۔ ہر چھوٹے بڑے سے پیار و محبت سے ملنا حسب سنت احوال ق

بقیہ ص ۱۳ پر

پاسبانِ ملّت کا پیغام

وحدتِ افکار

از محمد شفیع، بی۔ کام (آنرس)، ٹھاکر گنج،

ایک نے دوسرے سے پوچھا "کون کون آرہے ہیں جلسہ میں"
جواب ملا۔ " نام توکئی علامہ کے ہیں۔ اب دیکھئے کون کون آتے ھیں"

"سنتے ہیں علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب کا بھی نام ہے اشتہار میں۔ کیا وہ واقعی آرہے ہیں؟"

جواب تھا۔" بھئی یہ جلسے والے مجمع اکٹھا کرنے کیلئے ایسے مشاہیر علماء کرام کا بھی نام چھاپ دیتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے، یہ تو جلسہ والے ہی جانیں۔"

آخر کار جلسہ کا دوسرا دن بھی آہی گیا۔ لوگ جوق در جوق آتے گئے۔ وسیع پنڈال بھرتا گیا۔ ہر زبان پر ایک ہی سوال تھا "کیا نظامی صاحب آئے ہیں؟ کہاں ہیں نظامی صاحب"؟

لیجئے، وہ وقت بھی آگیا جب تکبیر الوہیت و نعرۂ رسالت کے پرشکوہ نعروں کے درمیان علامہ نظامی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے مجمع ساکت ہوگیا۔ سارا پنڈال پرسکون ہوگیا۔ ایسا سماں بندھا جیسے پنڈال میں سامعین ہوں ہی نہیں جب تک علامہ کی سحر بیانی اور عقیدۂ اسلام وسنیت کی حقیقت افشانی ہوتی رہی مجمع پرسکون رہ کر ہمہ تن گوش رہا۔ صرف درمیان میں خاص خاص نکتوں پر نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت کا غلغلہ بلند ہوتا۔

ہمارے علاقے کے قریب قریب ہر جلسہ میں پاسبان ملت، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی محبت و عقیدت سے لوگ پذیرائی کرتے تھے گویا زبان حال سے کہتے تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارے سنی علماء میں اچھے مقرروں کی کمی نہ آج ہے نہ پہلے تھی۔ پھر اپنے ہم عصروں میں پاسبان ملت ہی کی شخصیت بلند قامتی میں نقید المثال کیوں ہوگئی؟ ان سے سنیوں کی اس درجہ عقیدت

محبت اور والہانہ انسیت کا کیا سبب تھا؟ تو آیئے غور کریں۔

کسی شخص کا نصب العین اور اس کا پیغام اس کی بہترین شناخت ہوتی ہے۔ اپنے نصب العین کی خاطر تفکر اور تدبر، جد وجہد اور کد وکاوش کے تناسب سے اس کا اپنے نصب العین اور پیغام کے ساتھ واقفیت اور وابستگی کی حدوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ علامہ نظامی علیہ الرحمہ والرضوان بھی اپنے نصب العین اور پیغام سے پہچانے گئے ان کو اپنے نصب العین سے عشق اور اپنے پیغام کی شدت ضرورت کا پورا پورا یقین تھا۔ تو آخر کیا تھا ان کا نصب العین اور کیا تھا ان کا پیغام؟

میری رائے میں سنیت ان کا نصب العین تھا اور سنیوں کی کثرت میں وحدت ان کا پیغام تھا۔ اپنے نصب العین اور پیغام کو لیکر انہوں نے ملک کے گوشے گوشے کا سفر کیا۔ اپنے سنجیدہ طرز بیان منطقی دلائل عقلی و علمی دلائل نقلی اور آسان فہم طریقے سے علماء وعوام کو اپنے خیالات سے انہوں نے روشناس کرایا۔ انہی مقاصد کیلئے انہوں نے دینی تعلیمی ادارے قائم کئے، رسالے اور اخبار نکالے۔ گویا تقریر وتحریر، زبان وقلم کے دونوں طریقہائے اظہار کو اپنے نصب العین اور پیغام کی ترویج واشاعت اور تبلیغ و قبولیت کے لئے اپنایا اور کماحقہ اپنایا۔

سنیت کا نصب العین ہونا تو سمجھ میں آنے والی بات ہے مگر سنیوں کی کثرت میں وحدت، شاید ذرا وضاحت طلب ہے۔ سنیوں میں سنی قادری، سنی چشتی، سنی اشرفی، سنی رضوی، سنی نوری اور طریقت کے دیگر سلاسل کے سنی ہیں۔ پھر درسگاہی فرق کے لحاظ سے منظری، مظہری، مصباحی اور نعیمی وغیرہ سنی ہیں۔ الغرض سلاسل طریقت کے مختلف امتیازی حیثیتوں کے سنیوں اور درسگاہی فرق کے ساتھ فارغین سنیوں کی کثرت میں وحدت ہی "سنیوں کی کثرت میں وحدت" ہے۔ بالفاظ دگر پاسبان ملت علامہ نظامی کا یہ پیغام تھا کہ سنیوں کو مختلف خانوں اور چھوٹے چھوٹے دائروں کے اندر رہ کر گروپ بندی اور عصبیت کا شکار نہ ہونا چاہیئے بلکہ اپنی اپنی امتیازی خوبیوں اور امتیازی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سنیت کے وسیع دائرہ میں متحد ومنظم ہونا چاہیئے گویا یہ حقیقت ان پر منکشف تھی کہ ـــــ گلہائے رنگا رنگ سے زینت چمن کی ہے۔

آج دنیائے سنیت پر جن جن سمتوں سے اور جس جس قسم کے نت نئے حربوں سے حملے ہو رہے ہیں اس کے مد نظر 'اتحاد بین السنیین' وقت کی اہم ترین ضرورت ہے جس کو علامہ علیہ الرحمہ نے صرف محسوس ہی نہیں کیا بلکہ مذکورہ قسم کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹے ہوئے ہونے کا بھی ان کو شدید احساس تھا۔

ماہ جون ۷۳ء کے پاسبان میں شذرات کے عنوان میں سنی جمعیۃ العلماء کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سنی جمعیۃ العلماء یہ نہیں کہتی کہ کوئی اپنے کو منظری نہ کہے یا مصباحی نہ کہے۔ کہے اور علی الاعلان کہے۔ اسی طرح سنی جمعیۃ کا یہ بھی مزاج نہیں کہ کوئی اپنے کو برکاتی نہ کہے یا رضوی یا اشرفی نہ کہے کہے اور یقیناً کہے لیکن اس میں عصبیت نہ ہو جس سے سنیت کے کاز کو نقصان پہنچے"۔

علماء اہل سنت کے مختلف طبقوں اور گروپوں کے درمیان آپسی بغض، افتراق اور عصبیت کو علامہ نظامی جیسا صاحب بصارت وبصیرت کس شدت سے محسوس کر رہا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ جولائی ۷۳ء کے پاسبان کے شذرات میں ان کا عنوان ہی ہے ـــ "مفتی اعظم ہند کی سرپرستی میں کارخانے نہیں، دینی ادارے چل رہے ہیں"۔ آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

اپریل ۷۳ء (کے) ماہنامہ 'المیزان' میں بنارس کا ایک خط شائع ہوا ہے۔ خط کس حد تک دلخراش اور اشتعال انگیز ہے رونا اس کا نہیں ہے، بلکہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس مکتوب کو المیزان جیسے موقر رسالے کے صفحات پر جگہ کیسے مل گئی"؟

علامہ نظامی نے اس بنارسی خط کے چند جملے نقل فرمائے ہیں. جن کو پڑھ کر کوئی عام پڑھا لکھا سنی بھی یہی کہے گا ـــــ

" بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست "

علامہ پاسبان ملت ایک ایسے مفکر تھے جن کی نگہ بہت عمیق تھی۔ وہ علماء اہلسنت کے مختلف ذہنی لہروں کو سمجھتے تھے اور آپسی اختلاف و افتراق کی کھائی کو سنی جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ مگر ہمارے علماء آج بھی سنی جمعیۃ کے پلیٹ فارم پر متحد و منظم ہونے کے بجائے علمی اور تحقیقی اختلافات کو ایک دوسرے پر حملہ کر کے ذاتی اختلاف کی شکل

> انھی مقاصد کیلئے انھوں نے دینی تعلیمی ادارے قائم کئے، رسالے اور اخبار نکالے۔ گویا تقریر و تحریر، زبان و قلم کے دونوں طریقہائے اظہار کو اپنے نصب العین اور پیغام کی ترویج و اشاعت اور تبلیغ و قبولیت کے لئے اپنایا اور کما حقہٗ اپنایا۔

دینے میں مصروف ہیں۔ برسبیل تمثیل صرف ایک نمونہ حاضر ہے۔

حضرت جانشین حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کچھوچھہ شریف اپنی کتاب " ویڈیو، ٹی۔ وی کا شرعی استعمال " مطبوعہ ۸۷ء کے صفحہ ۱۳ (تیرہ) پر حضرت قائم مقام حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ بریلی شریف کے متعلق لکھتے ہیں:-

" اسی درمیان مرکزی دارالافتاء بریلی شریف کی نقد و نظر سے بھری ہوئی تحریر نظر نواز ہوئی۔ مجھے افسوس ہے کہ مذکورہ بالا دارالافتاء سے جس فقیہانہ اسلوب بیان و عالمانہ و مخلصانہ طرز نگارش کی توقع تھی یہ تحریر بالکل اس سے تہی دامن نظر آئی اس میں از اول تا آخر مناظرانہ انداز اختیار کیا گیا ہے بلکہ کہیں کہیں تو مجادلانہ و معاندانہ رنگ در دغن کا بھی احساس ہوتا ہے اسے مسلمانوں کے ادبار کا دور نہیں تو اور کیا کہا جائے گا کہ جو طرز عمل دشمنان دین اور معاندین اسلام کے سامنے روا رکھنا چاہیئے، اپنوں کو بھی اسی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے "۔

حضرت جانشین، محدث اعظم علیہ الرحمہ، کا شکوہ و افسوس ظاہر ہے۔ مگر خود ان کا رنگ و آہنگ ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ کتاب کے صفحہ ۲۱ پر تحریر ہے:-

" دارالافتاء میں بیٹھنے والے کسی مفتی صاحب کو اگر یہ تحقیق سمجھ میں نہ آئے ـــــ یا ـــ وہ اسے تسلیم نہ کریں تو میں ان کو ایک حد تک معذور ہی سمجھتا ہوں "۔

اور یہ پورا جملہ حضرت قائم مقام مدظلہ العالی کے لئے ہے یعنی حضرت علامہ اختر رضا خاں مدظلہ العالی کے لئے پھر اس تحریر کے جواب میں حضرت قائم مقام کا یہ قول اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر منقول ہے:-

" اس پر گذارش ہے کہ جناب نے اس فقیر کو مفتی ہونے کی سند تو دی اگرچہ استہزاء کے پیرایہ میں سہی۔ مگر یہ آنجناب کے شایان شان شرعاً مستحسن نہیں کہ مفتی جان کر کہہ کر نا سمجھ بے شعور بنائیں۔ اس فقیر کو مفتی نہ کہتے پھر جو چاہتے کہتے "۔

تحریر کی دنیا میں اکابر سنی علماء کا جب یہ حال ہے تو دوسری صورتوں میں حالت بدرجہا بدتر ہی ہوگی ؎

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اگر آج حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ بقید حیات ظاہر ہوتے اور ان حالات کو ملاحظہ فرماتے

> علامہ پاسبان ملت ایک ایسے مفکر تھے جن کی نگہ بہت عمیق تھی وہ علمائے اہلسنت کے مختلف ذہنی لہروں کو سمجھتے تھے اور آپسی اختلاف و افتراق کی کھائی کو سنی جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے ختم کرنا چاہتے تھے۔

تو برملا یہی فرماتے ؎ ربودی گوہرے از ما و کار دیگراں کردی

اس مہذب پیرائے میں طعن وتشنیع سے سنت کے کاز کو یقیناً نقصان پہونچایا گیا ہے اور وہابیوں وتبلیغیوں کو گرم مسالہ فراہم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ علامہ پاسبان ملت کو خطرہ تھا۔

علامہ نظامی علیہ الرحمہ کے نزدیک سنیت کی بقا وتحفظ اور مسلکِ اعلحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بقا وتحفظ ایک ہی چیز تھی۔ لہٰذا سنیت یا مسلک اعلحضرت کی بقا وتحفظ اور اسکی فلاح وبہبود کے لئے تمام سنیوں کو متحد ہونا چاہیئے۔ چنانچہ جون ۷۳ء کے پاسبان شذرات میں رقم طراز ہیں:۔

"وہ موقع طبقاتی تقسیم کا نہیں ہوتا اور جو بھی اس راہ سے الگ ہو رہا ہو اسکی تفہیم ضروری ہے اگر عرضداشت اور فہمائش کے باوجود اس بنیادی نقطۂ فکر سے نظری یا عملی کسی نے اختلاف کیا تو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا چاہتا ہے"۔

سنیت سے وابستگی، مسلکِ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے عقیدت علامہ نظامی کو کتنی تھی اس کا اندازہ انہی کے الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے فرماتے ہیں:۔

"حد تو یہ ہے کہ بریلی میں میں نے نہ تو ایک سطر پڑھی اور نہ وہاں کا مرید۔ مگر ملک میں مجھے الہ آبادی نہیں، بریلوی کہا جاتا ہے۔ الہ آبادیت سے میرا گھر سمجھ میں آتا ہے مگر بریلویت سے میرا عقیدہ"۔ (پاسبان ملت۔ شذرات جون ۷۳ء)

پاسبان ملت خطیب مشرق، علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ والرضوان کے قلب مومن میں ملت کے اتحاد کا کتنا درد تھا اور ابھرتے ہوئے طبقاتی عصبیت کے خطرات کا احساس شدید تھا اسے ان کے الفاظ سے سنیئے جناب۔

"اور جو بھی نئی راہ نکال کر اس آہنی دیوار میں شگاف ڈالنا چاہتا ہے تو آج نہیں تو کل پوری سنی برادری اسکے لئے کوئی نہ کوئی نام منتخب کرے گی (شذرات۔ جون ۷۳ء)

اتنا ہی نہیں انہوں نے سنیوں کو اسی شذرات میں متنبہ کیا۔ لکھتے ہیں:۔

گھریلو افراتفری میں اگر ہم الجھ گئے تو اندیشہ ہے کہ کہیں تنظیم کی بچی کھچی دولت بھی چھن نہ جائے"۔

انہوں نے علماء اہل سنت کو جھنجھوڑا اور پیغام اتحاد وعمل دیا کہ:۔

"وقت افتراق کا نہیں، بلکہ مکمل اتحاد کا ہے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے جماعتی نظم ونسق کو بحال کرنے کے لئے ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلیں"۔

کسی ماہنامہ یا اخبار کا کسی عظیم شخصیت کے نام پر خاص نمبر نکالنا انکی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے

ایک مسلمہ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخصیت کیلئے اس سے بہتر کوئی خراج عقیدت ومحبت نہیں ہو سکتا کہ ان کے پیغام پر عمل کیا جائے۔ پس، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اگر ہم خراج

پاسبان ملت، خطیب مشرق، علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ والرضوان کے قلب مومن میں ملت کے اتحاد کا کتنا درد تھا اور ابھرتے ہوئے طبقاتی عصبیت کے خطرات کا احساس شدید تھا اسے ان کے الفاظ سے جانیئے۔

محبت پیش کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے لازمی ہے کہ ان کے پیغام "سنیوں کی کثرت میں وحدت" پر عمل پیرا ہو جائیں۔ نیز ہمارے علماء کرام ہوا کے رخ کو پہچانیں، آپسی افتراق کو خیرباد کہیں اور مختلف النوع سنیوں کی خشتہائے رنگا رنگ کو درگذر، مروت، محبت اور اخوت کی سمنٹ سے سنی جمعیۃ العلماء کی دیوار کو مضبوط، مربوط اور مستحکم کریں اور ید اللہ علی الجماعۃ و واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کو ملحوظ نظر رکھیں ورنہ سنی عوام یہ کہنے میں حق بجانب ہوگی ؎

آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

پاسبان ملت اور دارالعلوم غریب نواز



مولانا محمد قمر الزماں نوری دربھنگہ

تیرے جلوؤں سے نہائی آنکھ اپنی مدتوں
اب کوئی جچتا نہیں میری نظر کے سامنے

خطیب مشرق پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی بوقلموں شخصیت ان میں سے ایک تھی جو صدیوں کے بعد عالم وجود میں آتی ہے۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپکی زندگی پوری ملت کے لئے قابل قدر اور سرمایہ افتخار تھی آپ تاحین حیات اپنی زبان و قلم اور تنظیم و تحریک کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے گلشن کی آبیاری کرتے رہے اور ہر موڑ پہ بدعقیدگی کے تیز و تند جھونکوں سے گلشن کو خزاں رسیدہ ہونے سے بچائے رکھا اور ہمیشہ اپنا رنگ لہو دیکر چمن کو رونق بانکپن عطا کرتے رہے اور اپنے پیچھے اپنی سعی پیہم جہد مسلسل، جانکاہی و جگر سوزی کے نہ مٹنے والے تابندہ نقوش چھوڑ گئے جسکی سب سے اہم اور مبارک کڑی دارالعلوم غریب نواز ہے

دارالعلوم غریب نواز کی تاسیس

آپنے ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم غریب نواز کی بنیاد ڈالی۔ پاسبان ملت علیہ الرحمہ خود رقم طراز ہیں

سچ جانئے جہاں مجھے اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی کا پورے طور پر احساس ہے وہیں پاسبان اور تقریروں کی بے پناہ ذمہ داریوں نے اور بھی ذہن کو بوجھل بنا رکھا ہے لیکن دل کی ایک لگن اور وقت کی اہم ضرورت نے پکارا اور میں اٹھ کھڑا ہوا گویا میں نے اپنی ذمہ داریوں میں ایک اور اضافہ کر لیا

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں

میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میری مصروف زندگی مجھے درسگاہ کی بنیاد ڈالنے کی فرصت دیگی لیکن سلطان ہند کا قیدی تھا انہوں نے اسیر بنا کر رکھا، سرکار مجاہد ملت دوران تعلیم فرماتے تھے کہ مشتاق احمد سے الہ آباد میں کام لینا ہے۔ دلی کی بات خالی نہیں جاتی

اصل واقعہ یہ ہیکہ جہاں میں نے چوٹ کھایا اور میں برداشت کی تاب نہ لاسکا۔ وہ یہ ہیکہ ایک بار میں نے اکبر پور کے سنی بھائی سے دریافت کیا کہ آپکا بچہ

کہاں پڑھتا تو انہوں نے بے دین اور گمراہوں کے مدرسہ کی نشاندہی
کی مجھے سنکر بڑا قلق ہوا ان سے میں نے کہا کہ جامعہ حبیبیہ یا جامعہ نظامیہ میں
بچوں کو بھیجئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت یہ دونوں مدرسہ بہت دور ہیں
یہی وہ داعیہ ہے جس نے محسوس کرایا کہ مسلم حلقہ میں ایک دینی
درسگاہ کی ضرورت ہے ،،

آپ نے ابطال باطل اور احقاق حق اور مذہب اہلسنت کے فروغ و استحکام کیلئے
ایسی شمشیر براں کا استعمال کیا جس سے گمراہ گر دہوں کی شہ رگ کٹ گئی ، اور ان کے
بدعقیدگی کی لاشیں سڑکوں پر تڑپتی دکھائی دیں لوہا لوہے کو کاٹتا ہے" یہ
مثل بہت مشہور ہے مگر اسکی عملی تفسیر دیکھنی ہو تو پاسبان ملت کی عہد ساز
شخصیت کا مطالعہ کیجئے۔

کسی بھی باطل جماعت یا گروہ سے نبرد آزما ہونے کے بعد کامیابی
اسی وقت مقدر کی زینت بن سکتی ہے کہ جس ہتھیار سے مدمقابل نے حملہ کیا
دفاع کے لئے بھی وہی ہتھیار استعمال کیا جائے اگر یہ کوئی حقیقت ہے تو آئیے اس
تناظر میں حضور پاسبان ملت کی کتاب زندگی کو کھولیں جسکا ورق ورق انکے
عزم راسخانہ ، ہمت مردانہ ، جذبہ سرفروشانہ اور انکی ثبات قدمی کی غماز ہے
تحصیل علم کے نام پر جب نئی پود کے سلب ایمان کے
ناپاک عزائم لیکر باطل جماعت سامنے آئی تو آپ نے اس نئی نسل کے ایمان
وعقیدہ کے تحفظ اور فکر و اعتقاد کی سلامتی کے لئے دارالعلوم غریب نواز''
کا قیام فرمایا — لکھتے ہیں

میں نے جس زمین کو اپنا مکان بنانے کے لئے خریدا تھا اسے
غریب نواز کے نام پر دیدیا جو بھارت کے روحانی شہنشاہ
اور فرمارواہیں جس کا پرچم نہ کبھی سرنگوں ہوا اور نہ ہو سکیگا
دارالعلوم کو انکی طرف منسوب کرتے ہوئے نیک فال تصور
کرتا ہوں

اس پیراگراف کو بار بار پڑھئے اور اس مرد قلندر کے سینے میں دبی ہوئی
کسک کو آپ بھی محسوس کیجئے جن کے نزدیک نئی نسل اور نئی پود کے
ذہن و فکر کی درستگی اور ہمواری کے لئے اس سے بہتر اور کوئی دوا نہ تھی کہ
قلب الہ آباد میں ایک دانشکدہ تعمیر کیا جائے تاکہ طالبان علوم نبویہ
اپنے طلب کی پیاس دور کر سکیں گویا یہ کہنا بعید از حقیقت نہ ہوگا کہ ملک
کے اس حسین پاسبان نے قوم کے رستے ہوئے زخم پر مرہم رکھا ان کی
صحیح نباضی کی اور نئے ذہنوں کی حفاظت و سالمیت کے لئے اپنی جان عزیز کا
ہر لمحہ قربان کرنے کے لئے ایک ایسے سنسان میدان میں نکل آیا جہاں
طوفانوں کا زور ہے ——— مصائب کی آندھیاں ہیں —
——— اذیتوں کا ازدہام ہے ——— کلفتوں کی بھیڑ ہے
یعنی شاعر کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اب یہ مرد حق آگاہ ایک ایسی سنگلاخ وادی اور پرخار جھاڑی
سے کھیلنے کا جذبہ بلند لیکر آگے بڑھا ہے کہ جو ہمت شکن بھی
ہے اور صبر آزما بھی ، دلخراش بھی ہے اور حوصلہ سوز بھی
لیکن کہیں آبلہ پائی کا شکوہ نہیں بلکہ اسکی رفتار کا عالم تو یہ
ہے ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
جو ہو دشواریاں تو خود بخود آسان ہو جائیں

آپ نے دارالعلوم غریب نواز کی بنیاد تو ڈالدی مگر اس کے بعد
کیا ہوا خود ان کی زبانی سنئے .

کانٹوں بھری اور انگاروں سے بچھی ہوئی
راہ سے گذرنا پڑا ، غرضیکہ میرے غریب نواز
نے جہاں جہاں سے گذارا وہاں وہاں سے
میں دیوانہ وار گذرتا رہا ۔ نہ کانٹوں سے

شکایت اور نہ آبلہ پائی کا شکوہ، دشمنان
دارالعلوم کو میں نے زبان طعن سے نہیں کردا
وعمل سے جواب دیا آج دارالعلوم کی لہ منزلہ
عمارت آسمان سے باتیں کررہی ہیں اور
اسکا شمار صف اول کی درسگاہوں میں ہوتا ہے

قوسین کی عبارت پڑھئے کسقدر درد ہے اس تحریر میں، آخر یہ پریشانیاں کیوں اٹھانی پڑی، صرف قوم کے نونہالوں کو بدعقیدگی کی مسموم فضا سے بچانے کے لئے جس کی پاداش میں نہیں اپنوں کا طعن و تشنیع بھی سہنا پڑا اور غیروں سے مقابلہ کے لئے کمر ہمت بھی کسنی پڑی الغرض ہزار طوفان آئے ——— لاکھ آندھیاں چلیں لیکن حضور پاسبان ملت. عزم و استقلال کا جبل شامخ بنکر سینہ سپر رہے نہ پیشانی ہمت پہ بل آیا اور نہ پائے ثبات میں لغزش آئی ——— بلکہ نہایت جوانمردی، بے جگری اور جانکاہی سے سب کا تدارک فرماتے رہے ——— آج وہی علمی میکدہ اور فکر و دانش کی عظیم درسگاہ، جو دارالعلوم غریب نواز کے نام سے مشہور ہے جہاں تشنگان علوم نبویہ جھنڈ کا جھنڈ اترتے ہیں، جام پہ جام چھلکاتے ہیں اور علم و فضل کے ساگر میں خوب تیرتے اور نہاتے ہیں اور شراب علم سے سرشار دین و اسلام کے یہ نوجی دستے ملک اور بیرون ملک میں پھیل کر ملت کی تبلیغ، مذہب کی تشہیر، مسلک کی ترویج اور قوم کے ذہن و فکر کی تزئین میں مصروف ہو جاتے ہیں ——— یہ سب صدقہ ہے پاسبان ملت کا جن کے بارے میں ایک ولی کامل نے فرمایا تھا کہ " مشتاق سے اللہ آباد میں کام لینا ہے

پروردگار انکی تربت کو رحمتوں کے پھول سے بھر دے، آمین

التجائے غریباں

درِ حبیب سے مجھکو قریب کر دینا
مرے خدا مجھے جنت نصیب کر دینا

میں مانگتا ہی رہوں عمر بھر محمد سے
مری حیات کو اتنا غریب کر دینا

نبی کی شان میں گستاخیاں جو کرتے ہیں
تو ان کا حال جہاں میں عجیب کر دینا

ہمیشہ ساتھ رہے جو رسول اکرم کے
خدا تو ہمکو انہیں کے قریب کر دینا

کہ صدقہ دیکے تو ہم کو رسول اکرم کا
بلندیوں پہ ہمارا نصیب کر دینا

دعا قتیل یہی مانگتا ہے تجھ سے خدا
زباں کو ذکر محمد نصیب کر دینا

(شاعر!)

قتیل عثمانی ناگپوری

پاسبان ملت اور

رد عقائد باطلہ

مولانا فرحت صابری رضوی

ابتدائے آفرینش ہی سے حق وباطل اور کفر وایمان کے مابین خوں آشام معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں، حق پرستوں اور عاقبت نااندیشوں کا یہ تباہ کن تصادم ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں رونما ہوتا رہا ہے تاریخ کے زریں اوراق شاہد عدل کہ جب جب آفتاب اسلام پر شرک وبدعت کے سیاہ بادل منڈلانے لگے شریعت اسلامیہ کے تابندہ چہرے پر بدعقیدگی کے غبار جمنے لگے، امت مسلمہ کے معمولات وعقائد میں رخنہ اندازی ہونے لگی، شعائر اسلامیہ کو مٹانے کی منظم سازشیں انگڑائیاں لینے لگیں، ضروریات دین کا کھلے عام استہزا ہونے لگا تو حق پرستوں کا پاکیزہ گروہ اپنی تمام تر پاکیزہ قوتوں، اسلامی امنگوں اور دینی غیرت وحمیت کے ساتھ باطل قوتوں سے نبرد آزما ہوگئی اور شریعت مطہرہ پر ہونے والے ہر یورش ویلغار کا دندان شکن جواب دیکر اسے کیفر کردار تک پہونچانا شروع کردیا اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کرکے انکے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا لیکن یہ سلسلہ منقطع نہ ہوا بلکہ دشمنان دین داخلی وخارجی ہر محاذ پر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں کوشاں رہے یہاں تک کہ بارہویں صدی میں انتہائی خطرناک فتنہ برپا ہوا جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شکل میں منصۂ شہود پر آیا جسکی خبر مخبر صادق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی اور اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ فرمادیا تھا جیساکہ مشکوٰۃ شریف جلد دوم باب ذکر الیمن والشام اور بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۵ میں مذکور ہے

چنانچہ اس فرقہ نے سب سے پہلے اہل حرمین طائف، کربلائے معلی اور دیگر مسلمانوں پر کسقدر مظالم کے پہاڑ توڑے اور مزارات مقدسہ اور شعائر اسلامیہ کی کیسی

بے حرمتی کی اسکی مکمل داستان سیف الجبار بالوارق محمدیہ ارغامات النجدیہ اور تاریخ نجد وحجاز میں ملاحظہ فرمائیے
اسی فرقہ باطلہ کی اقتداء کرتے ہوئے سب سے پہلے ہندوستان میں دیوبندی جماعت کے امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنے آباؤ اجداد کے اثر ورسوخ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی نیت سے اسی محمد بن عبدالوہاب نجدی کی دل آزار کتاب کتاب التوحید کا اردو ترجمہ تقویۃ الایمان کے نام سے لکھا اس وقت کے تمام علماء دہلی و دیگر اکابرین بالاتفاق مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر کی، اس نجدی تحریک کو اہل دیوبند نے خوب خوب تشہیر کیا اور اپنے وہابی ہونے کا برملا اعتراف کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ دیوبندیت بھی وہابیت کی ایک شاخ ہے اس کا بھی مطمح نظر انبیاء واولیاء کی توہین وتنقیص ہے
مولوی اسمٰعیل دہلوی جس بے راہروی اور دینی بے رغبتی کا شکار ہوئے اہل دیوبند اس سے کم نہ رہے بلکہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی کتابوں میں ضروریات دین کا انکار کرنے لگے جس کی وجہ سے عالم اسلام میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور اہلسنت وجماعت اور اہل دیوبند کے مابین اختلاف کا ایک شعلہ بھڑک اٹھا اور پورا ملک اسکی لپیٹ میں آگیا
عام طور سے لوگ یہی جانتے ہیں کہ سنی دیوبندی اختلاف چند امور کے جواز وعدم جواز تک محدود ہے لیکن حقیقت حال کیا ہے اس کا اعتراف خود دیوبندی جماعت کے نقیبوں کو ہے جیسا کہ منظور سنبھلی نے اپنی کتاب "فیصلہ کن مناظرہ" کے صفحہ ۵ پر لکھا ہے
"شاید لوگ ناواقفی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ میلاد، قیام، عرس، فاتحہ، تیجہ، دسواں بیسواں، چالیسواں برسی وغیرہ کے رسوم کے جائز وناجائز اور بدعت وغیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی دراصل دیوبندی وبریلوی اختلاف ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے"
پھر اصل اختلاف کیا ہے یہ دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ وہ تقویۃ الایمان، الشہاب الثاقب، صراط مستقیم، فتاوی رشیدیہ تحذیر الناس، براہین قاطعہ۔ حفظ الایمان کی عبارات اور تکذیب باری کا فتویٰ ہے ان میں چار اخیر کی سب سے اہم ہیں ان پر علماء اہلسنت کے یہ اعتراضات ہیں کہ ان میں ضروریات دین کا انکار، اللہ عزوجل اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اور شدید توہین ہے
خطیب مشرق پاسبان ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب شعور کی آنکھ کھولی اور اپنے گردوپیش کا جائزہ لیا تو آپ یہ دیکھکر تڑپ گئے کہ عالم اسلام نئے کرب سے دوچار ہے اور چند مفاد پرست اور ایمان فروش مولوی توہین انبیاء اور امکان کذب باری جیسے ایمان سوز اور گندے مسائل میں عوام کو الجھا کر رکھدیا ہے ———— پھر آپ نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے قلم اٹھایا اور رد عقائد باطلہ کے ذریعہ باطل کے شیش محل کو چکنا چور کردیا ———
پاسبان ملت کے عہد میں بہت سارے فرق باطلہ نے اپنے عقائد کی تبلیغ وتشہیر کے لئے اپنا الگ الگ محاذ کھول رکھا تھا ——— مگر پاسبان ملت نے ہر باطل فرقے کی مذمت کی اور اسکی تردید پر لٹریچر اور کتابوں کے انبار لگادیے

جسکی زندہ مثال خون کے آنسو، دیوبند کا نیا دین،
قہر آسمانی، جماعت اسلامی کا شیش محل، مجرم کون ہے؟
کربلا کا مسافر وغیرہ کتابیں ہیں

مشتے نمونہ از خروارے چند حوالہ جات ملاحظہ
فرمائیں تاکہ پاسبان ملت کے "ردعقائد باطلہ" پر بھرپور
روشنی پڑ سکے

توحید اور شرک علماء دیوبند کے یہ دو ایسے
میٹر ہیں جسکو وہ موم کی طرح استعمال کرتے
جس طرح موم ہاتھوں کا کھلونا ہے چاہے
اسے گیند کا روپ دیجئے یا مکعب و شمس پہل
بنائیے بس ایسے ہی یہ حضرات توحید اور شرک
جیسے بنیادی مسئلے سے کھیل کھیلتے ہیں -

علم کی جو زیادتی شیطان کے لئے
عین توحید ہے وہی زیادتی علم رسول خدا
کے حق میں شرک جیسا گھنونا پاپ قرار پائے

ع آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

فیصلہ اہل علم و اہل نظر کے سپرد ہے اسے
فتویٰ نویسی کہا جائے یا علمی خیانت اور
رسول دشمنی؟

اے کاش علماء دیوبند کبھی سنجیدگی
سے غور کرتے کہ رسول خدا کے ساتھ ان کا جذبۂ
بغض و عناد اپنے حدود سے کس حد تک متجاوز
ہو چکا ہے - کہاں سید عالم پاک اور کجا
شیطان ملعون کا علم؟

اللہ اکبر! یہ کیسا خطرناک انداز بیان
ہے کہ شیطان کے علم کی زیادتی قرآن سے ثابت
ہے مگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے قرآن میں کوئی نص نہیں - اور اگر
حضور کے لئے زیادتی علم ثابت کیجئے تو شرک
ہو جائے - سچ کہا لوگوں نے، جو جسکا کھاتا
ہے اسی کا گاتا ہے وہ شیطان کا دیا کھاتے
ہیں اور ہم بوسیلۂ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا
پاتے ہیں اور کھاتے ہیں

ورق الٹئے اور امام الوہابیہ مولوی
اسمٰعیل دہلوی کی ہفوات ملاحظہ کیجئے

> نماز میں پیر اور اس کے مانند بزرگوں کی طرف
> خیال لے جانا اگرچہ جناب رسالتمآب ہوں کتنے
> ہی درجے اپنے بیل اور گدھے کے تصور میں
> ڈوب جانے سے بدتر ہے" صراط مستقیم ص [illegible]

میرے اپنے خیال میں یہ ایک ایسی غیر مبہم اور
واضح عبارت ہے جو کسی تنقید و تبصرہ کی محتاج
نہیں ہے - یہ کہنا کہ گائے بیل کے خیال لانے
سے نماز ہو جائیگی البتہ رسول خدا کا خیال لانا
گائے بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا
بدتر ہے ——— اس عبارت نے آپ کی
نمائشی سجدوں کی حقیقت بے نقاب کر دی
کہ آپ کس نماز کا پرچار کرتے پھر رہے ہیں
گلی گلی کی خاک چھاننے والوں سے
اگر دریافت کیا جائے کہ بستر اور جھولے میں
کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسمیں نماز ہے
سچ ہے جس نماز کی تقدس مسلمانوں کے دلوں

بقیہ ص ۱۴۹ پر ہے

پاسبانِ ملت کے

مناظرے کی چند جھلکیاں

امجد رضا خاں گنگٹوی

یہ اچانک تری رحلت سے پریشان ہوں مگر
تم سے شکوہ نہ گلہ ہے نہ شکایت کوئی
دو قدم ساتھ میں چلنا تو گوارا ہی نہیں
عمر بھر کیسے نبھا پائے رفاقت کوئی

(امجد رضا خاں گنگٹوی)

موت و حیات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس نے بھی نگارخانہ ہستی میں جنم لیا کسی نہ کسی دن ان کی ہستی دائرہ موت میں جا کر سمٹ جائیگی اور یوں زندگی کی شمع بالآخر موت کے تیز و تند طوفان کے سامنے بجھ کر رہے گی مگر راہ چلتے چلتے اچانک جب زندگی کا سفر ختم ہو جاتا ہے تو دل میں اضطراب کی کیفیت آنکھوں میں شدت غم کا احساس اور ذہن میں بیقراری و اضطراری کی لہر پیدا ہونا فطری امر ہے۔ آج میری ہی نہیں اہلسنت کے جملہ افراد کی آنکھیں نمناک ہیں وفور غم اور شدت الم سے کلیجہ شق ہو رہا ہے۔ کوئی بتلائے کہ غم والم کا یہ احساس کیوں ہے ــ ہر آنکھیں خون کے آنسو کیوں رو رہی ہیں۔ ملت بیضا کرب و بلا سے دو چار کیوں ہے۔ دنیا محو حیرت ہے کہ موت کا سلسلہ تو روز دیکھنے کو ملتا ہے مگر آج یہ کس کی موت ہے جس سے ہر قلب سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار ہے۔

گویا موت العالِم موت العالَم کی تفسیر بتاتے بتاتے پاسبان علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا دیا۔

پاسبان ملت علیہ الرحمہ نے زندگی کا اثاثہ خدمت دین متین و تبلیغ مذہب حقہ کے لئے وقف کر دیا تھا آپکی زبان ــ آپکا قلم آپکی فکر اور آپکی جدوجہد صرف احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے ہی صرف ہوتی۔ ظاہر ہے جس نے ملت و مذہب کے لئے متاع حیات قربان کر دیا ہو دنیا اسے فراموش کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتی ــ آج اہلسنت کا قلم انھیں خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔ ہماری زبان انھیں نذرانہ عقیدت پیش کر رہی ہے سنی رسائل انھیں نذر گذار رہے ہیں۔ اس کا سبب ان کی وہ بے لوث قربانیاں ہیں جو انھوں نے ملت اور اہلسنت کے فروغ و ارتقا کے لئے دین اہلسنت کا حساس طبقہ یہ جانتا ہے کہ ہماری صحت و استحکام میں پاسبان ملت کا رنگ لہو شامل ہے ہماری زندگی کی دھڑکنوں میں ان کے خون کی توانائی گردش کر رہی ہے۔

اپنے مشن کی تبلیغ مسلک امام احمد رضا کی تشہیر اور شاتمان رسول کی توبیخ کے لئے آپ نے کیا کیا نہیں کیا۔ آپ کی خطابت کا مقصد آپکی تصنیفات کا محور اور مناظرے میں شرکت کی غرض یہی سب کچھ تو تھی

جسے آپ نے فرض سمجھکر ادا کیا اور بحسن وخوبی ادا کیا ــــ آپکی تصنیفات کے مطالعہ سے آپکی مناظرانہ صلاحیت وقابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ــــ حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ مناظرے کے ہر پیچ وخم سے واقف تھے اور اس کے ہر گوشے گوشے پر انھیں کامل دسترس تھی یہی وجہ تھی کہ بجرڈیہہ بنارس کے مناظرے میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے تیسرے روز کا نصف وقت گذر جانے کے بعد مائک پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔

کہ میں اپنی نقاہت وکمزوری کے سبب اب میں عزیزی مولوی مشتاق احمد نظامی کو مناظرہ کی صدارت سونپ رہا ہوں"

اس کے بعد اصول مناظرہ کے تحت جو کچھ فرمانا تھا وہ ارشاد فرمایا ــــ ان کی مناظرانہ صلاحیت پر کامل یقین واعتماد تھا اسی لئے ملت کی اتنی عظیم ذمہ داری پاسبان ملت کے کاندھے پر حضور مجاہد ملت نے بلا جھجک رکھدی

تردید عقائد باطلہ پاسبان ملت کی زندگی کا جزبن کر رہ گیا تھا جسکی خوراک وہ مناظرہ ہی کو سمجھتے تھے۔ جھریا کے تاریخی مناظرے میں پاسبانِ ملت نے مبلغ دیوبند مولوی ارشاد احمد فیض آبادی کو گرجتی ہوئی آواز میں فرمایا تھا کہ :

"مولوی ارشاد ہمارا تمہارا یہی فرق ہے کہ تم مناظرے کی خوراک ہو اور مناظرہ ہم لوگوں کی خوراک ہے۔"

یہ سنتے ہی ارشاد کا چہرہ فق ہوگیا اور سیاہ دیوبندیوں کے چہرے پر مزید سیاہی دوڑ گئی پاسبان ملت فرماتے ہیں کہ یہ میرا وہ جگر شگاف نعرہ ہے جو آج تک ایوان دیوبندیت میں گونج رہا ہے۔

پاسبان ملت علیہ الرحمہ نے بے شمار مناظروں میں شرکت فرمائی۔ اور فتح سے ہمکنار ہوئے۔ بجرڈیہہ بنارس کا مناظرہ بھنگواں ضلع گونڈا کا مناظرہ بھیونڈی اور جھریا کا تاریخی مناظرہ یہ سب کے سب پاسبان ملت کے بالغ نظر مفکر اور حاضر دماغ مناظر ہونے پر شاہد ہیں آپ نے مناظرہ وخطابت کو پیشہ نہیں بنایا تھا بلکہ ایک فرض سمجھکر اسمیں دل وجان سے لگے ہوئے تھے چنانچہ پاسبان جنوری ۱۹۸۵ء کے ایک بیان کے مطابق لندن میں کسی دیوبندی عالم سے سنی حضرات نے مناظرہ طے کر لیا تھا۔ مناظرہ طے ہونے کے بعد لندن کی تمام انجمنوں نے "بحیثیت مناظر" پاسبان ملت علامہ نظامی صاحب کو مدعو کیا۔ پاسبان ملت گرچہ اختلاج قلب کے باعث ہوائی جہاز کا سفر نہیں کرپاتے تھے لیکن مناظرہ کی خاطر انھوں نے اس دعوت کو منظور کر لیا۔ البتہ پاسبان ملت نے مفکر اسلام مولانا قمرالزماں اعظمی وخطیب اہلسنت مولانا محمد حنیف صاحب کو خط بھیجا کہ اگر مناظرہ ہی ہے تو میرا پہنچنا یقینی ہے اور اگر مناظرہ بہانے محض تقریری پروگرام کے لئے دعوت دی گئی ہے تو یہیں کے مشاغل اتنے ہیں جن سے مجھے فرصت نہیں۔

> ٭ پاسبان ملت علیہ الرحمہ نے زندگی کا اثاثہ خدمت دین متین وتبلیغ مذہب حقہ کے لئے وقف کردیا تھا آپ کی زبان، آپکا قلم، آپکی فکر اور آپکی جدوجہد صرف احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے ہی صرف ہوتی ـــ

پاسبان ملت ایک نڈر بے باک اور مرد میدان مناظر تھے جو اپنوں میں نہیں غیروں کے صنم خانوں میں جاکر حق اور اہل حق کا علم بلند کرتے تھے۔ چنانچہ بھیونڈی میں مناظرہ کے لئے انتہائی متعصب اور کٹر دیوبندی غنی رحیم اللہ کا گھر منتخب ہوا تھا، نومبر ۱۹۷۳ء صبح ۸ بجے علماء اہلسنت کا نورانی قافلہ رحیم اللہ دیوبندی کی بلڈنگ پر پہنچ گیا دیوبندی قافلے میں مولوی ارشاد سفیر دارالعلوم دیوبند مولوی انور محمد ٹانڈوی سفیر کنزالعلوم ٹانڈہ، پالن حقانی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ مولانا ظل الرحمٰن وغیرہم تھے۔

اور اہلسنت والجماعت میں استاذ الاساتذہ بحرالعلوم مناظر اعظم حضور مجاہد ملت، سلطان المناظرین، رئیس المقررین مفتی رفاقت حسین صاحب مفتی کانپور شیخ الحدیث مولانا عاشق الرحمٰن، مولانا منصور علی خان اور خود حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ تھے سارس

مناظرہ کی رپورٹ پاسبان ملت نے اپنی کتاب قہر آسمانی میں شائع کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

" پالن صاحب ۔ نومبر ۷۳ء کی نشست میں حاضر رہے مگر اس طرح کہ چھ گھنٹے مسلسل سر جھکائے بیٹھے رہے اس وقفہ میں نہ تو ایک لفظ بولے اور نہ ہی سر اٹھایا ۔۔۔۔ "ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کی تصویر بنے رہے غالباً پالن صاحب کو پہلے سے سیکھا پڑھا دیا گیا تھا کہ خیریت اسی میں ہے کہ کچھ بولئے گا نہیں چنانچہ اس حکم کی انھوں نے بھرپور پابندی کی مگر سات نومبر ہی کو جناب پھوٹ گئے مناظرہ جناب ہی کی نفرمہ کی بنیاد پر تھا اور خود ہی رفو چکر ہو گئے دنیا میں ویسے بھی مناظر ہیں۔" (قہر آسمانی صفحہ ۵)

اس مناظرہ میں ثالث کی حیثیت سے ڈاکٹر سیادت علی خاں کو مدعو کیا گیا تھا مگر بروقت اپنی علالت کی اطلاع دیکر اپنی معذوری کا اظہار کر دیا۔ دیوبندی ملاؤں کے لیے یہ خط ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف تھا۔ ڈاکٹر سیادت علی خاں کے اس خط کو ان لوگوں نے جعلی قرار دیکر شور و ہنگامہ برپا کر دیا۔ اسی اثنا میں حواس باختہ شبیر راہی نے بوکھلاہٹ کے ساتھ ایک خط پڑھنا شروع کیا جسے وہ بگمان خویش ڈاکٹر میر سیادت علی خاں کا خط کہہ رہے تھے جسے ڈاکٹر میر سیادت علی نے جوابی تار کے جواب میں بھیجا تھا یہ سنتے ہی پاسبان ملت نے ایک بہت اہم گرفت کی اور فرمایا کہ جب حکم کا انتخاب اور مقرریہ ہمارے ذمہ ہے تو آپ نے جوابی تار اور خط و کتابت کی رسم و راہ ان سے کیوں پیدا کی ؟

یہ سنتے ہی شبیر راہی نے مبہوت و سراسیمہ ہو کر جواب دیا کہ ان سے رابطہ پیدا کرنے کا ہمیں بھی آپکی طرف سے اختیار دیا گیا ہے۔ اس پر پاسبان ملت علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے دوسرا اہم سوال یہ کیا کہ رابطہ پیدا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تار اور خط کو ہم سے صیغہ راز میں رکھا جائے بلکہ اس طرح کی ہر کارروائی کو ہمارے علم میں لانا ضروری ہے

پاسبان ملت کے شہ پارے

صحابہ، خلفاء راشدین، ائمہ مجتہدین، محدثین وہ اپنے اپنے عصر کے مجددین کل بھی قابل احترام تھے اور آج بھی ہیں۔ وہ اپنی دینی معلومات، علمی بصیرت قوت اجتہاد، زہد و تقوی، اتباع سنت غرضیکہ ہر اعتبار سے وہ ہم سے ممتاز تھے۔ ہم ان میں یا انکی خدمات میں کیڑے نکال کر انکی تو نہیں البتہ اپنی مٹی پلید کر رہے ہیں۔

لہذا اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم اب آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ تار کا وہ مضمون ہمیں دیجئے جسے آپ نے میر سیادت علی خاں کو بھیجا تھا اور نہ ہم اس کا یقین رکھتے ہیں کہ ہم نے انھیں لانے کی ہر ممکن جدوجہد کی اور آں جناب نے انھیں دھمکی دیکر آنے سے روک دیا۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور پاؤں تلے زمین کھسک گئی۔ اس کے بعد علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے واضح لفظوں میں یہ کہا کہ ہماری محنتیں صرف اس لئے رائیگاں ہو گئیں کہ آپ لوگوں نے ہم سے پوشیدہ رکھتے ہوئے منتخب سے ایسا ناجائز رابطہ قائم کیا جو متفقہ تحریروں کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آپ ہمیں تار کا مضمون دے دیجئے اس مطالبہ پر علماء دیوبند کو یقین ہو گیا کہ اگر ہم نے تار کا مضمون دیدیا تو ہمارے مکر و فریب کی قلعی کھل جائے گی ۔۔۔ ۷ نومبر ۷۳ء کی نشست ختم ہونے کے بعد علمائے دیوبند سے یہ دریافت کیا گیا کہ کل بھی نشست ہوگی یا نہیں ؟ ۔۔۔ حضور مجاہد ملت کے اس سوال پر مولوی ارشاد دیوبندی

نے یہ کہا کہ ہم لوگ کل صبح ۸ ر نومبر ۱۹۷۳ء کو معمول کے مطابق پھر یہیں بیٹھیں۔ چنانچہ حسب پروگرام اہلسنت صبح ۸½ بجے غنی رحیم اللہ دیوبندی کے گھر پہنچ گئے اہلسنت کے حافظ و قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اس کے بعد مولانا ارشاد دیوبندی نے اپنے حافظ و قاری کو قرآن مجید پڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے جیسے ہی ختم کیا پھر آنجناب نے دوسرے حافظ کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے ختم ہونے پر تیسرے حافظ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دی۔ اس پر علامہ نظامی نے فرمایا کہ یہ شبینہ و تراویح کی محفل نہیں ہے آپ نے ہمیں گفتگو کے لئے بلایا ہے۔ اس پر مولانا ارشاد نے یہ کہا کہ آپ ہمیں قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں، تو علامہ نظامی نے فرمایا کہ اسے روکنا کہا جائے گا یا آپ کو ڈھنگ اور سلیقہ سکھانا۔ اس پر بھی نہ مانے، اور قرآن پڑھاتے رہے جیسے ہی قرآن کی تلاوت ختم ہوئی ویسے ہی علامہ نظامی صاحب نے اپنے بزرگوں سے فرمایا کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے چنانچہ، جھوم جھوم کر صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔ پاسبان ملت تہرآسمانی ص۵ پر رقمطراز ہیں:

"ہم نے ۷ رنومبر سے ۸ رنومبر کی دوپہر تک دیوبندیت کے تابوت میں اپنی فتح و نصرت کی آخری کیل ٹھونک دی۔ غنی رحیم اللہ دیوبندی کی بلڈنگ میں دیوبندی علما و مناظر کی موجودگی میں تمام سنیوں نے ۳۰ منٹ تک جھوم جھوم کر کھڑے ہو کر سلام پڑھا، گرجتی آواز میں ہیں نے اکابر علماء دیوبند کی تکفیر کی۔ لیکن دیوبندی علما و مناظر اس طرح گونگے بہرے بنے بیٹھے رہے گویا سانپ نے سونگھ لیا ہو! نہ تو سلام کو بدعت کہہ سکے اور نہ ہی اکابر دیوبند کے کاندھے سے کفر کا بوجھ اٹھا سکے۔ یہ جو کچھ بھی ہوا اس خدائے قدیر کی تائید غیبی ہے"

گویا پاسبان ملت نے دشمنوں کے غول میں حق و صداقت کی صدا بلند کی اور باطل ان کے سامنے ذرہ برابر بھی مدافعت نہ کر سکا اور اسطرح بھیونڈیہہ کا مناظرہ میں اہلسنت و جماعت کی فتح مبین ہوئی۔

کچھ اسی قسم کی حلیہ تلاشی بھنگواں ضلع گونڈا کے مناظرے میں بھی دیوبندی علماء و مناظر نے اختیار کی تھی تاکہ کسی صورت مناظرہ کی نوبت ٹل جائے۔

بھنگواں کا مناظرہ علماء اہلسنت کے لئے انتہائی صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا راستے کی صعوبت، سواری کی مشکلات اور زوردار بارش، ایسے عالم میں میلوں دور کی منازل طے کرنا وہ بھی چند گھنٹو کی قلیل مدت میں ــــ پاسبان ملت اس سفر کی سرگزشت کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"مناظرہ کی دعوت قبول کر لینے کے بعد میں ۲۴ر جون کو ایک بجے شب فیض آباد پہنچا۔ وہاں خطیب شہیر مقرر گرامی مولانا قمرالزماں موجود تھے میں نے ان سے کہا میرے ہمراہ مناظرہ میں چلئے انھوں نے منشا سمجھ لیا اور صبح سویرے میرے شریک سفر ہوگئے پہلی بس سے ہم لوگ ہرّیا پہنچے اور وہاں سے بھنان اسٹیشن کے لئے ایک جیپ کیا۔ بھنان سے لینے کے لئے کسی درسگاہ کے دو چار طالب علم آئے تھے لیکن قیامت یہ تھی کہ، پولس کا آرڈر تھا کہ مولانا صاحبان کو کوئی جیپ والا نہ لے جائے اس ڈر سے کوئی جیپ اور ٹیکسی والا تیار نہ ہوا۔ مولانا قمرالزماں نے ایک ٹرک والے سے رسم و راہ پیدا کی اور کھڑار جو بھنان سے تقریبًا سات میل دور ہے۔ پچاس روپے میں وہاں کے لیے طے کر لیا جس وقت ہم لوگ کھڑار پہنچے موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔

کھڑار پہنچکر میں نیچے اتر گیا اور دوسرے لوگوں کو آواز دی کہ آپ لوگ بھی اتر جائیے۔ ایک صاحب نے فرمایا نظامی صاحب کیا ایسا ہی ہوگا میں نے کہا جی ہاں تقریر میں نہیں جانا ہے مناظرہ میں چلنا ہے۔ بس چند منٹ میں ٹرک خالی! اب ہمارے اور آسمان کے درمیان بارش کے سوا کوئی چیز حائل نہیں۔ علماء اور طلبا اپنی اپنی شیروانی یا نجلے صدری اور کرتے میں شرابور ہیں۔ اسّی آدمیوں کا قافلہ "بھنگواں سکرولی" کیلئے پیدل چل پڑا۔ بارش اپنے شباب پر اور مجاہدین کا یہ پیادہ پا

ــــــــــــــــــــ

۵ بحوالہ ــــ بھیونڈی کے مناظرہ میں علماء اہلسنت کی فتح مبین۔

قافلہ اپنی جوانی پر، آج اپنی جماعت کے بوڑھے بھی جوان نظر آرہے تھے" غرضیکہ بارش کو آج ایسے جوانوں سے سابقہ پڑا کہ وہ بھی پانی پانی ہو کر رہ گئی اور غرور کا سارا نشہ ہرن ہوگیا راستے کے نشیب و فراز، اونچ نیچ چھوٹے بڑے گڈھے، ندی نالے سبھی طے مگر دوڑ کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتا تھا دن کے گیارہ بج چکے تھے اور بعد نماز جمعہ سے مناظرہ کا آغاز تھا ——— میں پیدل چلنے میں بہت کمزور ہوں پورا قافلہ مجھ سے آگے بڑھ گیا محض دس پانچ آدمی میرا دل رکھنے کے لئے میرے دائیں بائیں آگے پیچھے تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ مفتی عبد المنان صاحب مجھ سے آگے نہ جا سکیں لیکن وہ تفسیر کبیر کی چند جلدیں چادر تولیہ میں تہ بہ تہ لپیٹے اور دوسرے ہاتھ میں چھتری تانے اتنے برق رفتار تھے کہ تقریباً ایک فرلانگ برابر مجھ سے آگے رہے۔

یہ خفتی قافلہ بھی عجیب تھا چار پانچ میلوں کی مسافت گویا چشم زدن میں طے ہوگئی۔ ہوتا یہ تھا کہ اس قافلے میں ہر دو چار منٹ بعد کوئی نہ کوئی پھسل کر ضرور گرتا جیسے ایک گرا قہقہہ بلند ہوا اس کے سنبھلتے سنبھلتے دوسرے صاحب پکے آم کی طرح ڈھک گئے دوسرا قہقہہ، ابھی یہ سنبھلے نہیں کہ تیسرے صاحب اراراد دھام سب نے قہقہہ لگایا۔ غرضیکہ انگڑائی لیتے نالے، بل کھاتی ندیاں، گرجتے بادل، چمکتی بجلیاں، کہیں دلدل، کہیں چکنی زمین کہیں مینڈ، کہیں وحشت ناک گڈھے ان سب سے لڑتے جھگڑتے، ہنستے بولتے گرتے پڑتے یہ راہ طے ہوگئی۔ گویا ؎

آ گئے در پہ ترے بیمار اٹھتے بیٹھتے"

——— (قہر آسمانی ص۲۲۶)

مگر ہوا یہ کہ جب علماء اہلسنت کو اس حالت میں آتے ہوئے دیکھا اور اکابرین علماء پر ان کی نظر پڑی تو انھیں مناظرہ سے پہلے ہی اپنی شکست کا یقین ہوگیا ——— اور انھوں نے مناظرہ سے بچنے کے لئے نئے نئے حیل و بہانے اور بے جا شرطا لگانے شروع کر دیئے۔

اس مناظرہ میں علماء دیوبند کی دو حرکتوں نے انھیں بالکل ننگا کر دیا تھا ان کی پہلی شرط تو یہ تھی کہ علماء مناظرہ نہیں کریں گے بلکہ اس دیہات کے کچھ پڑھے لکھے یا انگوٹھا چھاپ کریں گے اور دوسری بات یہ کہ فریقین کی تحریریں عوام کو نہیں سنائی جائیں گی ان کے اس مطالبہ کو اپنے بیگانے عوام و خواص سبھی نے علماء دیوبند کی شرمناک شکست و فرار سے تعبیر کیا۔ اور چہار جانب سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ بس اتنی سی بات علماء دیوبند کی ہار اور علماء اہلسنت کی فتح کے لئے کافی ہے ——— پاسبان ملت نے علماء دیوبند کی اس حرکت پر کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے:

"یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ پہلے سے ان کا طے شدہ پلان نہیں تھا ورنہ اگر ایسا ہوتا تو دیوبند کا نائب مفتی نہ آتا مولوی نشاط اور مولوی انوار محمد ٹانڈوی کو کیوں بلایا جاتا اور اگر گپ چپ خاموش مناظرہ طے ہوتا تو لاؤڈ اسپیکر کا آرڈر نہ دیا جاتا۔ لیکن یہ ڈرامائی شکل اس وقت اختیار کی گئی جب انھوں نے اپنی امیدوں کے خلاف ہمارے علماء طلباء عوام اور خواص کی بھیڑ بھاڑ دیکھی۔ چونکہ ان کا اپنا خیال یہ تھا کہ ہمارے پانچ گاؤں کی آبادی میں نہ کوئی عالم آئیگا اور نہ کوئی پبلک، لہذا ہم زیادہ ہوں گے اور وہ کم بس چٹکی بجاتے انھیں زیر بس کر کے اپنی دھاندلی سے مناظرہ ختم کر کے اپنی فتح کا اعلان کر دیں گے۔ مگر جب انھوں نے اہلسنت کا ٹڈی دل لشکر دیکھا تو اوسان خطا کر گئے اور علماء دیوبند خود اپنے میزبانوں سے الجھ گئے کہ تم نے تو دیوبند میں یہ کہا تھا وہ ہمارا ایسا علاقہ ہے جہاں وحشت کے مارے کوئی سنی آ ہی نہیں سکتا تم نے ہمارے ساتھ ۴۲۰ کیا اور دغابازی کی" (قہر آسمانی ص۲۲۷)

غرضکہ اہلسنت و جماعت کے علماء و مناظر کو دیکھ کر انھوں نے مناظرہ نہ کرنے ہی میں عافیت سمجھی اور اسی مقصد سے انھوں نے ایسی شرطیں لگائیں

جس سے مناظرہ کے بجائے اشتعال پیدا ہو۔ اور تو تو میں میں کے بعد بالآخر مناظرہ ٹھپ ہو جائے۔۔۔۔ مگر علمائے اہلسنت نے یہ طے کر لیا تھا کہ پہلے انھیں ضابطہ پابند بنانے کی کوشش کی جائے اور اگر یہ نہ مانیں تو انھیں کسی طرح چھوڑا نہ جائے۔ بلکہ پوری طرح ننگا کر دیا جائے۔ تاکہ پھر کبھی یہ مناظرہ کا نام تک نہ لیں۔

جب علمائے دیوبند کی بے جا ہٹ دھرمی اور ضد کے سبب لوگ مشتعل ہو گئے اور شور و ہنگامہ اپنے شباب پر آ گیا تو داروغہ نے (جسے نظم و نسق اور انتظامی سہولت کے لئے بلایا گیا تھا) فریقین سے ایک ایک نمائندہ طلب کیا تاکہ اس کے روبرو گفت گو ہو اور کوئی حل تلاش کر لیا جائے۔ لہذا دیوبندیوں نے اپنا ایک نمائندہ بھیجا اور اہلسنت کی جانب سے شیر غزاں، مناظر دوراں علامہ نظامی علیہ الرحمہ کو بھیجا گیا۔

دونوں نمائندے اور داروغہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حسین چٹخارے سے کم نہیں جسے خود پاسبان ملت علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب قہر آسمانی میں بھی شائع کیا ہے۔

داروغہ:۔۔۔ نظامی صاحب کی طرف مخاطب ہو کر۔۔۔ فرمائیے آپ کا مطالبہ کیا ہے؟

نظامی صاحب:۔۔۔ میرا مطالبہ یہ ہے کہ فریقین کی جو تحریریں ایک دوسرے کو موصول ہوں اسے لاؤڈ اسپیکر پر پڑھ کر عوام کو سنایا جائے تاکہ وہ مناظرہ کی کارروائی سے باخبر ہوتے رہیں۔

داروغہ:۔ دیوبندی نمائندہ کی طرف مخاطب ہو کر "اس پر آپکو کیا کہنا ہے؟"

دیوبندی نمائندہ:۔ میرا کہنا یہ ہے کہ مناظرہ کے لئے فریقین کے دستخط سے باضابطہ پوسٹر شائع ہو چکا ہے اور اس میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ تحریریں سنائی جائیں لہذا ہماری درخواست ہے کہ ہم دونوں اس پوسٹر کی پوری پوری پابندی کریں۔

داروغہ:۔ نظامی صاحب سے مخاطب ہو کر "اب آپکو کیا کہنا ہے؟"

نظامی صاحب:۔ بات بظاہر معقول ہے مگر یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے، میرا مطالبہ یہ ہے کہ اگر محض اس بنیاد پر تحریر نہ سنائی جائے کہ پوسٹر میں سنائے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تو ہم گذارش کریں گے کہ پوسٹر میں ہمیں یہ دکھایا جائے کہ "تحریر نہ سنائی جائیگی" کہاں لکھا ہوا ہے؟ لہذا معلوم ہوا کہ تحریر سنائی جانے یا تحریر نہ سنائی جانے ان دونوں باتوں میں پوسٹر خاموش ہے اس لئے پوسٹر کی پابندی کو حیلہ بنانا درست نہیں۔

داروغہ:۔ دیوبندی نمائندہ سے مخاطب ہو کر "کیا آپ پوسٹر میں ایسا دکھا سکتے ہیں کہ تحریر نہ سنائی جائے؟"

دیوبندی نمائندہ:۔۔ جی نہیں۔

داروغہ:۔۔ پھر آپ ایسا مطالبہ کیوں کر رہے ہیں؟

دیوبندی نمائندہ:۔۔ ہم اس لئے مطالبہ کر رہے ہیں کہ مجمع بہت زیادہ ہے اندیشہ ہے تحریر سنانے کے بعد کہیں پبلک میں اشتعال نہ پیدا ہو کہ جس سے فساد ہو جائے۔

داروغہ:۔ نظامی صاحب سے مخاطب ہو کر "بات تو بالکل صحیح اور معقول ہے"

نظامی صاحب:۔ حیرت اور تعجب ہے کہ آپ ایسی غیر معقول بات کو معقول کہہ رہے ہیں۔

داروغہ:۔۔ اس میں کون سی غیر معقولیت ہے؟

نظامی صاحب:۔۔ اس میں معقولیت نہیں بلکہ آپ پر حملہ ہے۔

داروغہ:۔۔ مجھ پر کیا حملہ ہے؟

نظامی صاحب:۔۔ ان کا یہ کہنا کہ تحریر سنانے کے بعد فساد کا اندیشہ ہے تو گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ سب لوگ بالکل ناکارہ ہیں یعنی آپ نہ تو فساد روک سکتے ہیں اور نہ ہی امن برقرار رکھ سکتے ہیں۔ اس لئے جناب کا یہ حملہ آپ کے انتظامیہ پر شدید حملہ ہے لہذا آپ انہیں سمجھائیے کہ فساد روکنا اور امن برقرار رکھنا میرا ذمہ ہے۔ ورنہ اپنے عوام کی ذمہ داری ہم لئے لیتے ہیں اگر ہماری طرف شور و غل

ہوا تو ہمارا ہاتھ اور آپکی ہتھکڑی اور اگر ان کے مجمع میں ہر بونگ ہو تو ان کے ہاتھوں میں آپکی ہتھکڑی ۔

داروغہ :۔ دیوبندی نمائندہ سے مخاطب ہو کر" کہتے کیا آپ اس کی ذمہ داری لیتے ہیں"؟

دیوبندی نمائندہ :۔ ہر گز نہیں ۔

داروغہ :۔ "آپ کو اپنے عوام پر بھروسہ نہیں یا آپکے عوام کو آپ پر اعتماد نہیں ہے"؟

نظامی صاحب :۔ غالباً کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں ہے ۔

دیوبندی نمائندہ :۔ داروغہ صاحب! آپ انہیں روکئے دیکھئے میرا مذاق کر رہے ہیں ۔

داروغہ :۔ مسکراتے ہوئے" اچھا اب آپ ہی لوگ کوئی حل تلاش کیجئے ۔

نظامی صاحب :۔ میری تجویز یہ ہے کہ جب پوسٹر میں تحریر سنانے یا نہ سنانے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہے تو ایسا ہو کہ ایک دن کا مناظرہ گپ چپ خاموش ہو یعنی تحریر سنائی جائے اور دوسرے دن کا مناظرہ بولتا ہوا یعنی تحریر سنائی جائے ۔

داروغہ :۔ بیساختہ بول پڑے ۔ کہئے مولانا یہ تجویز منظور ہے ؟

دیوبندی :۔ ارے داروغہ صاحب اس میں سنانے یا نہ سنانے کا کوئی تذکرہ ہو یا نہ ہو مگر یہ تو ہے کہ مناظرہ تحریری ہوگا ۔ لہٰذا ہم اس کے پابند ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے ۔

داروغہ :۔ نظامی صاحب سے ..... "اب آپ کیا کہتے ہیں"؟

نظامی صاحب :۔ تحریری مناظرہ کا مطلب انھوں نے نہیں سمجھا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تحریر نہ سنائی جائے بلکہ تحریر کی قید اس لئے لگادی گئی ہے تاکہ طرفین کا کوئی مناظر اپنی کسی بات سے انکار نہ کر سکے ۔

داروغہ :۔ اس کا کیا مطلب ؟

نظامی صاحب :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زبانی مناظرہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً میں نے یہ کہا کہ جناب نے جو بات کہی ہے وہ بالکل سراسر جھوٹ ہے اور اگر سچ ہے تو اس پر دلیل قائم کیجئے تو ہمارا مدمقابل مناظر اپنی تقریر میں کہے گا کہ جناب میں نے تو کہا ہی نہیں تھا آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں ۔ اس لئے کہ کہی ہوئی بات میں انکار کی گنجائش رہتی ہے لہٰذا اس کا دروازہ بند کرنے کے لئے تحریر کی قید لگا دی گئی ۔

داروغہ :۔ دیوبندی نمائندہ سے ... کیوں مولانا بات تو صحیح ہے ۔

دیوبندی :۔ جی ہاں بات تو صحیح ہے مگر چونکہ پوسٹر میں سنانے کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا ہم پوسٹر کی پابندی کریں گے ۔

نظامی صاحب :۔ مرغے کی وہی ایک ٹانگ ۔

دیوبندی :۔ دیکھئے داروغہ صاحب! میری بات کاٹ کر یہ پھر مذاق کرنے لگے ۔

داروغہ :۔ سنجیدہ ہو کر آپ لوگ خود ہی کوئی فیصلہ کر لیجئے تو بہتر ہے پبلک پریشان ہے ۔

نظامی صاحب :۔ داروغہ صاحب ایسا ہو کہ پہلے ہمارا اور ان کا مناظرہ اس موضوع پر ہو جائے کہ تحریری مناظرہ کا مطلب کیا ہے ؟

دیوبندی :۔ اس کا فیصلہ کون کرے گا ؟

نظامی صاحب :۔ اس کا فیصلہ عوام کرے گی یہ کئی ہزار کا مجمع حکم اور ثالث ہے

داروغہ :۔ کہئے جناب یہ تجویز آپ کو منظور ہے ؟

دیوبندی :۔ جی نہیں ۔

داروغہ :۔ کیوں ؟

دیوبندی :۔ عوام تو یہی چاہتی ہے کہ تحریر سنائی جائے ۔ لہٰذا ہم اسے اپنا حکم کیسے مان سکتے ہیں ۔ داروغہ صاحب ہنس پڑے اور کہا گویا آپ وہی کام کرنا چاہتے ہیں جو عوام کی مرضی کے خلاف ہو ۔

دیوبندی :۔ ہم نے عوام کو بلایا کب ہے جو ان کی مرضی کی ہم پابندی کریں ۔

نظامی صاحب :۔ یہ جھوٹ ہی نہیں بلکہ عوام کے ساتھ کھلا ہوا فریب ہے ۔

دیوبندی :۔ نظامی صاحب سنبھل کر بولئے آپ ہم پر الزام لگا کر ہمیں فریبی بنا رہے ہیں۔

نظامی صاحب :۔ میں آپ کو فریبی نہیں بنا رہا ہوں بلکہ آپ ایک حقیقت کو بھول چکے ہیں اس لئے میں اسے بتا کر آپکو یاد دلا رہا ہوں۔

داروغہ :۔ وہ کیا ؟

نظامی صاحب :۔ جناب کا یہ کہنا کہ میں نے عوام کو بلایا کب یہ جھوٹ اور فریب نہیں تو اور کیا ہے ؟ اگر عوام کو بلانا مقصود نہ ہوتا تو پوسٹر کیوں شائع کیا گیا۔

دیوبندی :۔ جی نہیں پوسٹر عوام کو بلانے کے لئے نہیں بلکہ چندہ کی غرض سے شائع کیا گیا ہے اگر ہم پوسٹر شائع نہ کرتے تو روپیہ کیسے اکٹھا ہوتا۔ اس پر بہت زور کا قہقہہ لگا۔

نظامی صاحب :۔ اچھا یہ تو فرمایئے کہ آپ کا کوئی عالم مناظرہ کیوں نہیں کر رہا ہے ؟

دیوبندی :۔ علماء بلائے نہیں گئے مناظرہ کا پوسٹر دیکھا خود چلے آئے۔

نظامی صاحب :۔ اچھا تو آپ کے علماء بن بلائے مہمان ہیں غالباً لاؤڈ اسپیکر بھی خود ہی چلا آیا ہے۔ قہقہہ۔

دیوبندی :۔ یہ کیا مطلب لاؤڈ اسپیکر بن بلائے کیسے آ گیا ؟

نظامی صاحب :۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جسطرح علماء بغیر بلائے آ گئے ہیں تو آپ ان سے مناظرہ نہیں کروا رہے ہیں اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر والا بھی آپ کے آرڈر کے بغیر لے کر چلا آیا ہے اسی لئے آپ اسے استعمال نہیں کر رہے ہیں۔

دیوبندی :۔ جی نہیں لاؤڈ اسپیکر کا آرڈر بہت پہلے بک کر دیا گیا تھا۔ پھر قہقہہ.....

نظامی صاحب :۔ تو کیا آرڈر اسی لئے دیا تھا کہ وہ لگا تو رہے گا مگر اس پر بولا نہ جائے یہ آپ کی الٹی منطق اپنی سمجھ سے باہر ہے۔

دیوبندی :۔ بات یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر چندہ کی رقم سے نہیں آیا بلکہ ایک صاحب نے کہہ دیا تھا لاؤڈ اسپیکر کی ذمہ داری میری ہے یہ ان کی طرف سے ہے۔

نظامی صاحب :۔ جب خاموش مناظرہ مقصود تھا تو آپ ان سے کہہ دیتے کہ مناظرہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

دیوبندی :۔ اس وقت یہی طے تھا کہ تحریر سنائی جائے گی۔

نظامی صاحب :۔ تو پھر اس وقت رائے کیوں بدل گئی ؟

دیوبندی :۔ ابھی جب ہم لوگوں نے غور سے پوسٹر پڑھا تب سمجھ میں آیا کہ اس میں سنانے کا تذکرہ نہیں۔ لہٰذا قانون کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

نظامی صاحب :۔ یہ قانون دستور ہند کا نہیں ہے یہ تو ہمارا اور آپ کا باہمی سمجھوتہ ہے چشم روشن دل ناشاد ________

آیئے ہم دونوں تحریر سنانے کا اقرار کر لیں اور اس کا بھی اقرار کر لیں کہ عوام نہیں بلکہ علماء مناظر ہوں گے۔

دیوبندی :۔ پوسٹر میں یہ کہاں ہے کہ علماء مناظر ہوں گے ؟

نظامی صاحب :۔ پوسٹر میں یہ کہاں ہے کہ فریقین مناظر ہوں گے ؟

داروغہ :۔ کیا پوسٹر میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ؟

نظامی صاحب :۔ میں نے شمار کر کے بتایا کہ پوسٹر میں چودہ جگہ لفظ مناظرہ ہے مگر مناظر کا لفظ ایک جگہ بھی نہیں ہے ____ علاوہ ازیں طے ان امور کو کیا جاتا ہے جس میں نزاع یا اختلاف ہو یہ کوئی اختلافی مسئلہ تو ہے نہیں اسے تو سبھی جانتے ہیں کہ مناظر علماء ہی ہوں گے۔

داروغہ :۔ کیا یہ سچ ہے کہ پوسٹر میں مناظر کا کوئی تذکرہ نہیں ؟

دیوبندی :۔ جی ہاں۔

داروغہ :۔ تو پھر آپ کے علماء کیوں نہیں مناظرہ کرتے ؟

دیوبندی :۔ ہم نے علماء کو مناظرہ کے لئے نہیں بلایا۔

نظامی صاحب :۔ آپ نے نہ تو علماء کو بلوایا اور نہ لاؤڈ اسپیکر کا آرڈر دیا تو پھر اتنا لمبا چندہ کس لئے کیا ؟ ____ پھر قہقہہ ____

داروغہ :— خیر چھوڑیئے آپ نے مناظرہ کے لئے نہیں بلوایا لیکن آگئے ہیں تو مناظرہ ہوجائے ہم لوگوں کو بھی مزہ آئیگا۔

نظامی صاحب :- داروغہ صاحب مزہ تو جب آتا کہ تحریر سنائی جائے جب تحریر ہی نہیں سنائی جائیگی تو آپ کو کیا خبر کس نے کیا لکھا؟—
اس لئے آپ انھیں راضی کیجئے کہ مناظر علماء رہوں اور تحریر سنائی جائے۔

داروغہ :— مولانا بات تو دونوں مناسب ہے مان لیجئے تاکہ مناظرہ شروع ہوجائے۔

دیوبندی :— ہمیں تو انہیں دونوں باتوں کے ماننے سے روکا گیا ہے۔

پھر قہقہہ —

نظامی صاحب :- گویا آپ مسائل کو حل کرنے نہیں آئے ہیں آپ مجبور محض ہیں۔ لہٰذا داروغہ صاحب میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ ان کی جماعت کا ایسا نمائندہ طلب کیجئے جسے اتنا اختیار ہو کہ حق و انصاف کی روشنی میں وہ حق کو قبول کر سکے۔

داروغہ :— اچھا آپ اپنے اسٹیج پر تشریف لے جائیں میں پھر ان لوگوں سے ملکر گفتگو کرتا ہوں —

اتنی دیر گفتگو کے بعد بھی دیوبندی علماء نے اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے اور باز آئے بھی کیسے — ان پر تو اکابر علماء اہلسنت کا ہوّا سوار تھا۔ کافی دیر بعد اطلاع آئی کہ وہ لوگ کسی طرح بھی آپکی شرطیں ماننے کو تیار نہیں اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ مناظرہ ختم کر دیا جائے۔
مگر علماء اہلسنت نے متفقہ طور پر یہ جواب دیا کہ ہم خود نہیں آئے بلکہ ہمیں یہ چیلنج دیکر بلایا گیا ہے۔ اگر علماء دیوبند یہ تحریر دیں کہ ہملوگ مناظرہ کو تیار نہیں اور علماء اہلسنت واپس جاسکتے ہیں تب مناظرہ ختم ہوگا—
مگر علماء دیوبند یہ کہہ کر اس وقت تحریر دینے سے انکار کر دیا کہ ہم اپنی شکست تسلیم نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری شرط منظور ہو تو مناظرہ ہوگا ورنہ نہیں — بالآخر علماء اہلسنت نے انہیں کی شرائط پر تحریری مناظرہ شروع کر دیا۔ مگر وہ مناظرہ کیا کرتے اہلسنت کے سوالوں کے جواب نہیں گالی لکھ لکھ کر بھیجنے لگے۔

اس موقع پر علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی ذہانت و حاضر جوابی دیکھنے اور سننے کے قابل تھی۔ پاسبان ملت خود فرماتے ہیں۔
" ان لوگوں نے تحریر بھیجی کہ اپنے تلسی پوری یعنی مولانا عتیق الرحمٰن خاں صاحب کو باہر کیوں نہیں لاتے — جواب دیا گیا جب جھنڈا نگری مولوی عبدالرؤف کو رونمائی کے لئے تم پردہ سے باہر کروگے تو مولانا خود ہی عشق کی زکوٰۃ لٹانے آئیں گے۔ دوبارہ ان لوگوں نے تحریر بھیجی کہ ہمیں جھنڈا نگری سے کیا واسطہ، پتہ تو آپلوگوں کو ہوگا کہ انھوں نے جھنڈا کہاں کہاں گاڑا اور آپ لوگوں پر کیا گذری — میں نے اس کا جواب بھیجا کہ جھنڈا کسی کا ہو بانس ہمارا ہی ہے چونکہ ہملوگ رائے بریلوی نہیں بانس بریلوی ہیں۔ بانس ہاتھ سے نہ چھوٹے ورنہ جھنڈا گر جائے گا" —

آخر کار انھیں جب ہر میدان میں شکست ہونے لگی تو انھوں نے دفعہ ۱۴۴ لاگو کرا دیا مگر اس کے باوجود تقریباً چھ روز مناظرہ ہوتا — بالآخر ۳۰ جون کو ان لوگوں نے تحریر بھیجی کہ بارش زیادہ ہو رہی ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ مناظرہ ملتوی کر دیا جائے — علماء اہلسنت نے چودہ شرائط پر مشتمل جواب دیا کہ اگر یہ شرطیں منظور ہوں تو آئندہ کسی بھی تاریخ کیلئے مناظرہ ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان تمام شرائط کو من وعن منظور کر لیا اور متفقہ طور پر ۳ شوال کی تاریخ آئندہ مناظرہ کیلئے مقرر ہوگئی — مگر جب مقررہ تاریخ ۳ شوال کو علماء اہلسنت بھنگواں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دیوبندیوں نے اپنی شکست کی تحریر دیدی اور مناظرہ سے انکار کر دیا۔

اس مناظرہ میں پاسبان ملت علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے ایک اہم کردار ادا کیا اور فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوگے۔
گویا علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی ۴۷ سالہ زندگی بہت ہی مصروف گذری آپ نے خدمت دین متین تبلیغ مذہب حقہ اور تردید عقائد باطلہ میں

باقی ص۱۶۱ پر ملاحظہ کریں

پاسبانِ ملت کا تصلب فی الدین

از قلم: ـــ حضرت علامہ محمد ادریس رضا خاں ۔ حشمت نگر ۔ پیلی بھیت

مذہب وملت کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے تصلب فی الدین ایمان کا ایک جز ہے جن لوگوں نے سرور کائنات روحی فدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار اور ان کا دور گرامی دیکھا ان کی قسمت کا کیا پوچھنا ہے ایمان لانے کے بعد ایمان پر قائم ودائم رہنا اور اس کی حفاظت وصیانت ہی ان کا مطمح نظر رہتا تھا اور اس ضمن میں گردش وقت کے ہزار مصائب وآلام انھوں نے برداشت کئے مگر پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا جان ومال عزت آبرو سب قربان کردیا اطاعت سرور کائنات میں یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی رکاوٹیں بھی ان کے پائے استقلال کو متزلزل نہ کرسکیں تاریخ کا وہ واقعہ کون نہیں جانتا جبکہ اسلام لانے کے بعد ایک روز سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شاہزادے حضرت عبد الرحمٰن نے فرمایا۔ والد مکرم ایک مرتبہ

> ★ خلیفہ اول نے فرمایا بیٹے وہ تمہارے مذہب کی کمزوری تھی اگر میری جگہ تم ہوتے اور تمہاری جگہ میں تو میری تلوار کبھی نہ سوچتی کہ باپ کون ہے اور بیٹا کون؟

میدان جنگ میں آپ بالکل میرے سامنے پڑ گئے تھے بہترین موقع تھا کہ میں آپ کو تہ تیغ کردیتا مگر یہ خیال آیا کہ آپ میرے والد ہیں اٹھی ہوئی تلوار رک گئی تو والد مکرم حضرت خلیفہ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹے وہ تمہارے اس وقت کے دھرم کی کمزوری تھی قسم ہے وحدہ لاشریک کی اگر میری جگہ تم ہوتے اور تمہاری جگہ میں ہوتا تو ابوبکر کی تلوار کبھی یہ نہیں سوچتی کہ باپ کون ہے بیٹا کون ہے ابوبکر کون ہے عبد الرحمٰن کون ہے میری تلوار ہوتی اور تمہارے سر ودھڑ کا فیصلہ ہوجاتا۔ معلوم ہوا کہ ایمان ہی اصل ہے جس پہ

> ★ جنگ میں فاروق اعظم کے سامنے ایکبار ان کا ماموں آگیا تو آپ نے رشتہ کا خیال نہیں کیا بلکہ آن واحد میں ماموں کا سر تن سے جدا کردیا۔

تمام رشتوں اور تمام تعلقات کا دارومدار ہے۔ یونہی تاریخ اسلام کا وہ واقعہ جو خلیفہ ثانی اشدّ علی الکفار حضرت فاروق اعظم سے متعلق ہے کہ میدان جنگ میں ایک بار آپ کے مقابل آپ کا ماموں آگیا تو آپ نے رشتے کا خیال نہیں کیا بلکہ فاروقی تلوار نے آن واحد میں ماموں کا سر تن سے جدا کردیا۔ یہی جذبہ صحابہ اکرام کے بعد تابعین عظام اور پھر رفتہ رفتہ اسلاف کرام علمائے ربانیین میں بھی پایا جاتا ہے اور پھر اس صدی میں مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطمح نظر تو تصلب فی الدین کی دلیل بن گیا۔ خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی انھیں اجلہ علمائے کرام میں سے تھے جنھیں دست قدرت نے تحفظ وناموس رسالت کے سلسلے منتخب فرمالیا تھا۔ آپ کی خطابت وتحریر نے کتنے بند دلوں کو حب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا خوگر بنادیا۔ ایام طالب علمی ہی میں جبکہ

بعض کتابیں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے اندر دوسرے مذہب مدرسین کے
پاس رہیں تو آپ نے اپنے مشفق و مربی حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ سے کہہ کر
استاد برحق شمس العلما حضرت مولانا نظام الدین صاحب اور حضرت مولانا
عبد الرب صاحب مراد آبادی کے پاس منتقل کروالیں اور پھر فراغت کے
بعد کچھ سال درس و تدریس کے فرائض کی انجام دہی کے بعد ملک کے گوشوں کا
دورہ شروع کیا تو پھر تردید باطل میں اپنا جواب نہیں رکھا جدھر پہنچ گئے
دہابیت لرزہ بر اندام ہوتی ہوئی نظر آئی۔ تقریر و خطابت کے علاوہ اللہ نے
آپ کو اور بھی خصوصیتوں سے نوازا تھا مگر مجھے آپ کی ذات سے جس نے
سب سے زیادہ متاثر کیا وہ آپ کا تصلب فی الدین تھا۔ دین و ملت کے سلسلے
میں کسی طرح کی بھی کوئی نرم پالیسی آپ نے کبھی بھی گوارہ نہیں کی اور اس کی ایک
زندہ مثال وہ ہے جبکہ بمبئی عظمیٰ میں مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں جلسۂ احتجاج
منعقد ہوا تھا۔ عام لوگوں کا بلکہ کچھ علما کا بھی اس بات پر اتفاق تھا کہ اس وقت
مسلمان کہلانے والے مذاہب باطلہ سے ٹکراؤ کی بات نہیں ہے بلکہ مسلم و
غیر مسلم کے نام پر براہ راست حکومت سے ٹکر کی بات ہے لہذا اس میں
بنام مسلم ہر مکتبۂ فکر کو شریک ہونا چاہیئے سنی بڑی مسجد مدنپورہ بمبئی میں
میٹنگ ہوئی تو حضرت نظامی صاحب نے ایک عالم کو مخاطب کرتے ہوئے
فرمایا سنو بزم خطابت اور ہے مسلک اعلیحضرت اور ہے بتائیے اگر ہم
شریک ہو گئے تو کل میدان محشر میں اپنے اکابر کو کیا جواب دیں گے سرکار

> ★ پاسبان ملت ——— بھی انھیں اجلہ علماء کرام میں
> سے تھے جنھیں دست قدرت نے تحفظ ناموس رسالت کیلئے
> منتخب فرمایا تھا۔ آپکی خطابت و تحریر نے کتنے بند دلوں کو حب مصطفےٰ کا خوگر بنادیا

اعلیٰ حضرت کو کیا جواب دیں گے۔ مناظر
اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی خاں۔ محدث اعظم۔ مولانا فضل رسول
بدایونی، علامہ فضل الحق خیر آبادی، حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت اور
حضرت محبوب ملت امین شریعت کو کیا جواب دیں گے۔ ان کی روح صبح قیامت تک

ہم سے مطالبہ کرتی رہے گی لہذا میرا مشرب یہ ہے کہ ایسے جلسوں میں جس میں
بد مذہبوں کی شرکت ہو اس میں قطعاً شریک نہ ہوا جائے چنانچہ نہ آپ شریک
ہوئے نہ آپ کے متعلقین۔ ایک بار فقیر سے فرمایا میں آپ حضرات کی اس
لئے قدر کرتا ہوں کہ آپ شیر بیشۂ سنت مناظر اعظم ہند علیہ الرحمہ کے
شاہزادے ہیں تصلب فی الدین آپ حضرات کی گھٹیوں میں پلایا گیا ہے۔
آپکے والد اور چچا حضرت محبوب ملت تک تو مختلف نام رہے مگر میں دیکھتا
ہوں کہ آپ کے والد صاحب قبلہ کا تعلق جب سے اعلےٰ حضرت سے ہوا تو سچے
عاشق کی حیثیت سے انھوں نے ہر موڑ پر اعلیحضرت کی نسبت پر فخر کیا۔
حتیٰ کہ اب آپ کے گھر میں جتنے لوگ پیدا ہوئے سب کا نام اعلیحضرت کی
جانب منسوب کرتے ہوئے رضا کے ساتھ متعلق کیا مثلاً شاہد رضا
احمد مشہود رضا۔ عسکری رضا، ادریس رضا، معصوم الرضا اور ناصر رضا
ایسی ہے آپ لوگوں سے ہمیں اور بھی محبت ہے کہ آپ حضرت کی نسبت
امام احمد رضا کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک مرتبہ دار العلوم غریب نواز الہ آباد
کے جلسۂ دستار فضیلت میں حاضر ہوا بعد نماز عشا آغاز اجلاس پر میں نے
حضرت علامہ نظامی صاحب سے کہا کہ حضرت مجھے کب بولنے کا موقع دے
رہے ہیں تو آپ نے فرمایا مولانا جلسہ آپ کا ہے سارا وقت آپ کے لئے
وقف ہے جب چاہیں بولیں اور جتنی دیر تک چاہیں بولیں۔ میں چاہتا ہوں
کہ مجھے عالم شباب پر ہو تو اس وقت آپ کو زحمت دیجائے تاکہ دل کھول
کر آپ بول سکیں میرے پاس جو کچھ ہے وہ آپ ہی حضرات کے گھر کا دیا ہوا
ہے چنانچہ حضرت شیر بیشۂ سنت سے غایت درجہ کی عقیدت و محبت تھی
آپ نے فرمایا مولانا خدمت دین تو انھیں حضرات کا حصہ تھا آج تو لوگ
پہلے نذرانہ طے کرتے ہیں سواریوں کی پوری تفصیل پوچھتے ہیں زاد راہ کا
مطالبہ پہلے ہوتا ہے تب ہم لوگ اجلاس میں شرکت کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات
نے خدمت دین کا تصور پہلے کیا پھر اس کے ضمن میں اللہ نے ان کے
لیے ساری سہولتیں بھی مہیا کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیر بیشۂ سنت
کے وصال کے بعد آپ نے پاسبان کا "شیخ ملت نمبر" شائع کیا اور حضرت

شیر بیشۂ سنت کی بارگاہ میں منثور و منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ کئی جلسوں میں
میں آپ کے ساتھ شرکت اور تقریر کا اتفاق ہوا تقریر کے بعد آپ فرماتے
حضرت شیر بیشۂ سنت کا فیض ہے جو اب شاہزادوں کے ذریعہ عام ہو رہا ہے
سرکار شیر بیشۂ سنت کی زندگی دین کے لئے سراپا خلوص للہیت تھی یہی وجہ ہے کہ
دنیائے سنیت نے آپ کو مظہر اعلیحضرت کا خطاب دیا ان کی جو پالیسی تھی
اس کو حضرت علامہ نظامی فوقیت دیتے تھے اور فرماتے تھے آپ نے جو انمٹ
نقوش چھوڑے ہیں اگر اس چھاپ کے بغیر ہماری زندگی کو دیکھا جائے تو
زندگی زندگی نہیں ایک لفظ بے معنی ہو جسے میدان مناظرہ میں تلاش کریں تو
یہ معلوم ہو ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

آپ فرماتے تھے بریلوی مسلک کے فروغ دار تھا میں اگر سب سے پہلے
کسی کا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ حضرت شیر بیشۂ سنت اور حضرت محبوب ملت
کا دنیا ہزار طعنہ دیتی رہی لیکن علامہ جامی کی زبان میں یہی لکھتے تھے ؎

بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم

مذکورہ بالا کلمات سے آپ کے موقف کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے
چنانچہ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ آپ جہاں بھی گئے مسلک اہلسنت وجماعت
کی کھلی ہوئی کتاب لیکر گئے خطابت کیا تھی بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک
ایک بار گجرات میں ایک وہابی سے بحث ہونے لگی آپ نے فرمایا اسماعیل دہلوی
نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ حضور ہمارے بڑے بھائی جیسے
تھے سو بڑے بھائی جیسی تعظیم کرو وہابی نے کہا کہ بڑے بھائی کہا ہے چھوٹے
بھائی تو نہیں کہا آپ نے کڑک کر جواب دیا اگر حضور سے اس طرح کا رشتہ پیدا
کرنا جائز ہے تو قرآن عظیم کی اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے۔
ما کان محمد ابا احد من رجالکم حضور تم میں سے کسی کے باپ
نہیں ہیں اب اس کے پاس جواب کا کوئی چارہ نہیں تھا تو خفگی مٹانے
کے لئے کہتا ہے ارے یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے سالا اپنے بہنوی سے
مذاق کر لیتا ہے آپ نے پھر گرج کر جواب دیا نادان تجھے معلوم نہیں کہ سرکار
گرامی وقار صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے
قرآن عظیم تو یہاں تک ارشاد فرماتا ہے کہ ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم
لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون ——— اتنا سننا تھا
کہ وہ مخبوط الحواس ہو کر ادھر ادھر تاکنے لگا اور پھر کسی طرح جان بچائی۔

حالات و واقعات کی روشنی میں اندازہ لگایا جائے تو حضرت علامہ نظامی
کی پوری زندگی احیائے دین اور مسلک اعلیحضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ
کی نشر و اشاعت میں گذری اور اس میں نہ کسی کی دوستی کا خیال رہا نہ کسی
کی دشمنی کی پرواہ۔ اپنے بزرگوں سے نیازمندانہ برتاؤ چھوٹوں پر شفقت
مناظرے کے میدان میں اخیر عمر میں بھی نوجوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے نظر آئے
جسکی تفصیل کے لیے مناظرہ بہن گاؤں کا مطالعہ فرمائیں حضور مجاہد ملت
سے حد درجہ محبت تھی حضور مفتی اعظم ہند کی بارگاہ میں سراپا عجز و نیاز کے
پیکر نظر آتے تھے۔

> پاسبان ملت کی پوری زندگی
> احیائے دین اور مسلک اعلیحضرت کی نشر و اشاعت میں گذری
> اور اس میں نہ کسی کی دوستی کا خیال رہا نہ کسی کی دشمنی کا پرواہ۔

اب ایسے لوگ کہاں ہیں۔
الا ماشاء اللہ سچ کہا ہے کسی نے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسٹیج کی دنیا میں دو سال بیشتر بمبئی وکرولی میں شہید اعظم کانفرنس
کے اندر تشریف لائے کچھ کلمات خیر جسمیں خصوصیت کے ساتھ علمائے اہلسنت
سے حسن سلوک ان کا ادب و احترام اور مسلک اہلسنت پر قائم و دائم رہنے کیلئے
نصیحتیں فرمائیں پھر وطن واپس ہوتے ایسے خاموش ہوئے کہ آج جلسے اور
جلوس غوثیہ کی فضائیں ہر جانب انھیں تاک رہی ہیں مگر وہ ابدی نیند کے اس
گہوارے میں آرام فرما ہیں جہاں سے واپسی ناممکن ہے جب تک زندہ رہے

عظمت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے گن گاتے رہے تردید باطل اور مذہب حق اہلسنت وجماعت کا پرچم بلند کرتے رہے۔ جہاں پہنچے لوگ پکار اٹھے پاسبانِ ملت آگئے۔ خطابت کی دنیا میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا ہم لوگ بھی بحمداللہ تعالیٰ مذہبی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں مگر بسا اوقات سفر کی صعوبتوں کا احساس ہو جاتا ہے مگر ایک وہ تھے صبح یوپی میں ہیں تو رات بہار میں آج مہاراشٹر میں ہیں تو کل گجرات و کرناٹک میں ایک سیماب صفت زندگی تھی۔ جو مذہب حق اہلسنت وجماعت کی حمایت و نصرت کے لیے وقف تھی۔ چھوٹوں کو نوازنا اور بڑوں کے ادب و احترام کا درس دینا بلکہ خود کر کے دکھانا ان کی شان تھی آج وہ یاد آرہے ہیں اور رہ رہ کر یاد آتے رہیں گے آپ کے ساتھ خطابت کا ایک دور ختم ہوگیا۔

؎ جاتے ہوئے کہتے ہیں قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب دانائے غیوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ان کی قبر کو رحمت و غفران کے پھولوں سے بھر دے اور ان کے قائم کردہ دارالعلوم غریب نواز کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے جو اہلسنت کا ایک اہم ادارہ ہے جس کے ساتھ حضرت علامہ نے اپنے شب و روز ایک کردیئے تھے جس کے بطن سے سنی تبلیغی جماعت، امام احمد رضا لائبریری اور دیگر اشاعتی شعبے وجود میں آئے ؎

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

بقیہ قلمی معرکے ......

پاسبان ملت کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا آپسی اختلاف و انتشار ختم ہوجائے ــــ وہ حقائق کو پہچانیں اور اسے قبول کریں ــــ ورنہ وہ شخصی اور فروعی اختلافات میں پھنسنے کے قائل نہیں ــــ وہ بنیادی اور کلیدی باتوں پر زور دیتے ہیں ــــ انکشافات ص۳۸ پر فرماتے ہیں۔

" ہمیں شخصیات سے کیا تعلق ؟ ہمارے اور آپ کے بنیادی و اصولی اختلافات ہیں اور بعض فروعی ــــ اور الاھم فالاھم کے تحت ہم بنیادی پر زور دیتے ہیں تاکہ اختلافات ختم ہوجائیں اور مسلمان ابتلاء و آزمائش کے جس نازک ترین دور سے گزر رہا ہے اسے من وتو کے جھگڑے سے نجات مل جائے ــــ سچ جانئے میں نے بہت بادل ناخواستہ قدم اٹھایا ہے ورنہ یہ کوئی علمی بحث ہے ؟ میں تو یہ جانتا ہوں کہ آپ نے میرا وقت بھی رائیگاں کیا اور اپنا بھی ضائع کیا ــــ

پیر باہمت اور سنی تبلیغی جماعت

مولانا غلام حیدر
قادری مصباحی
دار العلوم سلمانیہ، چاندنی چوک
مظفر پور

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے لیکن
تم ڈھونڈھنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

کہتے ہیں کہ قدرت کی نوازش بھی عجیب ہوا کرتی ہے کہ جب وہ کسی کلیوں کی دلفریبی اور پھولوں کا قہقہہ چاہتی ہے تو اسے صبحدم شبنم سے وضو کرادیتی ہے بالکل یہی حال اس بچے کا ہے جو سرائے غنی پھولپور ضلع الہ آباد کی دھرتی پر آنکھیں کھول رہا ہے والدگرامی نے اپنے فرزند سعید کی پیشانی پر "می تافت ستارۂ بلندی" کا حسین جلوہ دیکھا تو مچل گئے۔ بچے نے جب ہوش کے پہلے زینہ میں قدم رکھا تو ایک ولی کامل کے قدموں میں ڈال دیا جسے دنیا عطائے رسول خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے نام سے موسوم کرتی ہے جکی نگاہ فیض پاش نے نہ جانے کتنے قلوب کی تاریکی کو دور کرکے خوف خدا اور محبت رسول کا سویرا عطا کر دیا اور جسکے فیضان کرم کی بارش سے دلوں کے کشت ویراں پر نہ جانے کتنے چمن در چمن آباد ہوگئے ——— آج یہ بچہ بھی اسی بارگاہ عالیجاہ میں نیازمندانہ کھڑا دین ودانش کی بھیک مانگ رہا ہے اور پھر عقیدتوں کے پھول پیش کرکے واپس ہو رہا ہے ——— مگر کوئی کیا بتائے کہ یہ بچہ کن کن خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر جا رہا ہے ——— ہاں البتہ افشاء راز اسوقت ہوا جب وہ اپنے علم وفضل، جودت طبع، تبحر علم، کثرت فہم، تقدس فکر، طباعی ذہن اور قائدانہ صلاحیتوں سے ایک عالم کو حیرت میں ڈالدیتا ہے سچ ہیکہ جسکے حصول کیلئے برسہابرس کی محنت شاقہ جہد مسلسل اور سعی پیہم کی ضرورت ہوتی ہے اسے اللہ کا ولی ایک نظر میں پلا دیتا ہے ؎

دیوانگی عشق بڑی چیز ہے اے دل
یہ اس کا کرم ہے جسے دیوانہ بنائے

آج یہ بچہ جب ولی کامل کی مقدس بارگاہ میں اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کرکے واپس ہو رہا ہے تو اپنے ساتھ خطابت کی گھن گرج،

صحافتی کروفر، تدریسی مہارت، تصنیفی صلاحیت، مذاق سخن کی دلکشی،
اخلاق ووفا کا جمال اور فضل وکمال کا جلال لیکر رخصت ہورہا ہے۔
اب یہی بچہ طفولیت کی سرحد سے آگے قدم بڑھا چکا ہے، شعور کی منزل سے
آشنا ہورہا ہے اور اساتذۂ علم وفن کی خدمت میں پہنچکر نہ صرف یہ کہ علم و
فضل کے سمندر میں تیرنا سیکھتا ہے بلکہ خوب خوب اس میں غواصی بھی کرتا ہے
اور پھر دیکھتے دیکھتے ایک دور ایسا آتا ہے کہ وہی بچہ مسلک کی آبرو، ملت کا
وقار، اور سنیت کے سروں کا تاج بنکر انفس وآفاق پر چھا جاتا ہے۔ پھر تو
یہ عقدہ از خود حل ہوجاتا ہے کہ ایک اشارۂ ابرو میں پورا اناسا گر کوزہ میں
بند ہوسکتا ہے تو ایک وجود میں تحریر کی ندرت، تقریر کا بانکپن، مناظرہ کا
طمطراق، اور مذاق سخن کی رعنائیاں، سمیٹ دینا ولی کامل کے فیضان نظر
کا ایک ادنی کرشمہ ہے ع

میں سمجھتا ہوں تیرے عشق گرمی کو ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

یہ بچہ وہی ہے جسے زمانہ خطیب مشرق، مناظر اہلسنت،
پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ کے
نام سے یاد کرتا ہے ـــــ یہ بات سچ ہے کہ ملک اور جماعت کے بطن سے
کبھی کبھی، کہیں کہیں، کوئی کوئی یکتائے زمانہ فرد وجود میں آتا ہے جس پر
پوری جماعت فخر کرتی ہے۔ لاریب پاسبان ملت کی شخصیت بھی کچھ
ایسی ہی تھی جس پر پوری ملت اسلامیہ کو ناز تھا۔

سید المناظرین، امام التارکین، حضور مجاہد ملت علامہ شاہ
حبیب الرحمن علیہ الرحمہ والرضوان نے ایک موقع سے فرمایا تھا کہ "اگر مجھے
وسعت ہوتی تو مشتاق نظامی کو سونے سے تولدیتا" یہ قول اس مرد
حق آگاہ کا ہے جس کے علم وفضل، تدبر وتفکر، حکمت ودانائی، زہد وتقوی
عبادت وریاضت، تواضع وانکساری، عظمت وشوکت اور جاہ وجلال
کا آشیانہ اتنی بلندی پر ہے کہ اوپر نگاہ کرنے سے بڑے بڑوں کی ٹوپیاں
زمین بوس نظر آتی ہیں۔ INVERTED COMMA کی عبارت پھر
سے پڑھئے اور حضرت پاسبان ملت کے مراتب علیا کا اندازہ لگائیے۔
گویا حضور مجاہد ملت کے اس قول کی بنیاد پر یہ فیصلہ بہت ہی آسان ہے
کہ حضور علامہ نظامی قوم کیلئے عظیم نعمت اور سرمایہ افتخار تھے ؎

فلک کے چاند ستارو انھیں تلاش کرو
بڑے حسین مسافر ادھر سے گزرے ہیں

حضور پاسبان ملت کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے گھر کا
ہر فرد بیمار پڑا ہو اور وہ آدمی تنہا مریض کو مرض سے نجات دلانے کیلئے
سر دھڑ کی بازی لگا دی ہو ـــــ کبھی دیوبندی یلغار
کبھی نجدی حملے، کبھی یزیدی فتنے، کبھی وہابی یورش اور کبھی تبلیغی
جماعت کا طوفان تھا جو نئی نسل اور تازہ ذہنوں میں ایمان وعقیدہ کے
پرورش پاتے تناور درخت کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جانے کی کوشش
کر رہا تھا اس کی کربناک صورت حال کو دیکھ کر آپ تڑپ اٹھے مندرجہ ذیل
پیرائے گراف میں ان کے اس کرب کو آپ بھی محسوس کیجئے لکھتے ہیں۔

"تبلیغی جماعت کو میں نے وقت کا ایک عظیم فتنہ سمجھا
مدتوں انتظار کرتا رہا شاید کسی گوشے سے کوئی آواز آئے
اور ہم بھی اس کارواں کے شریک سفر ہوجائیں مگر جب
انتظار کی گھڑیاں ناقابل برداشت ہوگئیں تو خود مجھے پہل
کرنی پڑی۔ اور سنی تبلیغی جماعت کی داغ بیل ڈالدی"

وہ تبلیغی جماعت جو نماز، روزہ اور کلمہ کے نام پر ایمان وعقیدہ
کے بہار چمن پر بجلیاں گرانے کیلئے گاؤں گاؤں گشت لگا رہی تھی اور
صاف وشفاف ذہن وفکر پر بدعقیدگی کا چھڑکاؤ کر رہی تھی۔ ان کے
بالمقابل "سنی تبلیغی جماعت" قائم فرمایا اور تبلیغی جماعت کو "بسا آرزو
کہ خاک شد" کا چہرہ تکنا پڑا۔ اور وہ نئی نسل اور تازہ دماغ جو ان کے
دام فریب میں آچکے تھے جب انھوں نے اپنے ایمان وعقیدہ کے تحفظ و
سلامتی کی ضمانت سنی تبلیغی جماعت کے کیمپ میں محسوس کیا تو اس سے

ہو کر سنی تبلیغی جماعت کے سکون پاش اور رحمت بخش سایہ تلے سمٹ کے آگئے۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سنی تبلیغی جماعت اس عظیم تحریک اور مبارک تنظیم کا نام ہے جس نے بہت سارے گم کردہ راہوں کو رہِ نجات سے ہم دوش کیا۔

سنی تبلیغی جماعت نے جہاں تبلیغی جماعت کے ذریعے ملک میں پھیلے ہوئے خطرناک نتائج کا بھرپور مقابلہ کیا وہیں جہالت کی بنجر زمین پر علم وعرفان کے نہ جانے کتنے شاداب چمن آباد کر ڈالے اور غیر مسلموں سے مشابہ افعال جو مسلمانوں کے اندر سرایت کر چکے تھے اس کے خاتمہ میں اہم رول ادا کیا چنانچہ مولینا ظہور احمد صاحب باسنی ناگور اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ "سنی تبلیغی جماعت کی اس تعلیمی جدوجہد سے راجستھان کے اندھیر نگری میں دین وایمان کی بادِ بہار آئی۔ جہاں نام کے مسلمان ہولی، دیوالی مناتے تھے، ہندوانہ رنگ میں رنگے ہوئے تھے بغیر نماز جنازہ کے میت دفن کر دیتے تھے گویا نئے سرے سے انکو اسلام کے حلقے میں لایا گیا اور اب راجستھان کے دیہات کے بہت ہی خوشگوار حالات ہیں الحمد للہ سبحان اللہ ہر بستی میں مدرسہ قائم ہو چکا ہے اور مسجدیں بن چکی ہیں پنجوقتہ لاؤڈ اسپیکر سے اللہ اکبر کی صدائیں رقت انگیز سماں پیدا کرتی ہیں بچے ان مدارس سے نکل کر دار العلوم اسحاقیہ وغیرہ میں داخل ہو رہے ہیں اور حافظ وقاری اور عالم دین بنکر نکل رہے ہیں ؎

" یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا"

یہ سب فیضان ہے خطیب مشرق پاسبان ملت علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی عطا کردہ سنی تبلیغی جماعت کا اللہ تعالیٰ حضرت کا فیض سنی تبلیغی جماعت کے ذریعے قیامت تک جاری وساری رکھے"

اس خط کے مضمون سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ علامہ نظامی نے سنی تبلیغی جماعت کے ذریعے بے شمار مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت فرمائی ایک جگہ سنی تبلیغی جماعت سے متعلق اپنا تاثر علامہ نظامی اس طرح پیش کرتے ہیں کہ "آل انڈیا سنی تبلیغی جمعیتہ العلماء عصر حاضر میں متحرک وفعال جماعت ہے۔ اگر ہمارے اکابر اس کی زمام قیادت کو سنبھالیں تو اصاغر کو ان کے گرد سمٹ آنے میں دیر نہ لگے گی شاید کہ ہم اس جھنڈے تلے اپنے عصری مسائل کا ٹھوس اور پائدار حل تلاش کر سکیں کاش ہم اپنی منتشر توانائی کو ایک مرکز پر سمیٹ سکے ؎

کیا ہوئی تیری نگاہ مہر ساز
کیوں افق سے مانگتا ہے تو سحر"

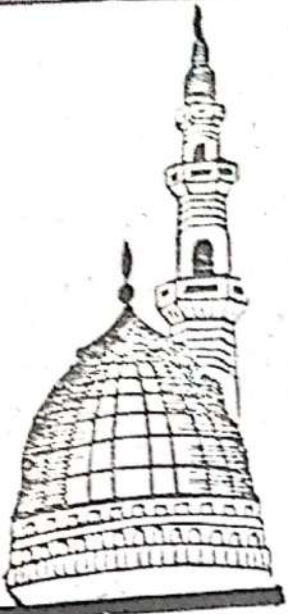
بلاشبہ پاسبان ملت کی آہ صبح گاہی کا اثر تھا کہ قلیل عرصے میں سنی تبلیغی جماعت پورے ملک میں چھائی اور عوام وخواص کا مرکز توجہ بن گئی اور اس کے ذریعہ بہت سارے اصلاحی، تعمیری، فکری اور علمی کارنامے انجام پذیر ہوئے اور سنی تبلیغی جماعت کی چھاونی سے ایسے ایسے خوشگوار انقلاب رونما ہوئے کہ اس کے مثبت اثرات اور نتائج آج بھی محسوس کیے جا رہے ہیں اور انشاء اللہ صبح قیامت تک محسوس ہوں گے۔

آج جب ایسا محسن، ملت کا پاسبان، قوم کا محافظ، چمن اسلام کا باغباں ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیا۔ جو الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی تفسیر بنکر شریعت اسلامیہ کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہا اور جاتے جاتے یہ درس دے گیا کہ ؎

میخانہ سلامت ہے تو ہم سرخی مئے سے
تزئین در بام وحرم کرتے رہیں گے

دعا ہے کہ پروردگار پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی تربت اطہر پہ رحمت وغفران کے پھول برسائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔





پاسبان اہلسنت تاجدار فکر و فن

ہر قدم تھا آفتاب زندگی کی اک کرن
آہ رخصت ہو گئے وہ آبروئے انجمن

آپکی رحلت جماعت کا بڑا نقصان ہے
اے بہار علم و حکمت آبروئے فکر و فن

زندگی تھی آپکی مہر و وفا کا آئینہ
اے وقار ملک و ملت اے بہار انجمن

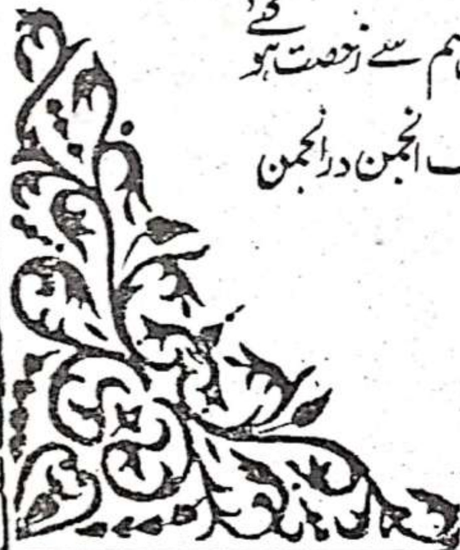
ہر طرف ہے تیرگی ہی تیرگی کا سلسلہ
بجھ گئی افسوس شمع مجلس اہل سخن

آپکی فرقت میں نالاں منبر و محراب ہیں
پاسبان اہلسنت تاجدار فکر و فن

حیف علامہ زماں ہم سے رخصت ہو گئے
چھا گئیں تاریکیاں اب انجمن در انجمن

قلب مضطر سے لکھی تاریخ اکمل بیگماں
رب کا تو فرمان کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ہے
۱۴۱۱ھ

مولانا ملک الظفر سہسرامی



پاسبانِ ملت کی تاریخ ساز شخصیت

علامہ سیّد محمد حسینی صاحب
ناگپور

اس دنیائے فانی میں ہر ایک کو فنا ہونا ہے، انہیں میں بعض انسان ایسے ہیں جن کے جانے کے بعد دنیا کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے، اسکی جگہ کا پر ہونا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے، ایسے علماء اور نیک بندوں کا اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف منتقل ہونا کہ جن کے وجود سے عالم مستفیض ہو رہا تھا ان کی موت عالم کی موت ہے اسی لئے کہا گیا ہے

مَوتُ العالِمِ مَوتُ العَالَم

یعنی ایسے عالم کی موت جس کی زندگی کا ہر پہلو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور ان کے دکھ درد، فلاح و بہبود دنیا و آخرت کی بھلائیوں کیلئے وقف تھا، جو خود کے لئے نہیں بلکہ قوم و مذہب کی حفاظت او مسلک کی صیانت کے لئے جیتا تھا اس کے اٹھ جانے کے بعد قوم و ملت کا ہر فرد آہیں بھر کر رہ جاتا ہے

جانیوالا تو جاچکا، اب اس جانیوالے کی کس کس ادا کو یاد کر کے روئیں، ایسے انسانوں کو کہاں سے لائیں، وہ انسان "پانے" اور "واپس آنے" کی منزل سے دور بہت دور جاچکا ——

ہندوستان میں انسانوں کو طویل فہرست ہے لیکن جس عظیم الشان، جامع الصفات شخصیت کا ذکر مقصود ہے اسکو پاسبان ملت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی کے نام سے زمانہ یاد کرتا تھا

آہ! اس عالم فانی سے وہ عالم باصفا چلا گیا جو مسلک اہلسنت کا ترجمان تھا، اس عالم کشاکش کے بیچ وہ روح زندگی تھا —— وہ برصغیر کو نیم جاں کر کے چلا گیا ایسا عالم بے نفس کہ جس کا دل و دماغ علم و آگہی کے نور سے معمور تھا اور وہی فکر و فن کا گنج گرانمایہ بھی تھا، وہ کہ جس کے دل و لب پر عشق و محبت رسول پنہاں و آشکاف تھے اور سا تھ ہی

بزم ارباب و دانش کا راز دار بھی ، وہ کہ جسکی نگاہ پر کیف میں حیا
اور جگر میں سوز عشق تھا ۔

وہ مرد پاکباز جس کا وجود باطل کے لئے شمشیر براں تھا
جس کی لطافت طبع اور نرم و دلنواز تکلم اپنوں کے دل
میں حلاوت گھولنے والا ، جسکی گفتگو بد مذہب و باطل پرست
کے لئے بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج تھی ، ایسی گھن
گرج کہ دشمنان دین و مذہب پر رعد و برق بنکر ٹوٹ پڑے
جس نے مسلک اعلیحضرت و مذہب اہلسنت کی خاطر
دنیاوی مصلحت کے آگے کبھی بھی گمراہوں اور باطل
پرستوں کے سامنے سر جھکایا ★★★

وہ ایسا حق پرست وحق بیاں کہ جسکی مثال زمانہ
میں نہیں ، جس کے انکسار میں شان خود آگہی پنہاں تھی ، وہ جان
عاشقاں کہ جس نے لاکھوں لاکھ سینوں کو اپنی خطابت سے
عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال دولت سے لبریز کرنے
کے ساتھ ساتھ خطابت کی دنیا میں ایسے بے مثال نقش ایسے
نقوش ثبت کر دیا کہ آنے والے خطباء و ادباء کے لئے اس عظیم
خطیب و ادیب کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے الفاظ مثال بن
گئے وہ خطیب بے مثال کہ جسکی ہیبت قصر نجد و دیوبند میں زلزلہ
پیدا کر دے ، بد مذہبوں اور باطل پرستوں کے لئے ایسا سخت
کہ اشداء علی الکفار کی شان نمایاں ، اور اپنوں پر ایسا نرم
کہ رحماء بینھم کی جھلک محسوس ہو

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی
علیہ الرحمہ کی ذات کے اندر جو خوبیاں تھیں ان میں سے کن
کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے یہ جملہ انکی ذات پر بالکلیہ صادق
آتا ہے " وہ جامع الصفات اور تاریخ ساز شخصیت کے
مالک تھے "

ہر عالم کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے
کوئی میدان مناظرہ کا شہسوار ہے تو کوئی تفہیم وتقریر میں
یکتائے روزگار ، کسی کے اندر قومی تنظیم کی صلاحیت ہے
تو کسی کے اندر قوم کو ضلالت و گمراہی سے بچانے کی صفت موجو[د]
غرضکہ علماء اہلسنت کے اندر انفرادی طور پر جو خوبیاں
ہیں وہ تمام خوبیاں خطیب مشرق کے اندر موجود تھیں

خطابت میں انفرادیت کا یہ عالم تھا کہ برصغیر میں خطا[بت]
کو نیا موڑ دینے والی تنہا آپکی ذات تھی اپنے زور خطابت سے باط[ل]
کے رد و ابطال کے ساتھ اپنے مافی الضمیر اور اسلامی عقائد کو ایک
عام انسان سے لیکر ادبی فکر و فن و اعلیٰ ریفارمر و صاحب علم
انسان کے دل و دماغ میں بٹھا کر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو
سینوں میں بھر دینا آپکی خطابت کا معمولی کرشمہ تھا نہ صرف ایسی
جادو بیانی کہ صرف اسی میں محو ہو کر رہ جائیں کہ اصل مدعا و مقصد
غائب ـــــ ہاں وہ جادو بیاں ضرور تھے ، ایسے جادو
بیاں کہ زمانہ انکی مثال نہ لا سکے جن کی جادو بیانی ایسی کہ اپنے
دور کے بڑے بڑے جادو بیاں انکے آگے گھٹنے ٹیک دیتے
فصاحت وبلاغت کے ماہرین فصاحت و بلاغت ، تشبیہ واستعا[رات]
میں اپنا امام تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے
تحریر بھی بڑی دلکش ، معیاری ، پر مغز ہوا کرتی
تھی ۔ باطل پرست کے رد و ابطال کو ادبی رنگ میں میں

باقی ص ۱۰۷ پر ملاحظہ ہو

پاسبان ملت کا شخصیاتی جائزہ

مبارک حسین مصباحی

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے ؛ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی ۸ ربیع الآخر مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۰۹ء بروز دوشنبہ ۱۱ بجکر ۱۲ منٹ پر ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئے ، فضا کشیدہ ہو جانے کی وجہ سے اسی دن بعد عشاء دارالعلوم غریب نواز کے مغربی شمالی کمرہ میں آپکی وصیت کے مطابق دفن کیا گیا

آپکی بلند پایہ شخصیت سے اپنے اور بیگانے سبھی آشنا تھے آپ ایک شیریں بیان اور گھن گرج خطیب ، نکتہ رس اور حاضر جواب مناظر ، صاحب طرز اور عمیق النظر ادیب ، دور اندیش اور ماحول آشنا صحافی تھے ۔

الجامعۃ الاشرفیہ اور کاروان اشرفیہ سے آپ کے بڑے گہرے روابط تھے ، جامعہ کی سب سے اعلیٰ با اختیار کمیٹی ” مجلس شوریٰ “ کے اہم رکن تھے

جامعہ اشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے حافظ ملت کو استاذ العلماء ، جلالۃ العلم سب سے پہلے آپ نے لکھا ۔ حافظ ملت بھی آپ پر بڑے مہربان اور شفیق تھے اپنے ارشد تلامذہ کی طرح نوازتے تھے

آپکی فرمائش پر عدیم الفرصتی کے باوجود ماہنامہ ” پاسبان “ کے لئے معارف حدیث لکھنا شروع فرمایا تھا ۔ جب آپ سے ملتے باغ باغ ہو جاتے ، سینے سے لگا لیتے اور بڑی دعاؤں سے نوازتے ۔ حافظ ملت کے وصال کے بعد بھی اشرفیہ کے اکابر و اصاغر سے پاسبان ملت کے عقیدت و محبت کے روابط برقرار تھے آج جامعہ اشرفیہ اپنے رکن اور حافظ ملت قدس سرہٗ کے محبوب سے محرومی پر سوگوار ہے

مرض وصال

تقریباً تین سال قبل ناسک میں موصوف پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور وہاں سے علاج کے لئے بمبئی گئے . بمبئی کے سب سے اعلیٰ ہسپتال جسلوک میں علاج کے لئے داخل کیا گیا بڑے سے بڑا جو ڈاکٹر مل سکا اور اعلیٰ سے اعلیٰ جو علاج ہو سکا کیا گیا اس کے نتیجہ میں چھ ماہ کے بعد کچھ کچھ سفر کے لائق بھی ہو گئے تھے اور پھر رفتہ رفتہ کچھ تقریر بھی

آپ کی بلند پایہ شخصیت سے اپنے اور بیگانے بھی آشنا تھے
آپ ایک شیریں بیان خطیب، نکتہ رس اور حاضر جواب مناظر، صاحب
طرز اور عمیق النظر ادیب، دور اندیش اور ماحول آشنا صحافی تھے

کرنے لگے تھے امید یہ ہو چلی تھی کہ آپ
علامہ نظامی صاحب کچھ اور دن اپنے
فیوض و برکات سے مسلمانوں کو متمتع
کرنے کے لئے حیات ظاہری کے ساتھ
تشریف رکھیں گے لیکن بمبئی سے گھر
آتے ہوئے راستے میں پہلی اگست کو ٹرین
میں فالج کا انتہائی سخت حملہ ہوا اور مستقل
بے ہوشی طاری ہوگئی آخیر کلمہ جو زبان سے
ادا کیا درود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
نام نامی تھا اس کے بعد مطلق کوئی بھی کلام
نہ کر سکے ۔

۲ اگست کو الٰہ آباد پہنچے اسٹیشن
ہی سے انکو الٰہ آباد کے سب سے عمدہ
پرائیوٹ اسپتال میں علاج کے لئے داخل
کر دیا گیا لیکن ہوش نہ آنا تھا نہ آیا ۔ مرض
کا علاج ہے پیام اجل کا کوئی علاج نہیں
فاذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ
ولا یستقدمون (اعراف) تو جب ان کا
وعدہ آجائے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہوں نہ
آگے ۔ آخر جب وقت موعود آپہنچا تو اپنے
متعلقین کے علاوہ سینکڑوں علماء کرام

اور سینکڑوں مسلمانان
اہلسنت کو وحشت تک اپنے فراق میں بلکنے
سسکنے کیلئے چھوڑ کر چلے گئے

تعلیم و تربیت

پاسبان ملت نے اپنے والد ماجد کی خواہش
کے مطابق قرآن مجید اور اردو کی مروج تعلیم
اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی جب سن شعور
کو پہنچ گئے تو ان کے والد ماجد انہیں اپنے
ہمراہ لیکر خواجۂ خواجگاں سلطان الہند
خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانے
پر گئے اور وہیں منت مانی کہ میں اس بچے کو
عالم دین بناؤں گا

رجب میں عرس مبارک کے موقع پر اجمیر
شریف میں یہ منت مانی تھی اسی سال شوال
میں انہیں الٰہ آباد کی مشہور درسگاہ
سبحانیہ میں داخل کر دیا
اس وقت مدرسہ سبحانیہ اوج
کمال پر پہونچا ہوا تھا امام النحو حضرت
مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت اس کے
صدر المدرسین تھے پاسبان ملت کے
والد ماجد نے اپنے نو سالہ بچے کو حضرت
مجاہد ملت کے سپرد کر دیا اور واقعات
گواہ ہیں کہ حضرت مجاہد ملت نے انہیں اپنے
فیوض و برکات سے بھرپور نوازا
فارسی کے ابتدائی اسباق ملا
رحمت اللہ کے سپرد ہوئے لیکن یہ انتہائی
متعصب وہابی تھا یہ بات جب حضرت
مجاہد ملت کے علم میں آئی تو انہوں نے وہ
اسباق وہاں سے اٹھا لئے اور اپنے طور

جامعہ اشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت سے
بڑی عقیدت رکھتے تھے حافظ ملت کو استاذ العلماء، جلالۃ العلم
سب سے پہلے آپ نے لکھا۔ حافظ ملت بھی آپ پر بڑے مہربان
اور شفیق تھے، اپنے ارشد تلامذہ کی طرح نوازتے تھے، آپ کی نہایت
پر عدیم الفرصتی کے باوجود ماہنامہ "پاسبان" کے لئے معارف حدیث
لکھنا شروع فرمایا تھا، جب آپ سے ملتے باغ باغ ہوجاتے ★

نذرانہ ــ ایکبار حضرت راز الہ آبادی کی دعوت پر دفتر پاسبان الہ آباد میں علامہ انور صابری، جگن ناتھ آزاد اور ساحل مانکپوری تشریف لائے علامہ انور صابری نے برجستہ یہ شعر فرمایا ــ

حضرت مشتاق کی ذات گرامی بالیقیں ٭ پاسبان عظمت حق ہے الہ آباد میں

تلمیذ شیخ طریقت جناب مولانا قاری عبدالکریم صاحب ازہری مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں منتقل کر دئے ہدایۃ النحو تک آپنے وہیں تعلیم حاصل کی پھر شرح جامی تک مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب بھدرکی سے پڑھا جو اس وقت مدرسہ سبحانیہ کے مدرس تھے اس کے بعد حضرت نظامی صاحب کے تمام اسباق حضرت مولانا نظام الدین صاحب قبلہ بلیاوی کے یہاں ہونے لگے اس درمیان میں قصیدہ بردہ شریف، کنز الدقائق اور شرح جامی کے کچھ اسباق حضرت مجاہد ملت نے بھی آپکو پڑھائے

علاوہ ازیں درس عالیہ کی کچھ کتابیں مثلاً دیوان متنبی، ہدایہ آخرین، سبع معلقہ، دیوان حماسہ وغیرہ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب اور مولانا محمد عمر الہ آبادی سے بھی پڑھیں

حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کو آپکی تعلیم کا اتنا شوق تھا کہ آپکو بعد نماز تہجد بھی پڑھاتے تھے ــ آپ ۱۹۳۱ء میں درس نظامی سے فارغ ہوئے اس کے قبل عالم منشی فاضل ادیب کامل کے امتحانات میں بھی ہمیشہ فرسٹ ڈویژن حاصل کیا ــ آپ نے طب کی بھی تعلیم حاصل کی۔ مولانا حکیم محمد احسن بہاری سے موجز قانونچہ، شرح اسباب نفیسی وغیرہ پڑھیں

درس و تدریس ــ درس و تدریس کا سلسلہ طالب علمی ہی کے زمانے سے شروع کر دیا تھا اور مولوی عالم کی کتابیں پڑھانے لگے تھے ابتداءً میں ایک سال جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم میں مدرس رہے، مدرسہ جامعہ فاروقیہ بنارس میں صدر المدرسین کی جگہ فائز ہوتے لیکن چند ہی مہینوں کے بعد مدرسہ سبحانیہ کے اراکین نے انہیں مجبور کیا اور وہ مدرسہ فاروقیہ چھوڑ کر مدرسہ سبحانیہ میں مدرس ہو گئے اور تین سال سے کچھ زائد مدرس رہے

تلامذہ ــ مولانا حافظ قاری نعمت اللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبدالحبیب مرادآبادی، مولانا نورالدین نظامی، مولانا ابوذر صاحب مانی، مولانا انوار احمد صاحب نظامی وغیرہ یہ مشاہیر تلامذہ ہیں اس کے علاوہ اور سینکڑوں ہیں

کارنامے ــ جب حضرت مجاہد ملت نے تبلیغ سیرت قائم کی تو آپ اس کے جوائنٹ سکریٹری منتخب ہوئے اور جب تک جوائنٹ سکریٹری رہے بڑے خلوص و محنت اور لگن سے کام کرتے رہے

سنی تبلیغی جماعت کا قیام آپ کا زریں کارنامہ ہے ماہنامہ "پاسبان" اہلسنت کا معیاری ترجمان آپ نے جاری کیا، توکل علی اللہ صرف اپنے بل بوتے پر ناسازگار ماحول میں دارالعلوم غریب نواز قائم کیا اور رفتہ رفتہ اسکی فلک بوس عمارت بھی بنوالی اور اسے اہلسنت کا قلعہ بنادیا

جب آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ قائم ہوا تو آپ اس کے آرگنائزر سکریٹری منتخب ہوئے

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ایک عرصہ تک جنرل سکریٹری
رہے اور ایک مدت تک صدر بھی، سنی تبلیغی جماعت کا قیام بھی
آپکا زرین کارنامہ ہے

ماہنامہ پاسبان الہ آباد اہلسنت کا معیاری ترجمان
آپ نے جاری کیا، توکل علی اللہ صرف اپنے بل بوتے پر ناسازگار
ماحول میں دار العلوم غریب نواز قائم کیا اور رفتہ رفتہ اسکی فلک
بوس عمارت بھی بنوالی اور اسے اہلسنت کی صف اول کی درسگاہوں
میں کھڑا کر دیا

ہندوستان کے طول وعرض میں جہاں کہیں مناظرہ
ہوتا تو اسمیں علامہ نظامی کی شرکت ضروری ہوتی۔ آپ نے
مناظروں میں بڑے بڑے موقعہ پر ایسا نکتہ پیدا کیا تھا
کہ حضرت مجاہد ملت نے فرمایا

اگر مجھے وسعت ہوتی تو تم کو روپیہ میں تول دیتا

تصانیف :- آپکی تصانیف کی بہت طویل فہرست
ہے چند مطبوعہ یہ ہیں خون کے آنسو، جماعت اسلامی کا
شیش محل، انکشافات، ہند کے راجہ، مجرم کون ہے ما
کربلا کا مسافر، دیندار کے بےنقاب چہرے، نسیم رحمت سہ حصے
فردوس ادب ہر حصے، مینارۂ ہدایت، تنویر الایمان،
قہر آسمانی، وہابی دیوبندی کی پہچان، تبلیغی جماعت کے
ڈھول کا پول وغیرہ

مختصر یہ کہ علامہ نظامی صاحب فرد واحد کا نام نہیں
بلکہ فرد واحد کے روپ میں بلاشبہہ ایک پوری انجمن تھے اور
فضائل وکمالات کے گنجینہ تھے اللہ تعالی انہیں جزاء خیر عطا فرمائے

آمین

ردعقائد باطلہ کا بقیہ

سینے نکل کر جھولے میں آگئی ہو اسے ایسا ہی ہونا چاہئے۔
خدا کا شکر ہے ہماری نمازیں نہ بستر میں باندھی جاتی ہیں اور نہ ہی
جھولے میں رکھی جاتی ہیں بلکہ نماز خدا کا ایک فریضہ ہے جسکو اپنے
وقت مقررہ پر ادا کیا جاتا ہے اور یہ ایک ایسی عبادت ہے جو
اللہ اکبر سے سلام تک میرے مصطفی کی ادا ہے اور جب یہ انکی
ادا ہے تو یہ فریضہ انکے تصور سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے "

(نیا دین ص ۵۷ تا ص ۵۹)

پاسبان ملت کی اکثر تصنیفات رد عقائد باطلہ پر مشتمل
ہے یہ تو ایک نمونہ تھا خدا توفیق دے تو انکی کتابوں کا مطالعہ
کیجئے اور ایمان میں حرارت اور دل میں محبت رسول کی لذت
وسرور پیدا کیجئے

طول مضمون کے باعث ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر یہ اثر کرے

تاجدار علم وفن، شہنشاہ خطابت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی
قدس سرہ کا پوری دنیائے سنیت پر عظیم احسان ہے کہ انہوں نے
علماء اہلسنت پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کا تحقیقی اور الزامی
دونوں جوابات دیکر علماء دیوبند کے لبوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
مہر سکوت ثبت فرمادیا

مولائے قدیر آپکی مساعی جمیلہ قبول فرمائے اور انہیں
کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین



پاسبانِ ملت کی

از: آلِ مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

زندگی کے گردوپیش

کسی بھی شخصیت سے اگر محض ذاتی منفعت متعلق ہو۔ تو۔ بسا اوقات ناخوشگوار یا ناگفتہ بہ حالات سے متاثر ہو کر اسے فراموش کیا جا سکتا ہے لیکن۔ اگر وہی منفعتیں ذاتی نہیں جماعتی ہوں۔ کسی فرد واحد سے نہیں، قوم و ملت سے متعلق ہوں تو پھر ایسی شخصیت کی "حیات و خدمات" کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ایسی عظیم اور قابل قدر ہستی کے کارناموں اور ان کے پاکیزہ افکار و نظریات اور حیات و خدمات کی اشاعت ایک قومی و ملی فریضہ بن جاتا ہے۔ آج ہمیں ایک ایسی ہی علم دوست شخصیت، شہنشاہ فکر و قلم، پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کی حیات و خدمات" کا ایک مختصر سا خاکہ قارئین کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جو ایک بالغ نظر، ژرف نگاہ، حق پسند اور صحت مند شعور رکھنے والی ذات تھی جن کی دینی تحریک اور ملی جدوجہد کو فراموش کرنا بلا شبہ "احسان فراموشی" کہلائے گی۔

ولادت نشو ونما

آپ ضلع الہ آباد کی مشہور تحصیل پھولپور کے موضع سرائے غنی میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے آپ کا گھرانہ ایک زمیندار اور تعلیم یافتہ گھرانہ تھا۔ آپ کی علمی نشو و نما مختلف اساتذہ کرام سے ہوئی۔ عربی میڈیم تک کی تعلیم جن حضرات کے پاس ہوئی ان میں علامہ الحاج قاری عبد الرب صاحب ازہری مرادآبادی، حضرت مولانا عبد القدوس بھدرکی وغیرہما کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ شرح جامی کے بعد آپ نے اکثر کتابیں شمس العلماء حضرت علامہ الحاج مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ العالی سے پڑھیں۔ کچھ اہم کتابیں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے پاس بھی ہوتی رہیں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی شخصیت سازی میں امام المناظرین، مجاہد دین و ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ کی نظر کیمیا اثر کا بہت بڑا دخل ہے۔ ظاہر ہے جس کو علم ظاہر اور علم باطن کی ایسی جامع شخصیت کی پشت پناہی حاصل ہو، ان کی قسمت اوج ثریا سے آنکھ مچولی کیوں نہ کھیلے گی؟۔ حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ کن کن خوبیوں کے حامل تھے؟ ہم ذیل میں استاد گرامی فقیہ عصر، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مدظلہ العالی کے تاثرات کا ایک مختصر۔ مگر۔ جامع اقتباس نقل کر رہے ہیں۔ جس سے پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی حیات

کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

" پاسبان ملت، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی اہلسنت کے ایک بے باک مناظر، ایک بے مثل خطیب ایک صاحب طرز انشاء پرداز اور میدان توصیف کے ایک لاجواب محقق تھے" (پاسبان ملت ص ۶۸)

یہ حقیقت ہے کہ پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی زندگی وعظ و خطابت، تصنیف وتالیف، مناظرہ، اور دیگر دینی امور کیلئے وقف تھی، وہ ملت کے "پاسبان" و "نگہبان" تھے۔ ان کے اندر بے پناہ عزم و استقلال تھا۔ نامساعد حالات میں بھی ان کی ملی جدوجہد، دینی تگ و دو، ان کے عزم و حوصلہ اور ثبات قدمی کی عکاسی کرتے ہیں ___

تصنیف

وہ ایک صاحب طرز انشاء پرداز مصنف تھے۔ جو اپنے خیالات وافکار، اپنی دعوت وتحریک، اور اپنے مشن اور نصب العین کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے کہ۔ ہر پڑھنے والا فطری طور پر تحریر کی جاذبیت سے متاثر ہو جاتا۔ ان کی تصنیف وتالیف میں شگفتگی، دردمندی، اور خلوص وللہیت کا عنصر کافی نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اپنی تحریر میں زیادہ تر قوم کو جامع انقلاب لانے کا پیغام دیتے ہیں۔ اگر وہ کسی پر تنقید کرتے ہیں۔ یا۔ کسی کی اشتعال انگیز جارحیتوں کا جواب دیتے ہیں تو نہایت متانت و سنجیدگی اور صبر وتحمل سے ماہنامہ پاسبان کے "عقائد نمبر" میں ان کے پیش لفظ کا یہ اقتباس بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے:

" بعض رسائل ہم سے الجھنا چاہتے ہیں، ہمارے مسلسل سکوت وخاموشی کے باوجود ان کی نیش زنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہم اپنے مخلصین سے بس اتنی گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان کانٹوں میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں ہم تو اتنی بھی آزمائش کے قابل نہیں کہ ان سے اتنا بھی کہہ سکیں کہ

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ہماری زندگی میں فرصت کے اوقات اتنے نہیں ہیں کہ یہ ہاتھ دوسروں کے جیب و دامن تک پہنچ سکے۔ پھر اپنا مقدر اتنا بلند کہاں کہ ایسے دامن تک اپنی رسائی ہو۔۔۔۔

بہرحال ایک زخم ہے، چوٹ کھایا ہوا دل ہے، کبھی خون جگر نوک قلم پر آ ہی جاتا ہے" ___ (عقائد نمبر ملخصاً ص ۶)

آپ کی ادارت میں نکلنے والا ماہنامہ پاسبان تقریباً چالیس سال تک ایسے وقت میں قوم و ملت کی خدمات انجام دیتا رہا۔ جب۔ اہل سنت وجماعت کے نقیب کی حیثیت سے محض چند ہی رسالے نکلتے تھے۔ جبکہ۔ دوسرے مکاتب فکر اپنے رسالوں کے ذریعہ عوام کے

"پاسبان ملت ایک صاحب طرز انشاء پرداز مصنف تھے جو اپنے خیالات وافکار، اپنی دعوت وتحریک، اور اپنے مشن اور نصب العین کو کچھ اس انداز سے بیان کرتے کہ۔ ہر پڑھنے والا فطری طور پر تحریر کی جاذبیت سے متاثر ہو جاتا۔"

ذہن وفکر میں غلط افکار ونظریات کی بیج بو رہے تھے۔ گویا۔ تاریکی لامتناہی تھی اور اس کے مقابلے میں ایک ننھا سا چراغ ماہنامہ "پاسبان" کی شکل میں موجود تھا۔ مگر ان ہلاکت خیز آندھیوں میں بھی اس ننھے سے چراغ کی لو روز افزوں تیز سے تیز تر ہی رہی۔ اور پھر چند ہی دنوں میں اس نے بہت سی تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ اس ماہنامہ نے جو وقیع نمبر شائع کئے ان میں۔ عقائد نمبر۔ مجدد اعظم نمبر۔ محدث اعظم نمبر۔ مناظر اعظم نمبر۔ سید العلماء نمبر۔ کربلا کا مسافر۔ خصوصیت کے ساتھ قابل دید ہیں۔ عام قارئین کو مستقل اور پابندی کے ساتھ عقیدہ وعمل کی غذا فراہم کرنے والا یہ "ماہنامہ" آپکی مذہبی وادبی خدمات کا مظہر ہے۔

آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں اور تقریباً ساری کتابیں مقبول خاص وعام ہوئیں۔ مثلاً۔ خون کے آنسو۔ جماعت اسلامی کا شیش محل۔ ہند کا راجہ۔ ان کتابوں پر تبصرہ کے بجائے ہم نے صرف ان کی فہرست بیان کی ہے۔ اگر ان کتابوں پر تبصرہ کیا جائے۔ تو۔ بلاشبہ ان کی کتابیں وہ ہیں جن کے تبصرہ کا مجموعہ ایک مبسوط رسالہ بن سکتا ہے۔

تدریس

وہ ایک باصلاحیت اور ذی استعداد مدرس تھے، جنھوں نے الہ آباد کی مرکزی درسگاہ جامعہ حبیبیہ، مدرسہ عالیہ فاروقیہ بنارس، مدرسہ سبحانیہ الہ آباد جیسی عظیم درسگاہوں میں ایک زمانہ تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور۔ تشنگان علوم دینیہ کی پیاس بجھائی۔ یہ آپ کا تدریسی ذوق ہی تھا جس نے آپ کو ایک عظیم ادارہ کی تاسیس پر ابھارا۔ چنانچہ۔ آپ نے الہ آباد جیسی مرکزی جگہ میں "دارالعلوم غریب نواز" کی بنیاد ڈالی۔ اور۔ ہمیشہ ہی باصلاحیت اساتذہ کرام سے تدریس کا کام لیا۔ تعلیم وتعمیر دونوں اعتبار سے "غریب نواز" کو جو شہرت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اور یہ سب پاسبان ملت علیہ الرحمہ ہی کی کوشش ومحنت اور تگ ودو کا نتیجہ ہیں۔

مناظرہ

وہ ایک بالغ نظر اور کامیاب مناظر تھے، فن مناظرہ میں انھیں بڑا کمال حاصل تھا۔ دوسرے مکتب فکر کا بڑے سے بڑا مناظرہ آپ کی قوت استدلال، طرز تکلم، اور انداز مناظرہ سے گھبرا جاتا۔ آپ کے اندر ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ "میدان مناظرہ" میں عوام کو بہت جلد اپنی باتوں سے مطمئن کر دیتے۔ اہل سنت وجماعت کی طرف سے جن مناظروں میں آپ نے وکالت فرمائی ان میں۔ مناظرہ گونڈہ مناظرہ بھبن گنواں۔ مناظرہ ناگپور۔ مناظرہ بہرایچ۔ مناظرہ بجرڈیہہ۔ مناظرہ بھیونڈی قابل ذکر ہیں۔ پاسبان ملت علیہ الرحمہ کی مناظروں کی تمام روئداد اگر فراہم ہو جائے۔ تو۔ صرف اسی ایک موضوع پر جامع کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ "باطل فرقوں سے "مناظرہ" آپ کی مذہبی خدمات کا شاہکار ہے۔

خطابت

وہ ایک باکمال اور سحر انگیز خطیب تھے، جو اپنے دور وعصر کے خطیبوں میں ممتاز ومنفرد شہرت کے حامل تھے، آپ کی خطابت میں قدرت نے قوت تسخیر کا عنصر کافی مقدار میں ودیعت فرمایا تھا۔ کتنا ہی اہم اور پیچیدہ موضوع ہو، آپ کا انداز بیان اسے آسان سے آسان تر کر دیتا۔ اور بہت جلد سامعین کے دلوں میں اثر انداز ہو جاتا۔ آپ کی خطابت کا اندازہ علمائے سو کے اس تاثر سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ جو آپ کی خطابت سے متاثر ہو کر کہا کرتے تھے۔ "نظامی جیسا خطیب اگر ہماری جماعت میں ہوتا تو ہم لوگ پورے ہندوستان کو وہابی بنا لیتے"۔ (پاسبان ملت ص۱۹)

علامہ نظامی اپنی خطابت میں بالعموم باطل فرقوں کی تردید ہی اپنا موضوع سخن بناتے، لطیفہ گوئی اور بے جا انداز خطابت میں وقت

(باقی صفحہ ۱۵۴)

پاسبان ملت کے شہ پارے

شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمہ میدان مناظرہ کے ایسے مرد مجاہد تھے کہ ہزاروں دیوبندیوں کے لئے ایک تنہا وہ کافی تھے۔ کاٹھیاوار، گجرات، بمبئی، مدراس، رنگون، کلکتہ، غرض کہ یو۔پی، سی۔پی، راجستھان جہاں جاتے ہر جگہ ان کی شہرت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ یہ ایسا بے باک نڈر مرد مجاہد تھا کہ جہاں خیمہ زن ہوا وہاں سے دیوبندیت کا جنازہ نکلوا کر تب ٹھنڈی سانس لیا۔

سید المناظر شیخ طریقت حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ میدان مناظرہ کے شیر غراں شمشیر برہنہ ہیں۔ میدان مناظرہ میں خاندان عباسی کا یہ شہسوار جب اترتا ہے تو ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ "چلی حیدر کی تلوار"

منقبت در شان پاسبان ملت

از قلم
نازاں فیضی گیاوی
کلکتہ

غم نبی کے حسین موسم کے نسترن تھے خطیب مشرق
مقرر لالہ رخ سخندان فکر و فن تھے خطیب مشرق
فضائے سرو و سمن تھے گلزار رضویت کا وہ بانکپن تھے
وفا کی طرز خوشی تھے احساس کے سجن تھے خطیب مشرق
وہ وعظ کی محفلوں میں حب نبی کا دیتے تھے جام سب کو
خصوص لے کے دہی تھے موجد کہ شعلہ زن تھے خطیب مشرق
کہیں پہ گرتے تھے برق بنکر کہیں برستے تھے مثل رحمت
بلکتے نجدی ہزار خود میں مگر مگن تھے خطیب مشرق
جو نطق بو سے خرد کے لیتا تو سن کے دل باغ باغ ہوتا
اثاثہ فکر حق تھے ملت کے جان و تن تھے خطیب مشرق
مئے رضا کا سرور ہر دم تھا انکے جوش ہو میں شامل
فضائے عشق رسول کے درد کا پون تھے خطیب مشرق
سنن کا آنکھوں میں نور لیکر تھے خیمہ زن اہل دل کے من میں
خیال کہتا ہے شان قدرت کی اک کرن تھے خطیب مشرق
تمہاری رحلت کو سہ سکے اہل وفا کا غم کیا کہے یہ نازاں
سسک تھی ہونٹوں پہ ڈبڈبائے ہوئے نین تھے خطیب مشرق

از قلم
سید اولاد رسول قدسی
ایم اے اڑیہ

پاسبان قوم و ملت اب کہاں
ماحی کفر و ضلالت اب کہاں
سنیت رو رو کہ یوں کہتی ہے آج
قلزم علم و فضیلت اب کہاں
سخت دل کو بھی بدل دی موم سے
شاہ اقلیم خطابت اب کہاں
کانپتے تھے نام سے جن کے عدو
ضیغم دین و شریعت اب کہاں
قول فیصل جس کا تھا اظہار خیال
صاحب نور بصیرت اب کہاں
باعث فتح مبیں جس کا قدم
آبروئے اہلسنت اب کہاں
جس کی تحریروں میں تھا بالا اثر
ایسا سلطان صحافت اب کہاں
مدح کیا ہو بیٹھتا جاتا ہے دل
اس قلم میں قدسی طاقت اب کہاں

پاسبانِ ملت

اور ان کی ملی سرگرمیاں

از ——— حافظ بشیر احمد رضوی، ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ مہاراشٹر، بائیکلہ بمبئی ۔ ۱۱

حضرت پاسبان ملت دنیائے فکر وآگہی کی ایک عبقری شخصیت کا نام ہے جو ایک عظیم قائد، ایک بلند پایہ مفکر اور مسلک و مذہب کا بے لوث خادم بنکر دنیا کی نگاہوں میں ابھرے۔ آپکے فضل و کمال کی جلوہ سامانیاں مذہب و ملت کی خدمات سے متعلق آپکی کتاب زندگی کے منتشر اوراق کی رعنائیاں، جذبہ حق گوئی و حرارت ایمانی کی تابانیاں اور اخلاق فاضلہ و شمائل عالیہ کی دلفریبیاں آج بھی ہم سب کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ آپنے اپنے مقدس اسلاف کے ہاتھوں سے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا شراب نوش فرمایا تھا اپنے ماننے والوں کو بھی اسی میکدے کا رند بنائے رکھا اور زندگی کے کسی حصہ میں وہ نشہ اترنے نہ دیا۔ جسم میں رسول ہاشمی سے سچی محبت ولگن اور فدائیت و وابستگی کی روح پھونکنے کے لئے، دلوں کو عشق رسول سے گرمانے کے لیئے فکر و نظر میں صحت مند انقلاب برپا کرنے کیلئے، فاسد خیال اور کاسد افکار کو عقیدت اولیاء کا گرویدہ بنانے کیلئے، کج فکری کے صحرائے سے نکال کر ستھرہ نظریات عطا کرنے کے لیے، رسول پاک کے اسوۂ حسنہ سے اپنی زندگی کو تابناک بنانے اور نئی نسل کے ذہنوں کو قرآن و حدیث کے نغموں سے شادماں کرنے کے لیے آپ نے پورے ملک کا دورہ فرمایا ہندوستان کے خطے خطے میں عشق و عقیدت کی جوت جگائی، گوشے گوشے میں حق کا علم بلند کیا۔ آوارہ ذہنوں کی اصلاح کا سامان فراہم کیا اور طوفان کے زد پر ایمان و عقیدہ کی قندیلیں روشن کیں۔ ہجوم کار اور کثرت افکار کے باوجود اپنے علمی و فکری لٹریچر کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ قوم کے حوالے کرنا آپکی حیرت انگیز صلاحیت کا ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے ——— اب تک تو آپ اپنی شگفتہ تحریر اور خطابت کی گھن گرج کے ذریعے پوری قوم کو گمراہی کے دلدل سے بچاتے رہے۔ لیکن جب علوم مصطفےٰ سے تشنہ روحوں کی سیرابی اور ان کے وارفتگی شوق نے آپکو

برانگیختہ کیا اور جدید نسلوں کی علمی و فکری نشوونما کے احساس نے آپکے دل میں ایک کروٹ لی تو ایک دار العلوم کا منظم پلان لیکر میدان عمل میں کود پڑے تاکہ انھیں ذہنی آوارگی سے روکا جائے ان کے اندر اسلامی اسپرٹ پیدا کی جائے ـــــ ملی کرب کا احساس دیکھئے کہ وہ زمین جو اپنے گھر کے لیے خرید اتھا اس پر اسلامی علوم وفنون کا ایک سرسبز و شاداب چمن دار العلوم غریب نواز کی شکل میں قائم کر دیا۔ جہاں آج بھی نونہالان اسلام کے اذہان وقلوب کو قال اللہ وقال الرسول کے وجد آفریں نغموں سے جلا بخشا جاتا ہے اور جب عائلی نظام کے فیصلے کے لیے یہ دیکھا کہ ہماری قوم غیروں کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے تو دل کرب سے بیٹھ گیا لیکن پھر ایک تازہ شگفتہ ہمت کے ساتھ اٹھے اور ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر و گجرات کی داغ بیل ڈال کر قوم مسلم کی صحیح رہنمائی فرمائی تاکہ مسلمان اپنے مقدمات کو اسلامی عدالت میں پیش کر کے حق بحقدار رسید کا جلوہ دیکھ سکیں۔ الحمد للہ! ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر و گجرات جہاں سے آج بھی ہزاروں لاکھوں فیصلے اور فتاوے صادر فرمائے جاتے ہیں حضرت قاضی شریعت مفتی اشرف رضا صاحب مصباحی پوری ذمہ داری کے ساتھ قوم کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور یہ ادارہ حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمہ کے خوابوں کی حسین تعبیر بنکر مسکرا رہا ہے۔ دوسری طرف اپنے بچوں میں عربی زبان وبیان پر قدرت کا فقدان دیکھا تو وہیں دار العلوم امام احمد رضا کی بنیاد ڈال دی یہ صحیح ہے کہ ابھی دار العلوم میں اتنی معیاری تعلیم نہیں ہو رہی ہے تاہم انھوں نے اپنے پیچھے مخلصین کا جو ایک دستہ چھوڑا ہے وہ ہر لمحہ اسے ترقی کی منزلوں سے ہم آغوش کرانے کے لئے اپنے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ اور یہ ان مخلصین کی کاوشوں کا حسین نتیجہ ہی ہے کہ الگ سے شہر بمبئی میں ڈھائی ہزار فٹ پر مشتمل ایک زمین حاصل کر لی گئی ہے دار العلوم کے سچے ہمدرد محسن قوم جناب سیٹھ محسن صاحب والحاج سیٹھ داؤد صاحب الہ آبادی و سیٹھ نیاز احمد صاحب و سیٹھ الحاج حافظ حنیف صاحب الہ آباد و سیٹھ عبد الغفار بھائی ناگوری و سیٹھ انیس رئیس برادران الہ آبادی و سیٹھ عبد الوحید صاحب فتح پوری و جناب شاہد صاحب الہ آبادی وغیرہم حضرت پاسبان ملت کے اس خواب کو بھی شرمندۂ تعبیر کر کے ہی دم لیں گے یہ ان حضرات کا اخلاص ہی ہے کہ حضور پاسبان ملت کی عطا کردہ امانت کو سمجھ کر نہ صرف یہ کہ سینے سے لگایا ہے بلکہ اس کی صیانت وحفاظت اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔

ان خدمات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ اپنے بڑوں کی مکمل آئینہ دار تھی۔ آپکی زندگی گم کردہ راہوں کے لیے نشان منزل تھی۔ ہر وہ تحریک جو مذہب اہلسنت کے کیمپ سے جنم لیتی اسے نہ صرف سراہتے بلکہ صوبائی، ضلعی اور علاقائی تنگ نظری و تعصب سے اوپر اٹھکر اس تحریک کے مشیر کار اور رفیق سفر بن جاتے اور پھر آپکی دانائی و تدبر کے ذریعہ اس تحریک کے بطن سے ایسے ایسے انقلابات رونما ہوتے کہ مخالفین کی گردنیں خم ہو جاتیں۔ ان کے سارے پلان تودۂ خاک بن کر ہوا میں اڑ جاتے۔ جس سے آپکی فکری صلاحیت اور قائدانہ اور اولوالعزمی کا سراغ لگتا ہے الغرض آپ میں ہر وہ چیز موجود تھی جس کی قوم و ضرورت تھی۔

پروردگار حضرت پاسبان ملت کو جوار رحمت میں جگہ دے اور بال بال انکی مغفرت فرما۔ آمین بجاہ سید المرسلین





علمائے اہلسنت کی نظر میں

مولانا محمد امجد رضا خان ــــــ الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ۔ پٹنہ

دن گذرتے دیر نہیں لگتی ــــ آج پیدا ہوا ــــ کل شباب کی رعنائیاں جلوہ بار ہوئیں ــــ پرسوں پیری اور ضعیفی نے آگھیرا ــــ اور دیکھتے ہی دیکھتے بیتے لمحات ایک حسین خواب بن کر رہ گئے۔

جن دنوں میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد کا ابتدائی طالب علم تھا۔ خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب اہلسنت کے دل کی دھڑکن اور مسلمانان ہند کی رگوں میں گردش خون بنکر دوڑ رہے تھے ــــ میرے احساس و شعور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وقت کا یہ تیز دھارا اور گردش ایام کا یہ تیور کبھی اس مقام پر لاکھڑا کردے گا کہ ہم علامہ نظامی کو ہر سو ڈھونڈتے پھریں گے، ہماری اشکبار و پرنم آنکھیں انھیں چہار جانب تلاش کریں گی۔ مگر ہمیں نامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آسکیگا۔

پس مرون زمانہ ڈھونڈتا ہے مرنے والے کو
ہمارے بعد دنیا کو ہماری جستجو ہوگی

میں ۱۹۸۱ء میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں زیر تعلیم تھا اپنی نو عمری اور مبتدی طالب علم ہونے کے باعث علامہ نظامی علیہ الرحمہ سے متعارف نہیں تھا اور نہ مجھ سے دل میں اتنی جرأت بھی کہاں تھی ؎

اتنی کہاں بساط کہ اس تک پہنچ سکیں
ہم ذرہ ہائے خاک ہیں وہ آفتاب تھا

مگر اسے قسمت کی یاوری کہئے یا کرم خداوندی کہ ایکبار دار العلوم غریب نواز میں ادیب شہیر حضرت علامہ ضیاء جالوی صاحب قبلہ کی تشریف آوری ہوئی اور علاقائی ہونے کے باعث ان سے میرا تعارف ہوگیا۔ چونکہ حضرت ضیاء صاحب قبلہ بڑے شفیق و خلیق اور فطرتاً بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں۔ میں کشاں کشاں ان سے قریب ہوتا چلا گیا۔ پھر پیہم ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان چند ملاقاتوں کے بعد انھوں نے میرے متعلق مشہور کیا کہ میں ان کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ شدہ شدہ یہ بات حضرت نظامی صاحب قبلہ تک پہنچی۔ پاسبان ملت اس تعلق پر بے حد خوش ہوئے اور یہی تبسم و مسکراہٹ ان سے شناسائی کا سبب بن گئی۔

ان کی حیات میں کبھی ان کی تصنیفات کو پڑھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کیونکہ وہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور دوران تعلیم غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقت کم ہی مل پاتا ہے۔ آج جبکہ میں نے درس نظامی کی تکمیل کرلی ــــ شعور بیدار ہوا ــــ احساس نے کروٹ بدلی ــــ

اور شوق نے انگڑائی لی تو حضرت نظامی صاحب ہم سے دور بہت دور چلے گئے اور ہمیں غم والم میں تڑپتا و بلبلاتا چھوڑ دیا۔

نالہ کر لینے دیں احباب نہ چھیڑیں مجھ کو
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف بہت ہوتی ہے

لیکن جب مدیر نورِ مصطفےٰ نے پاسبان ملت نمبر کا اعلان کیا تو مجھے ان کی تصنیفات کے مطالعہ کا شوق بیدار ہوا۔۔۔ اس سلسلہ میں مجھے ان کی جتنی کتابیں فراہم ہو سکیں میں ان کا مطالعہ کرتا چلا گیا۔ تب مجھ پہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ علامہ نظامی صرف فلک شگاف مقرر ہی نہیں بلکہ وہ سب کچھ تھے جو ایک متبحر عالم اور عبقری و ہمہ جہت شخصیت کے اندر ہونا چاہیئے۔

علامہ نظامی علیہ الرحمہ کی بعض کتابوں کو میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا اور پھر بار بار پڑھا، مگر اس کی چاشنی اور اس کی لذت ختم نہیں ہوتی بلکہ ہر بار ندرت وجدت اور انوکھے پن کا احساس ہوا۔

آپ کی تصنیفات میں "خون کے آنسو" کی بڑی پذیرائی ہوئی۔۔۔ جب یہ کتاب عوام و خواص اور اپنوں اور بیگانوں کے مطالعہ میں آئی تو سب حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن کر رہ گئے۔ کوئی ان کی علمی قابلیت، فکری بصیرت، ساحرانہ طرز نگارش اور محققانہ اسلوب تحریر سے محو حیرت تھے اور کوئی اندرون خانہ کے رازہائے سربستہ کے عریاں ہو جانے سے ؎

نہ صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتا راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

خون کے آنسو پہلی جلد کی مقبولیت کا عالم کیا تھا خود مصنف کی زبانی سنئے۔

"یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ خون کے آنسو کا پہلا ایڈیشن صرف ڈیڑھ ماہ کے ایک مختصر سے وقفہ میں ختم ہو گیا ابھی بہت بزرگوں اور دوستوں کو دفتر کی طرف سے اعزازی نسخہ بھی نہیں بھیجا گیا کہ ہمیں ان سے معذرت کرنی پڑی۔۔۔

اب دوسرے ایڈیشن کے لئے کاپی پریس جا چکی ہے کتاب کی مانگ اور آرڈر کی بھرمار سے ہم یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ فوری طور پر ابھی ہمیں اس کے کتنے ایڈیشن نکالنے پڑیں گے یہ جو کچھ بھی ہے اس خدائے قدیر کے بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے۔"

کتاب کوئی بھی ہو اگر اس پر کسی بزرگ اور عبقری شخصیت کے اظہار مسرت کی مہر ثبت ہو جائے تو وہ اسکی صحت و سند کی روشن دلیل ہے۔۔۔

۱۱؍ اگست ۱۹۶۱ء میں شاہزادۂ اعلیٰ حضرت آقائے نعمت سیدی سرکار حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان دفتر پاسبان الہ آباد تشریف لے گئے پھر کیا ہوا۔۔۔۔ پاسبان ملت رقمطراز ہیں۔۔۔

"مولانا انوار احمد نظامی نے جنہیں حضرت مفتی اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے۔ حضرت کی خدمت گرامی میں "خون کے آنسو" کا ایک مجلد نسخہ بطور نذرانہ عقیدت

پاسبانِ ملت کے شہ پارے

وہابیت و دیوبندیت عہد حاضر کے ایک ایسے باطل زندہ مذہب ہیں جو شب و روز حق پرستوں سے برسرپیکار ہیں۔ یہ سچ ہے حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کے لکھنے والے مرکر مٹی میں مل گئے مگر ان کا باطل و گمراہ عقیدہ ان کے ساتھ دفن نہیں ہوا۔ وہ اپنے پیچھے ایک ناپاک ذریت چھوڑ گئے ہیں۔

پیش کیا اور اس کے کچھ مضامین سنائے جسکو سن کر حضرت نے فرمایا "مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کاوش کی ہے"۔ اور انتہائی بہجت و مسکراہٹ کی حالت میں مسکراتے ہوئے فرمایا: "اسے خون کے آنسو کہا جائے یا خوشی کے آنسو" اس کے بعد اپنی جیب خاص سے ۵ روپے دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اس کو جلد دوم کی اشاعت میں میری طرف سے شامل کرلیا جائے"۔

خون کے آنسو کی اشاعت پر ارباب علم و دانش اور علمائے اہلسنت نے جو تاثرات قلمبند فرمائے تھے ان تمام کا احصار تو از بس ہے ہاں بعض تاثرات ہم شامل اشاعت کررہے ہیں۔

ہوتی ہے زندگی میں کہاں آدمی کی قدر
مرنے کے بعد نام کا جلسہ کریں گے لوگ

(شبنم کمالی)

حضرت مولانا ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی (کچھوچھہ شریف)

مولانا کی یہ تصنیف ایسی شان کی بے مثل تصنیف ہے جسکی ملک و قوم کو بیحد ضرورت تھی اور دیوبندیت و سنیت کی حقیقت پر اتنک جو پردہ ڈالا جاتا تھا وہ چاک کر دیا۔ اس تصنیف کو پڑھ کر جی چاہتا ہے کہ اس کا نام (دیوبندیت اپنے آئینے میں) رکھا جائے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ذوق کے مطابق (تحفہ دیوبندیہ) نام رکھا جائے اور مولوی الیاس برنی کے طرز پر (دیوبندی مذہب) رکھا جائے کہ نام ہی سے ظاہر ہو جائے کہ مصنف کی کاوشوں نے کیا چیز ملک و ملت کو دی ہے اس میں شبہ نہیں کہ مسلم دیندار کو دیوبندی شوخیوں اور بدکلامیوں کو دیکھ کر خون کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

حضرت علامہ حسنین رضا صاحب (بریلی شریف)

آج میں نے آپ کی کتاب خون کے آنسو دیکھی بیحد مسرت ہوئی لہٰذا آپ یاد رکھیں کہ عرس کے موقعہ پر ایک نسخہ (خون کے آنسو) ضرور ساتھ لیتے آئیں۔ میں آپ کی انوکھی تحریر دیکھ کر بہت مسرور ہوں اور میں اسباب زوال کے دوسرے حصے میں اس سے مدد بھی لوں گا۔ خداوند عالم آپ کو شاد و آباد رکھے اور زیادہ سے زیادہ آپ سے ایسی دینی خدمات جن سے وہ اور اسکا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔

حضرت علامہ مجیب الاسلام نسیم اعظمی صاحب

قلعہ نجدیت کو ہچکولے میں لانے والی کتاب "خون کے آنسو" میں آپکی کاوش فکر، بالغ نظری، کثرت معلومات، طرز نگارش، انداز تحریر کو مہینوں سالوں داد دیجائے تو حق ادا نہ ہوگا۔ نئی روشنی اور جدت پسندی کا دور ہے وقت کی پکار کے مطابق آپ کی زبان حق ترجمان سے صدائے لبیک نکلی۔

قصر دیوبندیت کی جیسی جاسوسی اور سراغرسانی فرمائی حیرت ہے خود ان کو بھی اپنے گھر کے تمام گوشوں کا اتنا علم نہ ہوگا۔ خون کے آنسو میں وہ تمام خصوصیات ہیں جن سے ہر مکتب فکر ذوق و لذت محسوس کرے گا ادب لطیف کے دلدادے ہوں یا مذہب و ملت کے شیدائی یا نقد و تبصرہ کے فدائی آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے بطلان و عدوان کی خارزار وادیوں میں بھٹکنے والوں کے سامنے لمحۂ فکریہ پیش کر دیا۔ غرض یہ گلدستۂ محاسن موجودہ دور میں شاہکار تصنیف ہے۔

مولانا خواجہ سید عبدالحق قادری صاحب (دھوراجی):

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پوری کتاب حق و صداقت کی آئینہ دار ہے دیوبندی عقائد کے رد و ابطال میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر خون کے آنسو پہلی کتاب ہے جس کو سنی مکتب فکر کی شاہکار کہا جا سکتا ہے مصنف نے بڑی دیدہ ریزی اور تحقیق سے کام لیا ہے یہ کتاب اس قدر سلجھے انداز میں لکھی گئی ہے کہ کہیں بھی قلم نے سنجیدگی و متانت کا ساتھ نہیں چھوڑا مصنف

کے حق میں میری پر خلوص دعا ہے اور سنیوں سے التماس ہے کہ وہ خون کے آنسو ہر گھر میں پہنچادیں فقط۔

حضرت مولینا ابوالنور محمد بشیر صاحب (سیالکوٹ پاکستان):-

خون کے آنسو ملی ایک ہی مجلس میں ساری پڑھ ڈالی بڑا لطف آیا۔ اور معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔۔۔ شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ایسے عقائد و اعمال کا بھی آپ نے انکشاف فرمایا ہے جن سے غالباً خود انکے معتقدین بھی واقف نہ تھے یا واقف تھے مگر ان کا اخفا ہی بہتر سمجھتے تھے بہرحال۔ آپکی تالیف اہلسنت کے لئے ایک گراں قدر علمی و تاریخی تحفہ ہے اور مخالفوں کے مقابلے میں ایک مضبوط حربہ۔

حضرت علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ (سہسرام)

خون کے آنسو کتنی مرتبہ پڑھی اس کا شمار مشکل ہے وقت گزار نے کے لئے جب کبھی ہاتھ میں لی دوسرے تمام کام بھول کر پڑھتا چلا گیا کئی مرتبہ بیساختہ زبان سے نکل گیا عجیب جنون خیز کتاب ہے حاصل اس خامہ فرسائی کا یہ ہے کہ خون کے آنسو اپنے موضوع پر ایسی اچھوتی اور لاجواب کتاب ہے جو ہر مکتب فکر کے لوگوں کو دعوت فکر دے رہی ہے حقیقت یہ کہ تمامی فکر و نظر کے لوگوں کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے تاکہ نفس واقعہ سے غلط پروپگنڈے کی دبیز تہیں اٹھ سکیں۔ اور اصل حقیقت واضح ہوسکے۔

مولانا محمد اسلام اختر فردوسی

خون کے آنسو وصول پایا پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی علامہ نظامی نے دنیائے سنیت کے لئے بڑا کام انجام دیا ہے۔ دیوبندیوں وہابیوں کے لئے دندان شکن جواب ہے۔

سید عبداللہ چیف قاضی

خون کے آنسو لکھکر آپ نے دیوبندیوں کا پردہ چاک کردیا آپ کی ذات گرامی پر جتنا بھی ہم فخر کریں گے کم ہے۔ آپ نے اہلسنت جماعت پر بڑا احسان کیا ہے۔

عبدالوحید خاں جائس

الحمدللہ خون کے آنسو کی وی۔ پی وصول ہوگئی۔ جو کمی اب سے بہت پہلے محسوس کی جارہی تھی الحمدللہ آپ کے ہاتھوں پوری ہوگئی۔ جزاکم اللہ خیر الجزا۔

مولانا نثار احمد مبارکپوری

خون کے آنسو شروع سے آخر تک دیکھی عجیب انداز سے لکھی ہے کہ اب تک اس کمال کی کتاب رد میں نہیں گذری جو اپنی حیثیت سے انوکھی ہے امید کہ اور جلدیں بھی اسی انداز میں ہوں گی۔ اور جن لوگوں نے بھی دیکھا بہت پسند کیا۔

سید برہان الدین احمد آباد

خون کے آنسو جلد اول میری نگاہ سے گذری اور میں نے بالاستعاب مطالعہ کیا یہ بات قابل قدر ہے کہ اس کے تمام حوالہ جات علماء دیوبند ہی کی کتابوں سے دیئے گئے ہیں۔ ان کی کتابوں کا مکمل ریسرچ کرنے کے بعد آپ نے روز روشن کی طرح ظاہر فرمادیا کہ واقعی دیوبندی ملاؤں نے اللہ اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان ارفع واعلیٰ میں گستاخیاں کی ہیں اس کتاب نے تو ایوان باطل میں زلزلہ پیدا کردیا۔ اور عقائد باطلہ کی دھجیاں اڑ گئیں۔

مولانا ظہیر الدین کانپور

خون کے آنسو کو اپنی امید سے زیادہ بلند پایا۔ آپ کی کاوش اور ریسرچ پر جسقدر بھی آپ کی تحسین کی جائے کم ہے اس کتاب نے ہر وہابی دیوبندی کا سر نیچا کر دیا۔ دلائل کی پختگی اور انداز تحریر نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جسقدر سلیقے پیرائے میں خون کے آنسو کی ترتیب دی گئی ہے۔ وہ آپ کا اپنا حق ہے۔ جس نے بھی اس کتاب کو دیکھا تحسین و آفریں کئے بغیر نہ رہ سکا۔

مولانا محمد صدیق اعظمی

خون کے آنسو مطالعہ سے گذر گئی۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود پوری کتاب کو دیکھا جتنی دیانت و امانت سے حوالہ جات کو اکٹھا کیا ہے اس پر ایک میں ہی نہیں بلکہ ہر انصاف پسند آپ کو مبارکباد دے گا۔ رد میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں مگر خون کے آنسو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

مولانا سید حمید اشرف۔ کچھوچھوی

آپ کی گرانقدر قابل فخر کتاب خون کے آنسو نظر سے گذری تمثیلات، نظائر و شواہد سے واقعات و حقائق کی صحیح اور سچی تصویر آپ نے کھینچ کر رکھدی ہے۔ بلاشبہ معاندین و مکابرین پر روشن حجت اور دلیل قاطع قائم کردی گئی ہے مجھے تو کتاب مذکور کی سطر سطر اور لفظ لفظ سے ایمان و عرفان کی حلاوت محسوس ہوئی۔

محمد صادق صاحب

ایک مدت سے خون کے آنسو کے لئے طبیعت بے چین تھی آپ نے واقعی اس پر فتن دور میں مذہب اہلسنت کا بہت بڑا کام انجام دیا اور وقت کی بہت بڑی کمی کو پورا کیا حقائق کو سامنے لاکر بے دینیوں و ضمیر فروشوں کے پوشیدہ کرتوتوں کو بے نقاب کر کے عوام کو صحیح حالات سے روشناس کرایا ہے۔

مولانا محمد سلیم صاحب سلطانپور:

ردوہابیہ دیابنہ میں کتابوں کا لکھنا یہ پرانی بات ہے مگر جس انداز سے آپ نے خون کے آنسو میں خشک مضامین کو انتہائی دلچسپ و دلآویز بنا دیا ہے یہ ایک بالکل نیا طریقہ ہے۔ جہاں آپ مضامین کے فراہم کرنے اور اس کو ترتیب دینے میں مستحق داد ہیں۔ اس سے زیادہ ایک نیا اسلوب بیان و جدید طرز نگارش پر قابل مبارکباد و لائق تحسین ہیں۔

مولانا مشتاق احمد صاحب، بستی:

آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف خون کے آنسو کا اول ہی فرصت میں غائر نظر سے مطالعہ کیا کتاب کا افادی پہلو روشن و تابناک ہے۔ دیوبندیت کے نام نہاد جبہ و دستار والے مولویوں کے کرتوت منظر عام پر آ گئے۔ سنی حضرات جلد از جلد اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان کو تروتازہ کریں۔ اعلاء حق و ابطال باطل کا جو جیتا جاگتا ثبوت آپ نے دیا ہے اس کے لئے ہزار بار آپ لائق مبارکباد ہیں۔

حضرت علامہ نسیم بستوی

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب صرف تقریر و خطابت ہی کے بادشاہ نہیں بلکہ اسلامی طرز فکر کی حامل تحریر و انشار کے بھی ایک ممتاز و منفرد تاجدار ہیں آپ نے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کی روشنی میں اسلام و سنیت کی قابل قدر خدمت انجام دی اس کی پوری دنیائے اسلام معترف ہے۔

خون کے آنسو عصر حاضر کے زبان و ادب کی مکمل رعایت کے

ساتھ انصاف و دیانت کے تمام تقاضوں کو پورا کررہی ہے۔ اس کے مضامین اگر ایک طرف خرمن وہابیت و دیوبندیت پر بجلی کی طرح گرتے ہیں تو دوسری طرف پرستاران حق و حامیان اسلام و سنیت کے چمن زار کیلئے حیات افروز و ایمان پرور بہار ثابت ہورہی ہے۔

علامہ شبنم کمالی (سیتامڑھی) :

خون کے آنسو وقت و ماحول کے تقاضا پر آپکی قابل قدر تصنیف ہے۔ جو بھی پڑھتا ہے ایک صحیح اور محکم فیصلہ کئے بغیر نہیں رہتا۔ انداز بیان کی پاکیزگی اور دلائل و براہین کی جامعیت دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ نے اس کتاب کی تصنیف میں جو راہ و روش اختیار کی ہے بڑی پیاری ہے۔ خداوند کریم نے جسے عقل سلیم و فہم و فراست عطا فرمائی ہے۔ وہ اس کتاب کو پڑھکر دیوبندیت کی خد و خال کو نمایاں دیکھ کر ایک صحیح راہ ضرور مقرر کرے گا۔ ہاں جسے خدائے تعالیٰ نے عقل ہی نہ دی ہو وہ بے چارہ مجبور محض ہے۔

مولانا محمد مشتاق احمد مظفر پوری :

خون کے آنسو مطالعہ سے گزری اس کے ظاہری اوصاف اور معنوی خوبیوں نے ایسا مسحور کردیا کہ علالت طبع کے باوجود اتنی ضخیم کتاب کا مطالعہ ایک ہی نشست میں محض چھ گھنٹے میں ختم کیا بے ساختہ زباں سے صدائے تحسین نکلی مضمون دلچسپ اور انداز بیان انوکھا طرز نگارش شائستہ اور ذوق افزا ہے ایسی نئی معلومات آپ نے فراہم کی ہیں جن سے عوام کیا طبقۂ خواص بھی نا آشنا تھا۔ آپ کی نئی دریافت قابلِ داد اور آپکی ذہنی کاوش لائق مبارکباد ہے۔

مولانا تراب علی رضوی (گونڈہ) :

خون کے آنسو موصول ہوئی انتہائی لذت محسوس کرتے ہوئے مکمل پڑھ ڈالی دیوبندیت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف، اندرون خانہ کی نوک جھونک حسین و دلچسپ انداز میں بیان کرنا آپ ہی کا حصہ ہے۔ طرز تحریر کی خوبیاں ناقابل بیان ہیں ___ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک دریا بہتا جارہا ہے۔ الفاظ کی موزونیت و دلکشی۔ شیریں بیانی اشعار کا تطابق بے پایاں معلومات فاضل علوم مشرقیہ کی تائید کرتے ہیں۔

سبحان اللہ القادری الامجدی :

خون کے آنسو ملی ایک ہی نشست میں پوری کتاب پڑھ ڈالی ماشاء المولیٰ تعالیٰ کتاب مذکور اپنی نوعیت میں خود اپنی نظیر ہے دنیائے سنیت کے لئے بہترین سرمایہ اور مخالفین کے لئے مشعل راہ ہے۔ اگر دیوبندی صاحبان اپنی آنکھوں سے تعصب کی عینک ہٹا کر سنجیدگی کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو ہوسکتا ہے کہ صراط مستقیم نصیب ہو۔

مولینا جلال الدین قادری :

کتاب کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیائے سنیت میں اس کتاب سے بہتر قصر وہابیت و دیوبندیت میں زلزلہ ڈال دے کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی میرے خیال میں اس کتاب کے اکثر و بیشتر نسخے وہابیوں دیوبندیوں اور ندویوں کے یہاں بھی بھیج دینا چاہیئے ممکن ہے مولیٰ تعالیٰ ان کو اس کتاب کے مطالعہ کی برکت سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مولینا مشتاق احمد صاحب نظامی کی ذات گرامی قابل صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے باطل کی نقاب کشائی فرما کر احقاق حق کیا۔

مولینا محبوب عالم قادری :

خون کے آنسو نظر سے گذری بنظر عمیق مطالعہ کیا فرط ذوق و شوق نے کتاب کے اختتام پر مجبور کردیا ایک ہی جلسہ میں پوری کتاب از اول تا آخر پڑھ گیا اس کی توصیف تعریف سے میں قاصر و عاجز ہوں فی الحقیقت

اس پر آشوب دور میں اس نوعیت کی کتاب کی اشد کمی محسوس کی جا رہی تھی جسکی کمی کو علامہ فاضل علوم مشرقیہ نے پورا فرمادیا، علامہ کی مذکور تصنیف نے توالوانے وہابیت و دیوبندیت میں زلزلہ پیدا کردیا ہے اور گندم نما جو فروش کے دام تزویر کو خوب چاک کیا ہے۔

مولانا عبدالقدیر اشرفی :

علامہ نے بڑا احسان کیا ہے کہ خون کے آنسو تصنیف فرماکر بھولے بھالے نادان مسلمانوں کو دام فریب سے آگاہ کردیا پوشیدہ کرداروں کو سب کے سامنے رکھ دیا اب جس کا جی چاہے مانے یا نہ مانے۔ آپ نے نیک و بد سب کچھ سمجھا دیا جو ایک مخلص کا کام تھا اللہ پاک اجر عظیم عطا فرمائے۔

مولانا رفیق القادری رضوی :

مدیر پاسبان کا یہ قلمی شاہکار جہاں غلامان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کو خون کے آنسو رلاتا ہے وہیں وہابیت دیوبندیت کے چہرے سے نقاب پلٹ دیتا ہے جس سے ان کی کریہہ صورتیں سامنے آجاتی ہیں اور بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے۔

یہ عجب زمانہ نے کھایا پلٹا
ہے داڑھی لمبی عقیدہ الٹا

مولانا محمد احمد ماہر رضوی :

اس دور پرفتن میں درحقیقت عوام کو جس تصنیف کی ضرورت تھی اسے علامہ نظامی نے پورا فرمادیا ـــــ اب بھی وقت ہے آنکھیں کھولو اور ادارہ پاسبان کی ہر ممکن خدمت کرو ـــــ خون کے آنسو درحقیقت ایک ایسی تصنیف ہے جس سے قبل میرا خیال ہے کہ دوسری کتاب مارکیٹ سنیت میں میں نے نہیں دیکھی۔

مولانا محمد اسحٰق خاں قادری (رائے بریلی) :

کتاب مبارکہ کو پڑھکر بہت مسرت ہوئی دنیائے سنیت پر فاضل مصنف نے اس کتاب کو مرتب فرماکر احسان عظیم فرمایا ہے کتاب کے پہلے حصہ کو پڑھکر دوسرے حصہ کا سخت اضطراب کے ساتھ انتظار ہے، یہ کتاب اہلسنت وجماعت کے لیے ایک بیش قیمت علمی تحفہ ہے اس کتاب مبارکہ نے بڑے اچھوتے انداز میں وہابیت کی نقاب کشائی کی ہے۔

مولانا محمد عبدالغنی مہاجر مدنی (مدینہ منورہ) :

اکثر اس قسم کی کتابیں حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قادری عنایت کرتے رہتے ہیں مگر جو خوبی آپ کی کتاب میں پائی گئی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی جن حقائق کو آپ نے مخالف گروہ کی کتابوں کے حوالہ جات سے بیان اور ظاہر کیا ہے۔ درحقیقت "ان کا جوتہ ان کے سر" کے مصداق ہے فی الحقیقت آپ نے عام مسلمانوں کے ساتھ بڑا احسان کیا ہے جن کو ہمارے علماء اور قوم کے رہنماؤں نے فٹبال بنا رکھا ہے خدا کرے مسلمان ان حقائق کو پڑھیں اور پھر سوچیں اور ہدایت پائیں۔

مولانا محمد اسلم صاحب (سلطان پور)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خون کے آنسو اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس نے انداز تنقید اور طرز تبصرہ کی ایک نئی راہ پیدا کردی خطیب مشرق علامہ نظامی اپنی اس کاوش میں تنہا مستحق داد نہیں بلکہ انھوں نے ہم سب کا سر اونچا کردیا جس کو ہم ہر سوسائٹی میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب (مدنپورہ):

عصر حاضر کی عدیم المثال کتاب "خون کے آنسو" میری نظر سے گذری اس کے محاسن اور سند قبولیت کی یہ ایک روشن دلیل ہے کہ ماضی قریب میں کوئی کتاب اس سے زیادہ بمبئی کے مارکیٹ میں اپنا نام نہ پیدا کر سکی۔ آج اپنے وغیر ہر اک انجمن میں اس کا تذکرہ ہے اور بگڑے ہوئے ذہن وفکر کے سنوارنے میں خون کے آنسو خود اپنی مثال ہے بمبئی کی دنیا جلد دوم کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔ خون کے آنسو آنے والی نسل کے لئے نشان میل کا کام دیگی۔

مولانا عبد الغفور اشرفی (برہان پور)

خون کے آنسو پہلی کتاب ہے جس نے سوئے ہوئے ذوق مطالعہ کو جگایا اور اس کی ایک ایک سطر پڑھی۔ دل بہت خوش ہوا کہ حالات کے بالکل صحیح تقاضے پر یہ کتاب منظر عام پر لائی گئی ہے یہ کتاب ایک میرے ہی نہیں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کے دل کی ترجمان ہوگئی۔

سید عظیم الدین (بڑودہ):

میری نظر میں خون کے آنسو پہلی کتاب ہے جس نے سنی مکتبہ فکر کو تنقید وتبصرہ کا ایک نیا انداز بخشا ہے اور وہابیہ دیابنہ کے حق میں لمحہ فکریہ ہے اس کتاب نے بہت سے وہ نوجوان جن کے قدم ڈگمگا گئے تھے ان کو سنبھالا دیا۔

فاروق علی صاحب (رائپور)

مولانا نظامی نے ایسے خشک مضمون کو جس قدر دلچسپ اور رنگین بنا دیا ہے یہ ان کا اپنا حصہ ہے نقد ونظر سے متعلق بہت سی کتابیں اور بے شمار مضامین نظر سے گزرے مگر خون کے آنسو سے بڑھکر کسی کو جاذب مطالعہ نہ پایا مصنف کا پوری ملت اسلامیہ پر ایک احسان ہے

خلیل الرحمٰن اشرفی (مظفر پور):

وی۔ پی وصول کرنے کے بعد کئی روز تک یہ کتاب میرے سرہانے پڑی رہی ایک دن یونہی بے اعتنائی سے اٹھایا اور پڑھنا شروع کیا چنانچہ مکمل بارہ گھنٹے میں پوری کتاب دیکھ گیا۔ تقریباً اکیس بار اس کتاب کو پڑھ چکا ہوں میرے پاس الفاظ نہیں جس سے خطیب مشرق علامہ نظامی کی خدمات کو سراہا جا سکے۔

مولانا محمد مستقیم رضوی (ناگپور):

خون کے آنسو کا بہت نام سنا کرتا تھا طبیعت پڑھنے کو بیقرار تھی اللہ بھلا کرے مولانا غلام مصطفےٰ رضوی برنوی کا کہ ان کے توسط سے میری دیرینہ خواہش پوری ہوئی خون کے آنسو ردو ہابیت ودیوبندیت میں ضرب آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب نے دونوں فرقۂ باطلہ پر ایسی ضرب کاری کی ہے جس سے وہابیت ودیوبندیت خون کے آنسو رونے پر مجبور رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ انھیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق رفیق بخشے آمین۔

محمد غلام مصطفیٰ (بھاگلپور):

میں مولانا مشتاق نظامی کو اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ ہم دونوں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی درسگاہ میں پڑھتے تھے اپنی فراغت کے بعد موصوف کی تقریر کا شہرہ سنا، مدتوں کے بعد جب ان کی تقریر سنی تو محو حیرت رہا۔

آج جبکہ خون کے آنسو دیکھی تو یہ نہ فیصلہ کر سکا کہ مولانا نظامی کو شاہکار قلم کہا جائے یا شاہکار خطابت سچ تو یہ ہے کہ وہ زبان و قلم دونوں کے بادشاہ ہیں۔ اب تو میں خون کے آنسو سے میدان مناظرہ میں بہت ہی کام لیا کرتا ہوں۔

مُصنف اپنی تصنیف کے آئینے میں

محمد مستقیم رضوی ناگپوری

خطیب مشرق پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۰ء میں واصل بحق ہو گئے۔ اس عرصہ میں آپ نے دین وسنت اور مذہب و ملت کی ایسی نمایاں خدمات انجام دی جو آب زر سے لوح دل پہ لکھنے کے لائق ہے ___ قدرت نے شخص واحد کو گنجینہ محاسن اور جوہر مردانہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا ___ جو بیک وقت مقرر بھی تھا مفکر بھی، مدرس بھی تھا مناظر بھی، مصنف بھی تھا صحافی بھی،

ان کی حیات کا ایک ایک لمحہ لمعہ حب رسالت سے درخشندہ اور جذبہ خشیت الٰہی سے تابندہ تھا اور یہی درخشندگی وتابندگی قبر میں انکی مونس و رفیق ہو گی ___ پاسبان ملت کی تصنیفات پر جب طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ انکی بہتر سالہ زندگی کا خلاصہ و نچوڑ انکی تصنیفات میں سمٹ گیا ہے ___ تلاش و تتبع اور تجسس و تفحص کے بعد انکی مطبوعہ غیر مطبوعہ اور غیر تکمیل شدہ جتنی کتابوں کا علم ہو سکا اسکی فہرست پیش کر رہا ہوں خدا توفیق دے

___ توان کو پڑھئے اور اپنے عقیدہ وایمان کو پختہ کیجئے ___

خون کے آنسو ___ دو حصہ	انکشافات ___	تازیانہ ___
قہر آسمانی ___ ایک حصہ	معیار حق ___	روح تصوف ___
نیا دین ___ " ___	تنویر الایمان ___	تاریخ مجاہد ملت ___
جماعت اسلامی کا شیش محل	تبلیغی جماعت کے ڈھول کا پول	خلافت راشدہ ___
مجرم کون ہے ؟ ___	خطبات نظامی ___	مبادیات منطق ___
کربلا کا مسافر ___	فردوس ادب مکمل ۴ رحصے ___	سیرۃ النبی ___
عقائد اہلسنت ___	سیف نظامی ___	پاسبان کا عقائد نمبر ___
ہند کے راجہ ___	چیونٹی چلی بہرائچ کو ___	" مجدد اعظم نمبر ___
مینارہ ہدایت ___	ہوا محل ___	" امام احمد رضا نمبر ___
تقلید شخصی ___	ایشیا کا مظلوم مفکر ___	" محدث اعظم نمبر ___
نسیم رحمت مکمل ۳ رحصے ___	دو مجاہد ___	" مناظر اعظم نمبر ___
شرح کافیہ فارسی (مرفوعات تک)	خون کے آنسو جلد سوم	" سید العلماء نمبر ___

پاسبانِ ملت
ایک ہونہار سپوت

مولانا سید اسرار الحق - سابق - ایم . پی

خطیبِ مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی ہند و پاک کے کروڑوں مسلمانوں کو غمگین چھوڑ کر اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے۔ پاسبان ملت نہ صرف ہند و پاک کے بے مثال اور قادر الکلام مقرر تھے بلکہ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں اپنی مثال آپ تھے۔ موصوف کی متعدد تصانیف آج بھی ہند و پاک کے مدرسوں اور علمی مکتب فکر کے لوگوں میں پڑھی اور یاد کی جاتی ہے۔

حضرت پاسبان ملت نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ تصنیف و تالیف اور رسالہ "پاسبان" الہ آباد کی ادارت میں گزارا۔ ہند و پاک کا کوئی ایسا علاقہ نہیں تھا جہاں پاسبان ملت کی خطابت کا سکہ نہ بیٹھا ہو۔ سچ پوچھئے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موصوف نے روزمرہ کی زبان میں اسلامی تعلیمات کو ڈھالنے کی انتھک کوشش کی ــــ اپنی ساری زندگی میں دین و مذہب کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور امام احمد رضا قدس سرہ کے دینی و تعلیمی مشن کو کماحقہ ترقی کے درجات تک پہنچایا۔ ہندوستان کا بچہ بچہ پاسبان ملت کی خدمات سے متاثر ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے لوگ مدتوں میں چند پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت پاسبان ملت مجھ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور دینی خدمت کے سلسلہ میں جب بھی میں نے انھیں آواز دی تو وہ ہمہ تن تیار ملے اور تقریری و تحریری میدانوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ بریلوی مکتب فکر کے ایک ہونہار سپوت ہی نہیں تھے بلکہ تاریخ میں یاد رکھے جانے والے طبقۂ اہلسنت میں حضرت پاسبان ملت فراموش نہیں کئے جائیں گے۔

الہ آباد شہر میں حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کا قائم کردہ دنیائے سنیت کا مائۂ ناز علمی اور مذہبی مرکز دار العلوم غریب نواز زندۂ جاوید رہے گا۔ پاسبان ملت اگرچہ ہم سے رخصت ہو گئے لیکن انکی دینی، ملی، مذہبی، علمی اور تنظیمی خدمات ان کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے ــــ

دینی خدمات کے سلسلے میں آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ، سنی جمعیۃ العلماء، تبلیغ سیرت اور جماعت رضائے مصطفےٰ کا کوئی ایسا اسٹیج نہیں تھا جو پاسبان ملت کے دم سے پر رونق نہ رہا ہو۔ موصوف نہایت ہی منکسر المزاج اور دوست نواز عالم دین تھے۔ خدا پاسبان ملت کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔



پاسبانِ ملت ایک عظیم رہنما

ازقلم ——— (مولانا) ظہور احمد اشرفی باسنی ناگور

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی رحمۃ اللہ علیہ گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے نازش صحافت، شہنشاہ خطابت، باکمال مدرس اور بے مثال مناظر تھے خدمت قوم و ملت میں دین کی اشاعت وحمایت میں اور صورت وسیرت میں اسلاف کا نمونہ تھے اور " سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے" کی سراپا تصویر تھے

مدبر ایسے کہ دشمنان دین وگستاخان نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناپاک حملوں کے دفاع کیلئے حریف کے ہر مورچہ کے مقابل ویسا ہی مورچہ قائم کرکے اپنے مدبرانہ شان کے سکے بٹھا گئے یعنی کتابوں کے جواب میں کتابیں، دارالعلوم کے مقابلہ میں دارالعلوم، دارالافتاء کے مقابلہ میں دارالافتاء اور جماعت کے مقابلہ میں جماعت کی صورت مضبوط مورچے اور ناقابل تسخیر قلعے قائم کرکے اپنے عدم موجودگی کی خلاکو پرکرنے کا سامان زندگی ہی میں کر گئے

اللہ اللہ مدبر ہوتو ایسا ہو رہبر ہو تو ایسا ہو اب انکی عدم موجودگی کو خلاسے وہی تعبیر کریگا جو عمل سے کورا ہوگا وہ تو اپنے فکر وفن کے گہر ہائے نمایاں سے ہمارے دامن کو بھر گئے اور دعوت فکر دے گئے ان مضبوط مورچوں اور قلعوں پر ڈٹ کر میدان عمل میں اتر جاؤ انشاء اللہ فتح ونصرت قدم چومیگی

دارالعلوم غریب نواز کیا ہے خطیب مشرق رحمۃ اللہ علیہ کے جگر کے ٹکڑوں اور خون دل سے تعمیر کی ہوئی ایک مقدس درسگاہ ہے جسے وہ بطور وراثت نہیں بلکہ بطور امانت ہمارے سپرد کر گئے لہذا امانت داری کا تقاضا ہے کہ ہم اسکی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں اگر خدا نخواستہ اسکی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی دبے پر واہی کی یا اسکو نقصان پہونچانیکی کوشش کی تو یہ امانت میں خیانت اور رہبر مشفق خطیب مشرق کی روحانی ایذارسانی کا باعث ہوگا

سنی تبلیغی جماعت - حضرت خطیب مشرق رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا دوسرا عظیم کارنامہ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت کا قیام ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہابی تبلیغی جماعت کے پھیلتے ہوئے زہریلے اثرات کی روک تھام کرکے اہلسنت وجماعت

کے دین و ایمان کی حفاظت کا ملک گیر انتظام کیا جا سکے چنانچہ
پورے ملک میں اسکی شاخیں قائم کرنے کیلئے مخلصانہ اور
مجاہدانہ ہندوستان گیر دورہ کیا اور ہر بستی، ہر شہر میں پہونچ
کر مقامی علماء کرام کو جمع کر کے سنی تبلیغی جماعت کی شاخ قائم
کر دی اور مندرجہ ذیل چند ہدایتیں دیدیں جو آب زر سے لکھنے
اور دلوں میں اتار لینے کے قابل ہیں

(۱) آج سے تمام ائمہ کرام سنی تبلیغی جماعت کے اصول کے
مطابق اپنی اپنی مسجد میں تبلیغ کرنا لازم کر لیں اور روزانہ ایک
وقت کسی نماز کے بعد صرف دس منٹ کتاب دیکھ کر سنا دیا
کریں۔ ہمارا نصاب تبلیغ علماء اہلسنت کی کتابیں ہیں جن
سے تہذیب و اخلاق کا سدھار، عقائد کی اصلاح، فقہی
معلومات بہم پہونچائی جا سکے مثلاً بہار شریعت سولہواں حصہ
جاء الحق و قانون شریعت وغیرہ

(۲) اب اگر کوئی وہابی جماعت ہماری مسجد میں آجائے
تو انہیں فتنہ سے بچنے کی خاطر نہ ماریں نہ دھکے دیکر نکالیں
بلکہ ان سے کہیں کہ یہاں بفضلہ تعالیٰ تبلیغ کا سلسلہ جاری
ہے تم ہر جگہ سناتے ہو یہاں ہماری سنو! پھر دس منٹ
کتاب سنا کر حسب دستور اہلسنت سب کہو آؤ اب کھڑے ہو کر
صلوٰۃ و سلام پڑھ لیں! یہ سنکر وہابی اگر بھاگنے لگیں
تو بھاگنے دو اور اگر بھرم رکھتے ہوئے مرے دل سے کھڑے
بھی ہو گئے تو انشاء اللہ اس کے بعد صلوٰۃ و سلام کے کوڑے
کھانے کے لئے اس مسجد میں کبھی نہ آئیں گے اسکو کہتے ہیں
، سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے

نوٹ :۔ یہ بہت نکمی اور ضدی قوم
ہے یہ نہ دھکا سے مانتی ہے نہ مکا سے، یہ مانتی ہے صرف
صلوٰۃ و سلام کے جھٹکا سے،

بحمد اللہ! ملک کے گوشے گوشے میں سنی تبلیغی جماعت
کی شاخیں سرگرم عمل ہیں اور اب تو مسجدوں سے نکل کر ضلعوں
اور صوبوں میں پھیل چکی ہیں منجملہ ازاں سنی تبلیغی جماعت
شاخ باسنی تبلیغ کے مندرجہ ذیل اہم گوشوں پر راجستھان
گیر مہم چلا رہی ہے مثلاً

قیام مدارس :۔ راجستھان کے چھوٹے چھوٹے جہالت
میں گھرے ہوئے ۷۰ دیہات میں ستر مدارس اور ستر مسجدوں
میں مستند علماء کا تقرر کر کے ان اداروں کو اپنے خرچہ سے
چلا رہی ہے

تنظیم المدارس :۔ راجستھان میں دینی تعلیم کی ترقی کے
لئے ابتدائی پنجسالہ نصاب تعلیم ترتیب دیکر تعلیمی نظم
و ضبط کا انتظام کر دیا گیا ہے

تحریری تبلیغ :۔ جماعت کے ہر مدرسہ کیلئے تین تین
عدد سنی رسالوں کا جماعت کیطرف سے اجراء اور اصلاحی
اشتہار، کتابچے ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرنا

گشتی تبلیغ :۔ تحریک صلوٰۃ، تعلیم بالغاں، مدارس شبینہ
وغیرہ وغیرہ

خطیب مشرق حضرت علامہ نظامی صاحب نے اپنے
مبارک خواب کی اس حسین تعبیر کو دیکھ کر روحانی مسرت کا یوں
اظہار فرمایا تھا۔

"باسنی آنکھوں سے دور ہے مگر دل سے بہت قریب ہے"

اللہ رب العزت علامہ نظامی کو جنت الفردوس میں جگہ
دے اور انکی قبر پہ رحمت و نور کی بارش برسائے آمین



پاسبانِ ملت ایک نظر میں

اسم گرامی —— مشتاق احمد نظامی

تخلص —— نظامی ——

لقب —— خطیب مشرق پاسبان ملت

تاریخ پیدائش —— ۱۹۱۸ء ——

جائے پیدائش —— موضع سرائے غنی الہ آباد ——

نشو و نما —— آپنے اپنے گاؤں میں ابتدائی نشو ونما پائی پھر تعلیم کے لئے الہ آباد کو اپنا مسکن بنایا ——

آستانہ کی حاضری —— سب سے پہلے حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اقدس پر حاضری دی ——

ازدواجی زندگی —— سنت سمجھ کر آپ ازدواجی زندگی سے منسلک ہوئے مگر اولاد سے محروم رہے ——

تعلیمی ادارہ —— آپنے جامعہ حبیبیہ الہ آباد میں درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل کی ——

فراغت —— ۱۹۴۷ء میں آپ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا ——

ڈگریاں —— فاضل علوم شرقیہ، درس عالیہ سے ۱۹۴۴ء میں عالم ۱۹۴۵ء میں منشی ۱۹۴۶ء میں فاضل ادب ۱۹۴۷ء میں کامل اور اعلیٰ کا امتحان پاس کیا۔ طب کی بھی جملہ کتابیں پڑھیں مگر امتحان نہ دے سکے ——

تدریسی خدمات —— ایک سال جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم چندماہ جامعہ فاروقیہ بنارس (صدر مدرس) مدرسہ سبحانیہ ۳ سال

اساتذہ —— حضور مجاہد ملت، حضرت مفتی نظام الدین صاحب مولانا عبدالرب صاحب، مولانا سید عبدالقدوس صاحب

تلامذہ —— قاری نعمت اللہ صاحب، مولانا عبدالحبیب صاحب مولانا نورالدین نظامی، مولانا ابوزرمانی، مولانا انوار احمد نظامی وغیرہم

خطیبانہ رنگ و آہنگ —— آپ سحر انگیز اور باطل شکن خطیب تھے

مناظرانہ طمطراق —— دنیائے سنیت میں جہاں مناظرہ ہوتا آپکی شرکت لازمی ہوتی۔ بجرڈیہہ بنارس، گونڈا، بھیونڈی اور جھریا کے تاریخی مناظرے میں آپکے مناظرانہ طمطراق کے جوہر نمایاں ہے

تصنیفات —— خون کے آنسو ۲ جلد، قہر آسمانی، نیا دین، شیش محل، کربلا کا مسافر، بے نقاب چہرے وغیرہ وغیرہ ——

صحافتی اقدام —— ۱۹۴۸ء میں ماہنامہ پاسبان کا اشاعتی سفر اور پھر بمبئی سے ہفتہ وار تاجدار کا اجراء آپکی صحافتی زندگی کی غماز ہے

شاعر و مجموعہ کلام —— آپ نعت اور غزل دونوں کے شاعر تھے آپکی دیوان سرقہ کی نذر ہو گیا اسی لئے مجموعہ کلام شائع نہ ہوسکا

کارنامے —— سنی تبلیغی جماعت کی تشکیل، ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر دارالعلوم غریب نواز، دارالعلوم امام احمد رضا بمبئی جیسے قلعے کا قیام

مرض وصال —— ۲ سال تک فالج کے شکار رہے اس درمیان افاقہ بھی ہوا مگر مرض وصال فالج ہی تھا ——

وفات حسرت آیات —— ۲۹؍اکتوبر ۹۰ء الہ آباد میں آپکی وفات ہوئی

آخری آرام گاہ —— آپکی وصیت کے مطابق آپ کو دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں دفن کردیا گیا

پاسبان ملت

یادوں کے دریچے

محمد کلیم الزماں نوری مظفرپوری

آنا جانا زمانے کی ریت ہے — زلیست کا عنوان ہے — حیات کا انوکھا اور کرب انگیز باب ہے — زندگی کا ایک المناک پہلو ہے — اس اصول سے انکار گویا قرآنی آیت کل نفس ذائقۃ الموت سے انحراف ہے مگر ایک عاشق مصطفےٰ کی موت کو حدیث وصل حبیب کا پیارا نام دیتی ہے — حضرت آسی نے بڑی پیاری بات کہی ہے ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
آج کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

دنیا کہہ رہی ہے کہ وہ مرگیا — زمانے سے چل بسا — ملک عدم کا راہی ہوگیا — لیکن عاشق صادق کا عالم تو یہ ہے کہ ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

یعنی عاشق مرتا نہیں ہے بلکہ اس کی موت خود اس کی حیات سرمدی کا لذت آفریں پیغام ہوا کرتی ہے ؎

میرے جنازہ پہ رونے والو فریب میں ہو بغور دیکھو
مرا نہیں ہوں غم نبی میں لباس ہستی بدل گیا ہوں

ہاں ہاں! وہ ایک سچا عاشق رسول تھا — اپنے مصطفےٰ کا شیدا تھا — وہ اسیر حبیب تھا — زلف جاناں کی خوشبوؤں سے مست و بے خود رہتا تھا — محبوب کی ہر ادا پر قربان ہوا جاتا تھا۔ وہ ایک دیوانہ تھا مگر نہ جانے کتنے فرزانوں کو رہ عشق کا پتہ دے گیا اور جاتے جاتے اپنے ماننے والوں

عشق خاموش کے مزے ہیں جگر
جوش فریاد، دشوار، ماتم کیا

جانے والے تو روز ہی جاتے ہیں — آئے اور رخصت ہوگئے — لیکن دل کی تختی پر ان کا نام تک باقی نہیں رہ جاتا — فکر کے پردہ پر کوئی نشان بھی نہیں رہ پاتا — ذہن کے حاشیہ پر ایک دھندلی سی لکیر بھی دیکھنے کو نہیں ملتی — آئے اور چلے گئے — مگر اے ملت کے نگہباں تیری یادوں کا تسلسل ہے جو کبھی ختم ہونے کو نہیں — تیری محبتوں کا تذکرہ ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں — تیرے عقیدتوں کا نغمہ ہے جو کبھی سرد نہ پڑے گا — تو نے یادوں کے افق پر ایسے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں کہ صبح قیامت تک اس کی چمک دمک ختم نہیں ہو سکتی — تمہارے

پاکیزہ کردار کا چرچا ہر بزم میں ہوگا ـــــ تمہارے درخشاں کارناموں کا ذکر ہر ماحول میں ہوگا ـــــ تو نے ہماری حیات کی رہگذر میں یادوں کے ایسے اجالے بکھیرے ہیں کہ دور دور تک تاریکی کا نام نہیں ـــــ بس روشنی ہی روشنی ہے ـــــ تابانی ہی تابانی ہے ـــــ میں تمہاری کن کن اداؤں کا تذکرہ کروں ـــــ کن کن خوبیوں کا چرچا کروں ـــــ تیری شخصیت تنہا ایک انجمن تھی ـــــ تیری ذات خود ایک حیرت جہان تھی ـــــ میں اس خوشگوار لمحہ کو کیسے فراموش کر دوں ـــــ پر کیف موقعہ کو کیسے بھلا دوں ـــــ جب میں الہ آباد شہر میں ایک اجنبی بنکر داخل ہوا تھا ـــــ مگر پہلی ملاقات سے ایسا لگا کہ برسوں کی شناسائی ہو ـــــ مدتوں کا تعارف ہو ـــــ بہت دنوں کی دید و شنید ہو ـــــ آج اس واقعہ کو سات سال گذر گئے ـــــ لیکن ایسا لگتا ہے کہ کل کی بات ہو ـــــ ہوا یہ کہ ۱۹۸۵ء میں ایم پی کے مشہور شہر رائے پور جانے کا اتفاق ہوا ـــــ واپسی میں جب ٹرین الہ آباد پہنچی تو اچانک نہ جانے دل میں کیا خیال آیا کہ الہ آباد اتر گیا ـــــ رکشا کیا اور مرزا غالب روڈ کی طرف چل پڑا ـــــ کچھ ہی دیر کے بعد دیکھا کہ دار العلوم غریب نواز کی پر شکوہ، فلک بوس اور ایک وسیع و عریض زمین پہ پھیلی ہوئی ایک بلند و بالا عمارت سامنے ہے ـــــ رکشا سے اترا اور مہمان خانے میں سامان رکھا ـــــ ابھی تک صرف نام سُنا تھا ـــــ دیدار سے مشرف نہ ہو سکا تھا ـــــ زیارت سے شاد کام نہ ہوا تھا ـــــ ملاقات کی تڑپ ہر لمحہ تڑپائے جا رہی تھی ـــــ جب شام ہوئی تو ملاقات کی غرض سے در دولت پہ حاضر ہوا ـــــ دیکھا دروازہ پہ چارپائی لگی ہے اور حضرت پاسبان ملت محو استراحت ہیں ـــــ ایک نہایت ہی شکیل و جمیل ـــــ بارعب ـــــ پر جلال ـــــ اور حسن و جمال کا پیکر رعنا بستر پہ جلوہ باش ہے ـــــ اور ارد گرد بیٹھے ہوئے افراد کے دامن کو نصیحتوں کے لعل و گہر سے بھرے جا رہا ہے ـــــ چہرہ پہ تقدس کا نور جھلملا رہا ہے ـــــ آنکھوں سے پاکیزگی و حیا مترشح ہے ـــــ اور دست و بازو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ قدرت نے اس موٹی موٹی کلائی میں باطل قوتوں سے نہ صرف پنجہ آزمائی کی طاقت ودلیعت فرمائی ہے ـــــ بلکہ اسے پسپا کرنے کی بھرپور توانائی بھی بخشی ہے ـــــ ابھی تک صرف کتابوں سے جانتا تھا ـــــ کہ خطیب مشرق ملت کے اہم پاسبان ـــــ بے باک صحافی ـــــ لاجواب مصنف ـــــ عظیم قائد ـــــ اور قوم کی ضرورت کا نام ہے ـــــ آج ماتھے کی آنکھوں سے دنیائے سنیت کی عہد آفریں ـــــ جلیل القدر ہستی کو دیکھنے کا سنہرا موقع ہاتھ آیا یعنی آج ایسی شخصیت کی زیارت سے شاد کام ہو رہا ہوں جس کا نام سنکر وہابیت کانپ اٹھتی ہے ـــــ باغ نجدیت مرجھانے لگتا ہے ـــــ صحرائے نجد میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے ـــــ نام تو سن ہی چکا تھا ـــــ نورانی چہرہ دیکھ کر قدم بوسی کے لئے مچل گیا ـــــ آگے بڑھا قدم بوسی کی اور ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے

⋆ ایک نہایت ہی شکیل و جمیل ـ بارعب ـ پر جلال ـ اور حسن و جمال کا پیکر رعنا بستر پہ جلوہ باش ہے ـ اور ارد گرد بیٹھے ہوئے افراد کے دامن کو نصیحتوں کے لعل و گہر سے بھرے جا رہا ہے ـ

ہوئے پائنتی کھڑا ہو گیا ـــــ حضرت میری طرف مخاطب ہو گئے اور فرمایا آپ کون ہیں؟ ـــــ میں نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ حضور میں یہاں کچھ کام سے آیا تھا ملنے کی تمنا لیکر آپکے حضور حاضر آیا ہوں ـــــ پھر بڑے شفقت بھرے انداز میں ارشاد فرمایا کہ آپ میرے مہمان ٹھہرے اب غریب خانہ پہ قیام کریں ـــــ عشاء بعد کھانا کھانے کے بعد تقریباً دس بجے رات میں دار العلوم غریب نواز سے متعلق اہم میٹنگ میں شرکت کے لئے چلنے لگے تو مجھے اپنی معیت میں لے لیا ـــــ اور سب سے پہلے اس کمرہ میں تشریف لے گئے جو ان کے لئے مستقل قیام گاہ کی حیثیت رکھتا تھا ـــــ بستر درست کرنے لگے میں تیزی سے آگے بڑھا کہ بستر لگاؤں ـــــ لیکن ہزار کوششوں کے باوجود ناکام ہی رہا ـــــ میں نے عرض کیا حضور بچے کا کام ہی کیا ـــــ بڑوں کی خدمت کرنا ـــــ فرمانے لگے ـــــ

عزیزم! مہمانوں میں چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نہیں ہوتا ہے ——— بلکہ دروازے پہ آنے والا خرد ہو یا کلاں، اس کی ضیافت ——— اس کی میزبانی ——— اور اس کی خدمت کرنا اخلاقی فریضہ اور ملی شعار ہے ——— بستر درست کرنے کے بعد فرمایا آپ دور سے سفر کر کے آرہے ہیں ——— تکان کا اثر ہوگا اس لیے آرام کریں ——— میں میٹنگ میں شرکت کر لوں ——— وہ ادھر تشریف لے گیا ——— میں بھی بستر کی آغوش میں پہنچ کر آرام کرنے لگا ——— تھکن کا اس قدر غلبہ تھا کہ فوراً ہی نیند کی گود میں پہنچ گیا۔ ——— تھکن رات بھر لوریاں دیکر سلاتی رہی اور میں سوتا رہا ——— جب صبح ہوئی تو حضرت نے بیدار کیا ——— وضو وغیرہ کر کے نماز ادا کی ——— جب نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ ناشتے کی پلیٹ سجی ہوئی ہے ——— حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ناشتے کے لئے بیٹھ گیا ——— مگر میں سوچنے لگا کہ دنیائے سنیت کی مایۂ ناز ہستی ——— جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن ——— آنکھوں کا سرمہ ——— سروں کا تاج ——— پھر ہم جیسے ذرۂ بے مقدار پہ نوازشات کی بارش کیوں! لیکن جب ان کی کتاب زندگی کے درخشاں ابواب کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو جاتی ہے کہ جہاں پروردگار نے حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمۃ کو بہت سارے فضائل حمیدہ اور خصائل جمیلہ کا مالک بنایا تھا وہیں اخلاق و وفا اور خلوص و محبت کی دولت فراواں سے نوازا تھا ——— ان کے اخلاق کی بلندی اور خلوص وللہیت کی تابندگی ہی تو تھی کہ جو ایک بار ان سے ملا ——— ان کا ہو کر رہ گیا ——— آج ان کے عقیدت کیشوں میں سے ہر ایک کے زباں پہ یہی نغمہ ——— یہی نعرہ کہ حضور پاسبان ملت سب سے زیادہ ہم کو چاہتے تھے ——— یہ آپکی وہ خوبی تھی جو اپنے ہمعصروں میں ممتاز کرتی ہے ——— آپ اخلاق رسول کے عکس جمیل تھے ——— رسول محترم کے ہر ادا کو آپ سینے سے لگاتے۔ وہ عاشق ہی کیسا کہ جو اپنے محبوب کی اداؤں کو فراموش کر دے ——— یہ عشق کی توہین ہے ——— آپ ایسے عاشق تھے جو رہ عشق کی ہر نزاکتوں سے باخبر تھے ——— آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اخلاقِ مصطفےٰ کا آئینہ دار تھا ——— آپ عشق رسول کے بحر ناپیدا کنار میں اسی طرح غرق تھے کہ دنیا کے مصائب سے بے خبر ——— زمانے کے زیر و بم سے لاتعلق۔ ماحول کی تلخی سے بے پرواہ ——— آپ کے عشق رسول کا عالم یہ تھا کہ ؎

آلام روزگار کو آساں بنا دیا

جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا

پھر کرم بالائے کرم یہ کہ جب میں وہاں سے چلنے لگا تو حضرت پاسبان ملت نے مولانا وقار نظامی صاحب کو بلوایا اور فرمایا وقار! انھیں میری کتابوں کی ایک ایک کاپی اور اس ماہ کا شمارہ بھی دیدو ———

آج اس واقعہ کو تقریباً سات سال کا عرصہ گزر گیا لیکن ان کا وہ اخلاقی برتاؤ ——— الفت و پیار کے لہجے۔ شفقت بھری ادا خردنوازی کا حسین انداز آج بھی دل کو چھوتا ہے اور ذہن و فکر کی کوٹھری میں وہ واقعہ ایسے ہی تازہ بہ تازہ ہے جیسے کل کی بات ہو ——— اس لئے میں کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جہاں حضرت موصوف ایک جید عالم دین ——— باکمال مدرس ——— لاجواب مصنف ——— بے نظیر خطیب ——— اور صاحب طرز انشار پرداز تھے ——— وہیں مصطفےٰ پیارے کے عاشق صادق ——— ان کے محبتوں کے امین ——— اور خلوص و محبت کے پیکر جمیل بھی تھے ——— رسول ہاشمی سے ان کا وہی والہانہ عشق ——— وہی وابستگی ——— وہی وارفتگی ——— وہی فداکاری و جانثاری ——— وہی جذبۂ خود سپردگی ان کی حیات کی راہوں میں ——— ستاروں کی ضیا بخشتی رہی ——— اور آج وصال کے بعد بھی محبت مصطفےٰ کی درخشانی ——— اور عشق رسول کی تابانی سے مرقد اطہر جگمگا رہا ہے ———

ابر رحمت ان کی مرقد پہ گہر باری کرے

حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے



پاسبان ملت کی بھولی بسری یادیں

حامد القادری مصباحی ویشالوی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں مدرسہ علیمیہ انوار العلوم دامودرپور ضلع مظفرپور میں زیر تعلیم تھا خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ شمالی بہار کے دورے پر جب بھی تشریف لاتے ۔ دامودرپور مدرسہ کو اپنی میزبانی کا ضرور شرف عطا فرماتے- استاذ گرامی حضرت علامہ کاظم علی عزیزی بستوی دامودرپور کے بیدار مغز اور علم دوست مسلمانوں کو پاسبان ملت کے فیضان خطابت سے مستفیض ہونے کے مواقع ضرور فراہم کراتے

پاسبان ملت نے اس زمانے میں دامودرپور میں جتنے پروگرام دئے نیز مظفرپور داتا کمبل شاہ کے مزار پاک پر ہو یا دیوبندی مناظر نور محمد ٹانڈوی کی بکواس کے خلاف تقریر ہو بحمدہٖ تعالیٰ میں ہر پروگرام میں شریک ہوتا —— آپ کا انداز بیان ، طرز استدلال ، الفاظ کی شگفتگی ، اور متانت و سنجیدگی اتنی پرکشش اور جاذب قلب و نظر ہوتی تھی کہ لوگ ہمہ تن گوش بنکر آپ کا خطاب سماعت کرتے اکثر و بیشتر آپ ایک گھنٹہ تک تقریر فرماتے اور اتنے ہی وقت میں موضوع کا حق ادا کر دیتے

پاسبان ملت نے تحریر و تقریر کے توسط سے جو دین و سنت اور مسلک اہلسنت کی خدمت کی وہ انشاء المولی الکریم تا قیام قیامت یادگار رہیگی احقاق حق و ابطال باطل کے لئے جو آپ نے شگفتہ اسلوب کلام ایجاد کیا حق یہ ہے کہ اس کے موجد بھی پاسبان ملت ہی تھے اور وہ آپ ہی پر ختم بھی ہوگیا ——

ندائے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواز پر آپ نے تلک میدان مظفرپور میں جو تقریر فرمائی تھی اس کے کچھ اقتباسات مجھے تاہنوز یاد ہیں اس پروگرام میں حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ پاسبان ملت کو داد و تحسین سے نواز رہے تھے اور پاسبان ملت فصاحت و بلاغت کا دریا بہاتے ہوئے دیوبندی افکار و نظریات کو غرق آب فرما رہے تھے

پاسبان ملت نے فرمایا ایک آدمی اپنے وطن سے

سینکڑوں میل دور رہے، رات کی تاریکی میں وہ پیادہ پا چلا
جارہا ہے اس کے والدین خویش واقارب میں سے کوئی اس کی
نظر کے سامنے نہیں وہ اپنے خیالوں میں گم قدم آگے بڑھائے
جارہا ہے اتنے میں اسے ٹھوکر لگتی ہے اور وہ بیساختہ باپ
رے باپ یا دادا رے دادا پکار اٹھتا ہے۔ سوال یہ ہیکہ اس
کے باپ دادا اس سے کافی فاصلہ پر ہیں لیکن مصیبت پڑتے
ہی باپ دادا کی یاد آگئی وجہ کیا ہے؟ وجہ صرف یہ ہیکہ اسے اپنے
باپ دادا سے قلبی محبت تھی دلی لگاؤ تھا روحانی تعلق تھا اس
لئے اسے مصیبت میں انکی یاد آئی بلا لحاظ تمثیل و تشبیہ جب امت
پر مصیبت آتی ہے اگر اسے اپنے پیغمبر سے واقعی محبت ہے سچا
تعلق اور حقیقی وابستگی ہے تو اسے بیساختہ یا رسول اللہ کا
نعرہ یاد آتا ہے۔ جب دیوبند کے دارالافتا نے آج تک دور
سے پکارنے والے پر کفر وشرک کا فتویٰ نہیں لگایا پھر یارسول اللہ
کے نعرہ پر اسے فتویٰ لگانے کا حق کہاں سے مل گیا

آگے چل کر پاسبان ملت نے ایک دوسری
مثال دی کہ مظفرپور کا ایک آدمی کلکتہ گیا وہاں اس کا ایک جانی
دشمن ہے دشمن موقع کی تاک میں تھا جیسے ہی موقع ملا دشمن نے
لاٹھی یا تلوار سے حملہ کردیا ضرب لگنی تھی کہ فوراً زبان پر اس شخص
کا نام آگیا جسے وہ اپنا ہمدرد و غمگسار سمجھتا تھا حالانکہ دونوں میں
کافی دوری و مسافت ہے اسی طرح ہم اہلسنت اپنے پیغمبر کو اپنا
غمگسار اور ہمدرد سمجھتے ہیں اس لئے دلی وابستگی اور ذہنی ارتباط
کے باعث یارسول اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں اگر قلبی لگاؤ کی وجہ سے
بلا لحاظ قرب و بعد اپنے کسی غمگسار و ہمدرد کو مصیبت میں پکارنا کفر و
شرک نہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا کیسے کفر و
شرک ہوجائے گا

پاسبان ملت کے سینے میں ملت کی سربلندی
کا سچا درد تھا، انہوں نے سوچا تو ملت کی سرفرازی کا پروگرام سوچا
لکھا تو ملت کی حفاظت کی بات لکھی اور بولے تو حق و صداقت کا ترانہ
زبان پر تھا۔

انکی تحریر کی برجستگی اور تقریر کی شگفتگی نے ایک زمانہ کو متاثر
کیا، انہوں نے خلوت ہو یا جلوت کہیں بھی سنجیدگی کا دامن نہیں چھوڑا
آجکل بہت سے مقررین گفتار کے غازی تو نظر آتے ہیں لیکن کردار
کے غازی نہیں بن سکے ہیں

میں نے پاسبان ملت کو دامودرپور، مظفرپور اور
مضافات کے بہت سے پروگراموں کے علاوہ مدرسہ احسن المدارس
قدیم کانپور، آل بہار صوبائی سنی کانفرنس سیوان، معراج کانفرنس
کلکتہ، ادارہ شرعیہ بہار کی سنگ بنیاد کانفرنس پٹنہ میں بہت قریب
سے دیکھا بفضلہ تعالیٰ ان کو ہر جگہ وقت پر نماز ادا کرتے ہوئے
اور جماعت میں شرکت کرتے ہوئے دیکھا

سلسلہ عالیہ قادریہ تیغیہ کے عہد آفریں باکردار بزرگ
حضور سیدنا جلالۃ الارشاد الحاج الشاہ محمد نمازی قادری تیغی
مظفرپوری علیہ الرحمۃ والرضوان اکثر پاسبان ملت کی تقریر پر
اپنی بے انتہا پسندیدگی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ مجھے یاد نہیں
کہ یہ تقریر مظفرپور یا دامودرپور کے کس جلسہ میں ارشاد فرمائی تھی
لیکن مجھے یہ اچھی طرح یاد ہیکہ آپ نے تقریر میں کیا ارشاد
فرمایا تھا۔ میں حضرت پاسبان ملت کی داستان حیات پر مشتمل
اس عظیم نمبر میں یہ تقریر شامل اشاعت کرتے ہوئے نہایت
مسرت و انبساط محسوس کررہا ہوں

پاسبان ملت نے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی ایک
آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی بسم اللہ الرحمن الرحیم قد جاء کم من اللہ
نور و کتاب مبین ہ یھدی بہ اللہ پھر ارشاد فرمایا محترم حضرات

میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے چاہتا ہوں کہ اس کا مفہوم اس طرح آپ کے سامنے پیش کر دوں کہ وہ آپکے ذہن و فکر میں اچھی طرح جگہ حاصل کر لے

ترجمہ :- اے لوگو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب آئی اس کے ذریعہ اللہ ہدایت دیتا ہے

پاسبان ملت نے فرمایا جب کوئی شخص کسی نئی جگہ پر جاتا ہے تو فطری طور پر اجنبی کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں چار سوالات آتے ہیں پہلا سوال سطح ذہن پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آنیوالا کہاں سے آرہا ہے ؟ اسکی صورت جانی پہچانی نہیں ہے اسکی زبان سے کوئی آشنا نہیں ہے ہر چیز میں اجنبیت دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ اے کہیں دور سے آنیوالے تو ہی بتا دے کہ تو کہاں سے آرہا ہے

دوسرا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ اس اجنبی کا نام کیا ہے ؟ جب اجنبی سے اس کا نام اور مقام معلوم کر لیا جاتا ہے تو فطری طور پر تیسرا سوال کرنے کے لئے آدمی مجبور ہو جاتا ہے وہ شخص پکار اٹھتا ہے کہ جب تو ہماری آبادی کا نہیں تیرا نام ہم لوگوں کی طرح نہیں پھر یقینا تو تنہا اس سفر پر نہیں آیا ہوگا تو اپنی زبان سے سنا دے کہ تیرا شریک سفر کون ہے ؟

تین سوالوں کا جواب پاکر سائل اب چوتھا اور آخری سوال کرتا ہے - اے دور دراز سے آنیوالے تو کرم کر اور اتنا اور بتا دے کہ تیرا مقصد سفر کیا ہے ؟ تیری تشریف آوری کی غرض کیا ہے

یہ سارے سوالات فطری ہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے سمجھانے کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت پڑے یہ بالکل بدیہی بات ہیکہ ہر نئے آدمی سے اس کا نام، مقام، شریک سفر اور مقصد سفر دریافت کیا جاتا ہے

پاسبان ملت نے فرمایا مذکورہ بالا انداز تعارف کو سامنے رکھتے ہوئے تلاوت کردہ آیت کریمہ پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ اسی انداز تعارف کی بنیاد پر نازل کی گئی لیکن قربان جائیے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت پر سوال زمین پر ہو رہا ہے جواب آسمان سے اتر رہا ہے مکہ والے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کر رہے ہیں اور جواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرما رہا ہے سوال محبوب خدا سے ہو رہا ہے جواب خدا وند قدوس عطا فرما رہا ہے

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف لائے مکہ والوں نے دیکھا کہ عبد اللہ کا جگر گوشہ دھوپ میں چلتا ہے تو بادل بڑھکر سایہ کر دیتا ہے پہاڑوں سے گذرتا ہے تو پتھر پگھل کر نقش قدم کو اپنے سینے میں جذب کر لیتا ہے، درخت صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے، انگلی اٹھ جاتی ہے تو چاند کا کلیجہ شق ہو جاتا ہے، اشارہ کر دیتے ہیں تو ڈوبا سورج واپس لوٹ آتا ہے، بدن پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے، جو کہدیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اتنے سارے اختیارات و تصرفات اور نت نئے انداز و اطوار جب مکہ والے دیکھتے ہیں تو بیساختہ وہ پوچھ بیٹھتے ہیں کہ اے نرالی شان اور انوکھے انداز والے تیرے جیسا ہم میں کوئی نہیں ہے تو ہی بتا دے کہ تو کہاں سے آرہا ہے ؟ مکہ والوں نے گویا محمد عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا فوراً جبریل امین اس کا جواب خدا کی بارگاہ سے لیکر حاضر بارگاہ ہوتے ہیں گویا خدا کو یہ بھی منظور نہیں کہ میرا محبوب جواب کے لئے اپنے پھول سے لب مبارک کو جنبش دے فوراً جواب نازل ہوتا ہے

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین اے لوگو تم میرے محبوب کا مقام جاننا چاہتے ہو تو سن لو وہ خدا کی بارگاہ سے آرہا ہے اور اس مکان لامکاں میں ہے

جب اجنبی سے اس کا مکان پوچھ لیا جاتا ہے تو نام کی باری

آتی ہے۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ مرحلہ آیا تو گویا
قدرت پکار اٹھی قد جاءکم من اللہ نور یعنی مکہ کی آبادی میں جو لامکاں
سے تشریف لایا ہے اس کا نام نامی اسم گرامی نور ہے۔ نور کی تعریف ہی
یہی ہے کہ جو خود روشن ہو اور دوسرے کو روشن کرے۔ میرے آقا
نور ہیں اور انکی بارگاہ میں جو بھی ذرہ گیا آفتاب بن کر چمکا صحابہ کرام
کی پوری جماعت کو دیکھئے یہ حضرات نور کی بارگاہ میں گئے اور ایسا چمکے
کہ انکی یہ چمک آج تک ماند نہ ہو سکی۔

نام کے بعد مسافر سے شریک سفر کے بارے میں سوال کیا
جاتا ہے، میرے آقا سے بھی شریک سفر کے بارے میں دریافت کیا گیا
تو حضرت جبریل کی ملکوتی زبان گویا ہوتی ہے وکتاب مبین لامکاں
سے تشریف لانے والے نور کا شریک سفر کتاب مبین ہے

پاسبان ملت نے اس موقع پر نہایت پرجوش انداز میں
فرمایا کہ شریک سفر کی اہمیت سے انکار کیا جا سکتا ہے میں الہ آباد
سے مظفر پور تنہا آیا ہوں میرے بارے میں اگر آپ کچھ جاننا چاہیں
تو اس کا ذریعہ صرف میں ہوں گا اگر میں نے اپنے بارے میں ایسی بات
بتائی جو میری شخصیت کی عظمت و رفعت پر دلالت کرے تو ممکن
ہے آپ اسے خود پسندی، خود بینی، تکبر اور تعلی کا نام دیں اس
کے برعکس آپ میری بات سے میری معمولی حیثیت کا اندازہ
لگائیں تو ہو سکتا ہے اسے میری خاکساری و انکساری قرار
دیں۔ لیکن میرے ساتھ کوئی آیا ہوتا تو آپ یقین مانئے آپکو
مجھے پہچاننے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی میرا شریک سفر صحیح
طور پر میرا تعارف آپکے سامنے رکھتا اور میں اپنے شریک
سفر سے قرار واقعی طور پر متعارف کراتا

خطیب مشرق نے فرمایا میرے پیغمبر علیہ السلام
کا شریک سفر کتاب مبین ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تنہا کتاب
مبین کو سمجھنے والا نہ تو کتاب مبین کو سمجھ سکتا ہے اور نہ صرف
نور سے متعارف ہونیوالا نور کو پہچان سکتا ہے ایک کو چھوڑ کر دوسرے
کو پہچاننا یا نا نہایت دشوار ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ جس نے کتاب
کو چھوڑ کر نور کو سمجھنا چاہا اسے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
گاؤں کا چودھری، اپنے جیسا بشر اور مرکر مٹی میں ملنے والا قرار دیا
اور جس نے نور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر قرآن پاک
کو سمجھنا چاہا اس نے خداوند قدوس کو نداق کرنے والا، ٹھٹھا کرنے
والا، دل لگی کرنیوالا سب سے بڑا مکار (معاذ اللہ) تحریر کیا۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے اگر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا گیا ہوتا اور نور خدا کو پہچاننے کیلئے قرآن
پاک کا سہارا لیا گیا ہوتا تو اتنی بڑی غلطی اور گمراہی کا لوگ شکار
نہ ہوتے۔ لہٰذا آج بھی وقت کا سب سے بڑی ضرورت ہے کہ رسول اکرم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعارف حاصل کرنے کیلئے قرآن پاک کا
مطالعہ کیا جائے اور قرآن پاک کو سمجھنے کیلئے حضور سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھا جائے۔

محمد سے صفت پوچھو خدا کی۔
خدا سے پوچھئے شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پاسبان ملت نے مقصد سفر سے متعلق اپنا ایمان افروز بیان
جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا لامکاں سے نور بنکر کتاب مبین
کی معیت و مصاحبت میں تشریف لانیوالے سے جب مقصد سفر
دریافت کیا گیا تو قرآن پاک نے ارشاد فرمایا یہدی بہ اللہ نور مصطفےٰ
علیہ التحیۃ والثنا کے سفر کا مقصد ہدایت ہے اور واقعی میرے پیغمبر
نے زندگی کے ہر مرحلے میں اپنے مقصد سفر کو ہمیشہ سامنے رکھا۔

خطیب مشرق کو خداوند قدوس نے جیسی سوجھ بوجھ عطا
فرمائی تھی اس سے انہوں بھرپور استفادہ کیا
اللہ رب العزت انہیں غریق رحمت فرمائے آمین



پاسبانِ ملت کے شذرات آئینے میں

> اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی رسالہ اور میگزین کا اداریہ ہی اس کی جان اور روح ہوا کرتا ہے۔ پاسبان الہ آباد کے علامہ نظامی کے قلم سے نکلے ہوئے شذرات بھی اسی حقیقت کے ترجمان ہیں۔ ماہنامہ پاسبان میں مختلف موضوعات پر پھیلے ہوئے شذرات کا یہ حسین گلدستہ قارئین کی خدمت میں پیش کر کے ہم مسرت محسوس کرتے ہیں
>
> ادارہ

علماء بمبئی کو ہدیۂ تبرک و تہنیت

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر ٭ لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

تحریک خواہ سیاسی ہو یا مذہبی اگر اس میں آگے بڑھنے اور قبول عام ہونے کی صلاحیت ہے۔ تو عموماً ایسی تحریکیں تین دور سے گذرتی ہیں عہد طفولیت، عہد شباب اور عہد کہولت۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جماعتوں کا شباب و بڑھاپا ہماری جوانی اور بڑھاپے سے الگ تھلگ ہے۔ آدمی بڑھاپے میں قدم رکھنے کے بعد خواہ وہ کتنا ہی "لیت الشباب یعود" کا وظیفہ پڑھے۔ اب وہ جوانی کی سرحدوں میں قدم نہیں رکھ پاتا لیکن تحریکوں میں رجعت قہقری ہوتی ہے جوانی سے بڑھاپے اور بڑھاپے سے جوانی کی طرف ان کا الٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ تحریکیں بذات خود متحرک نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے، اس لئے جماعتی حرکت کو محرک کے قوت و ضعف سے متاثر ہونا ایک امر ناگزیر ہے۔

اگر یہ کوئی ضابطہ ہے تو سُنی تبلیغی جماعت کو بھی ان ادوار سے گذرنا ہے۔ حسب ضرورت برسوں پہلے میں نے سُنی تبلیغی جماعت کا اعلان کیا۔ ابتداً میں نے ماہنامہ "پاسبان" ہی کو اس کی تشہیر و فروغ کا ذریعہ قرار دیا۔ پھر یہ تذکرہ ہماری نجی مجلسوں میں ہوتا رہا۔ اس طرح ہم اپنے بہت سے دینی بھائیوں کو اپنا ہم خیال بناتے رہے۔

امید افزا حالات کے پیش نظر مجلسوں کا ذکر جلسوں تک پہنچ گیا۔ اس طرح اپنے خطاب عام میں اپنا درد جگر سب کو تقسیم کرتا رہا۔ گویا دھیرے دھیرے یہ تحریک اپنی منزل کی جانب بڑھتی رہی۔ اور تدریجاً میں یہ محسوس کرنے لگا کہ اب میں اس راہ کا تنہا مسافر نہیں۔ حتیٰ کہ میرے قوت بازو عزت مآب الحاج شیخ محمد اسمٰعیل صاحب رضوی بیڑی مرچنٹ تسر نے بڑی حوصلہ مندی اور فراخدلی سے اس دینی تحریک کا ساتھ دیا۔ اور انشی ۹۰ لوٹے ہزار سے زائد مختلف دینی اور اصلاحی کتابچے اپنی فرم کی جانب سے مفت تقسیم کرائے۔ اور وقتاً فوقتاً آج تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ موصوف ہی کے زیر اہتمام سات آٹھ علماء پر مشتمل ایک ماہ کا تبلیغی دورہ ہوا جو کوربہ ضلع بلاسپور سے شروع ہو کر آکولہ پر ختم ہوا۔ ان واقعات کے سپرد

قلم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "تنہا چنا بھاڑ نہیں پھوڑتا اگر یہی جذبہ مختلف دلوں میں اتر جائے اور تقسیم کار کے تحت جماعت کے اہل ثروت مخیر اور درد مند حضرات الگ الگ کام اپنے ذمہ لے لیں تو یہ دینی تحریک کدو کی بیل کی طرح بڑھتی اور پھیلتی چلی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ مناظر اہلسنت مقرر گرامی حضرت علامہ عبدالحلیم صاحب اشرفی رضوی مفتی ناگپور نے مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر کا کام بحسن و خوبی سنبھال لیا ہے۔ اور تقریباً اپنے ہر پروگرام میں سُنی تبلیغی جماعت کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ موصولہ اطلاعات سے ہم اس کا اندازہ کرتے ہیں کہ سنی تبلیغی جماعت مولانا کا اوڑھنا بچھونا بن چکی ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ مقرر گرامی مولینا عبدالرزاق صاحب جبل پوری آرگنائز سنی تبلیغی جماعت نے کرناٹک حیدرآباد اور آندھرا پردیش وغیرہ میں اس کا صحیح تعارف کرایا۔ اور ان صوبوں میں تدریجاً جماعتی کام آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی طرح فاضل جلیل مولینا جلیل احمد مصباحی معتمد دارالعلوم غریب نواز نے راجستھان کا جزوی کام سنبھال رکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں بھیل واڑہ مکرانہ باسنی ناگور شریف پالی چتوڑ گڑھ اور بیکانیر وغیرہ میں سُنی تبلیغی جماعت نہ صرف متعارف ہو چکی ہے۔ بلکہ راجستھان کے مختلف مقامات پر درس قرآن کا سلسلہ سنی تبلیغی جماعت کے زیر اہتمام جاری ہے۔ میں کچھ لکھنا چاہتا تھا مگر جماعت کے ہلکے پھلکے تعارف میں الجھ کر رہ گیا میں جو کچھ لکھنا چاہتا تھا اسے شذرات کی دوسری قسط میں حاضر کروں گا۔

موسم رحمت یعنی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جشن چراغاں

سال گذرتے دیر نہیں ایسا محسوس ہوتا ہے ابھی کل کی بات ہے میں صوبہ کرناٹک کے ایک ہنگامی دورہ پر تھا۔ تقریباً دو ماہ کے تبلیغی دورے میں صوبہ میسور کے متعدد مرکزی مقامات میں عوامی خطاب کا موقع ملا۔ میں نے اپنے اس دورے میں سُنی عوام و خواص سے جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جشن چراغاں کی اپیل کی خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آواز صدا بہ صحرا نہ ثابت ہوئی بلکہ تقریباً پوری سنی برادری نے اپنے مکانات، مکاتب مدارس مساجد انجمنوں اور اداروں کو برقی قمقموں اور رنگ وغیرہ سے سجا کر آبادی کی آبادی کو دلہن بنا کر عملاً ثابت کر دیا کہ ہماری رگوں میں جو خون ہے اس کی بوند بوند میں وفاداری مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کا جذبہ کل بھی موجود تھا اور آج بھی ہے صوبہ کے متعدد مقامات میں شاندار اور پرشکوہ جلوس نکالے گئے جس میں بچے بوڑھے جوان کیف و سرور کے عالم میں "آئیے مل کر منائیں عید میلاد النبی" یا "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" جیسے نوع بنوع ترانے گا رہے تھے عجب اتفاق کہ گذشتہ برس میری بارہویں شریف اور گیارہویں شریف منڈگوڑ میں گذری رئیس ملت فخر اہلسنت عزت مآب الحاج بڈن صاحب قادری رضوی صدر مدرسہ عربیہ دستگیریہ منڈگوڑ کا دولت کدہ میری قیام گاہ تھی خلاف معمول میں پروگرام سے دو ایک روز پہلے پہونچ گیا جلوس عید میلاد النبی کیلئے بچوں اور جوانوں میں اسپرٹ پیدا کرنے کا موقع مل گیا جسکے نتیجے میں عید میلاد النبی کا پرشکوہ جلوس نکلا جو مدرسہ عربیہ دستگیریہ سے نکل کر مختلف محلوں اور سڑکوں پر گشت کرتا ہوا مدرسہ عربیہ دستگیریہ پر مختصر سی تقریر سلام و قیام اور دعا و فاتحہ پر تقسیم شیرنی کے ساتھ ختم ہوا میں نے منڈگوڑ کے بچوں بوڑھوں اور جوانوں میں عجیب جوش و خروش دیکھا ننھے ننھے بچوں کے ہاتھوں میں رنگ برنگ کی چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں جوان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے علم اور بوڑھوں کی زبان پر درود و سلام پیدل سائیکل سوار اسکوٹر جیپ کار اور ٹرک کی دھوم دھام میں نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کے فلک شگاف نعروں

میں عاشقان مصطفےٰ مارچ کرتے چل رہے تھے عجیب و غریب سماں تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنے میں نہیں ہیں گویا کیف و بیخودی کے عالم میں سرگرداں
کا والہانہ گشت نہیں؟ بلکہ سمت مدینہ کا سفر ہے اور اب چند لمحے بعد گنبد خضریٰ کی چھاؤں میں ہوں گے کسی نے اچھا کہا ہے ؎

عشق احمد دیکھئے میر الڑکپن دیکھئے ٭ زلف کی زنجیر اور ننھی سی گردن دیکھئے

نہ پوچھئے عشق کی سرمستیاں اور اس کا بانکپن بھی کتنا جان لیوا ہوتا ہے ہولے ہولے نہیں سنبھلے سنبھلے نہیں لڑکھڑاتے ڈگمگاتے دوڑتے دھوپتے جھومتے جھامتے اور گنگناتے شور مچاتے عاشقان مصطفےٰ کا کارواں اس طرح چل رہا تھا گویا کائنات حسن اپنی رعنائیوں اور دلفریبیوں سے بے نقاب ہونے کو ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ہم سے پہلے روح کائنات کو دیکھ لے یہ قدم اٹھ نہیں رہے تھے اٹھائے جا رہے تھے یہ چل نہیں رہے تھے چلائے جا رہے تھے ـــ

اپیل:۔ برادران اہلسنت سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ربیع الاول شریف کی بارہ تاریخ کو اپنے اپنے شہروں، قصبوں اور دیہات میں شاندار جلوس نکال کر شعی روایت کو برقرار رکھیں اور ربیع الاول کی بارہویں شب میں جشن چراغاں منائیں اور زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے دروازے پر کوئی ایسی روشنی آویزاں کردیں کہ جس سے یہ سمجھ میں آجائے کہ کسی وفادار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانہ ہے اگر یہ رسم عام ہوتی تو آئندہ محلے اور پڑوس کے لوگ خود بہچان میں آجائیں گے کہ اپنا کون ہے اور بیگانہ کون ہے؟؟ رسم چراغاں نہ تو بدعت ضلالہ ہے اور نہ ہی اسراف وفضول خرچی یہ غلاموں کی طرف سے اپنے آقا کی بارگاہ میں اظہار محبت اور خراج عقیدت ہے اسے ہم فرض وواجب نہیں کہتے اور نہ ہی اس کا شمار مہمات دین میں کرتے ہیں۔ ہم جلوس اور جشن چراغاں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ایک دی ہوئی نعمت کا اعلان کرتے ہیں جیسا کہ خداوند قدیر کا حکم ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ـــ اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیا کرو۔

اہلسنت وجماعت بطور تحدیث نعمت جلوس اور جشن چراغاں کا اہتمام کرتے ہیں گذشتہ برس دہلی میں جلوس عید میلاد النبی کا اہتمام کیا گیا جمعیۃ علماء ہند، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی وغیرہ نے اس کی مخالفت میں اپنا متحدہ محاذ بنالیا ہزار ہا ہزار روپے ہینڈ بل اور اشتہارات وغیرہ میں خرچ کئے گئے مگر واہ رے عشق کی دیوانگی یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے کے مطابق دیوانگان مصطفےٰ کا سمندر ٹھاٹھیں اور موجیں مارتا ہوا آگے بڑھا تو جمعیۃ علماء اور اس کے ساتھی براتی خس وخاشاک کی طرح بہتے نظر آئے۔ دیوبند نے شرک و بدعت کا جو کھوکھلا نعرہ ایجاد کیا تھا اب دھیرے دھیرے اس کے ڈھول کا پول کھلتا جارہا ہے دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھ پاتے جلوس عید میلاد النبی اور جشن چراغاں میں علمائے دیوبند کو بدعت اور فضول خرچی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کوئی ان سے دریافت کرے مارچ ۱۹۸۰ء میں دیوبند کا جشن صد سالہ منایا جارہا ہے جس کے اخراجات کا تخمینہ پچیس ۲۵ لاکھ سے زائد ہے جہاں پر اپنی مدح وستائش اور نمائش مقصود ہو وہاں قوم کا پیسہ پانی کی طرح بہایا جائے۔ اور جہاں خدا ذوالجلال کی بخشی ہوئی ایک نعمت کا اعلان و چرچا مقصود ہو۔ وہاں صرف بدعت وفضول خرچی نظر آئے اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ



سنی تبلیغی جماعت ایک عوامی تحریک ہے

چند برسوں پیشتر میرے ذہن میں سنی تبلیغی جماعت کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا میں برسوں اپنے دردمند دل میں اس کی کسک محسوس کرتا رہا پھر یہ کراہ نوک زبان پر آئی اس کے بعد برسوں پاسبان کے صفحات پر اظہار خیال کرتا رہا حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا جب میں نے عوام اور ائمہ مساجد کو پکارا اب تدریجاً یہ ذہنی تحریک کردار و عمل کا لباس پہنتی ہوئی خدا کا شکر ہے اب سنی تبلیغی جماعت خواص اور عوام کا مرکز توجہ بنتی جارہی ہے اگرچہ میرے بعض مخلصین کو اس نام سے جزوی طور پر اختلاف رہا لیکن افہام و تفہیم کے بعد ان حضرات کو قدرے تسلی اور قلبی طمانیت حاصل ہوتی گئی اور انھوں نے اسکی افادیت کو قبول کرلیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسی دینی تحریک کا نام سنی تبلیغی جماعت کے علاوہ کچھ اور رکھا جائے تو اس کے مقاصد اور طریق کار کو سمجھانے کے لیے ایک عمر درکار ہے مگر یہ ایسا بولتا ہوا نام جو کان کے پردے سے ٹکراتے ہی ذہن و فکر اور قلب و جگر میں اتر جاتا ہے اور یہ تحریک اپنے مالہ وما علیہ کے ساتھ اپنے تمام گوشوں سمیت بے نقاب ہو جاتی ہیں گویا اس نام کے ساتھ اس کے کردار کو سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی ویسے دستور میں سنی تبلیغی جماعت کے ساتھ قوسین میں "اصلاحی" کا بھی اضافہ کردیا ہے تاکہ تبلیغ کے مفہوم کا کوئی گوشہ اگر ذہن کو بوجھل بناتا ہو تو اصلاحی سے اس کی اصلاح ہو جائے ملک کے مختلف حلقوں سے جو اطلاعات موصول ہورہی ہیں اس سے محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں سنی تبلیغی لہر پیدا ہو جائے گی ہمارے ائمہ مساجد اور عوام بیدار ہورہے ہیں کام کی افادیت کے پیش نظر ملک کی بہت سی انجمنوں نے اپنے اجلاس اور اپنی کانفرنسوں کو سنی تبلیغی جماعت کے زیر اہتمام کردیا ہے میں ۱۵ فروری کو کلکتہ پہنچ رہا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ میرے اس پروگرام میں کلکتہ، کٹک، بالیسر، بھدرک، ہوڑہ، برنپور، دھنباد، بھاگلپور غرض کہ بنگال، بہار، اڑیسہ کے مرکزی مقامات میں سنی تبلیغی جماعت کے قدم مضبوط ہو جائیں گے سنی تبلیغی جماعت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ ماہنامہ پاسبان جیسا ہر دل عزیز اور مقبول عام رسالہ اس کا آرگن ترجمان ہے پاسبان ہمارے اور آپ کے درمیان ایک ایسا مضبوط رابطہ ہے جس سے عوام اور ہم اپنی آواز کو ایک دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں اور یہ سلسلہ بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

ماہنامہ پاسبان کی دینی پالیسی

من از بیگانہ گاں ہرگز نہ نالم   کہ بامن آنچہ کرد آں آشنا کرد

قارئین پاسبان پر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ، پاسبان جو اہلسنت کا ایک بہت ہی محبوب و موقر جریدہ و ترجمان ہے اس کا مقصد اشاعت حصول مال اور جلب منفعت نہیں ہے محض ایک دینی لگن اور وقت کے کچھ اہم تقاضے ہیں جو اس کی اشاعت کا اصل داعیہ ہیں۔

کھلی آنکھوں سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سنی مسلک اور سنی عقیدے کے مجروح مضروب کرنے کے لیے ہر باطل مکتبہ فکر کا مسلح سپاہی تیوری چڑھائے اپنا ہتھیار سیدھا کر رہے ہیں۔ اور ایک ہی سینے کو چھلنی بنانے کے لئے گویا تیروستان کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ایسے نازک اور پر خطر ماحول میں حالات سے منہ موڑ لینا یہ کسی بھی قوم کے حق میں زندگی کے نہیں موت کے اسباب ہیں۔ علمی مباحث میں موشگافی۔ دقیقہ سنجی نکتہ رسی یہ اپنا بھی مشغلہ تھا" ہے اور رہے گا۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ کہ اس قوم کی شدید ترین ضرورت کیا ہے؟ پاسبان کے صفحات ایسے مضامین سے نہ خالی تھے۔ نہ ہیں اور نہ رہیں گے۔ لیکن قومی ضرورتوں سے صرف نظر کر کے رسالے کو محض ایک رخا بنانا یہ کوئی دانشوری نہیں ہے۔ یہ دنیا ابھی اہل علم سے خالی نہیں ہوئی درسگاہ کے طلبہ بھی اتنا جانتے ہیں کہ بعض سطحی مضامین کو علمی و معیاری قرار دیکر جھوٹی تسلی دی جا رہی ہے۔ یا فی الواقع وہ غیر سطحی و معیاری ہیں۔ ؟ یہ بات بھی گوشۂ ذہن میں محفوظ رہے کہ ہمارا تقابل کسی ایک ہی طبقے سے نہیں ہے۔ اگر وقت کے بعض اہل قلم و دانش وروں پر ہمیں سبقت لے جانا ہے تو ہمارا وہ اصل حریف جو ۲۴ گھنٹہ معتقدات و معمولات و مراسم پر تشنہ زنی کر رہا ہے اس کی برہنہ پشت کو خون آلود کرنے کے لیے سیف قلم کس مارکٹ سے حاصل کیا جائے اور اگر ہتھیار مل بھی گیا تو اس کے استعمال کرنے والوں کی فوجی چھاونی کا پتہ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہوگا۔

سنی رسائل کے اجراء کا مقصد جہاں الحاد و زندقہ کی گود کے پروردہ بازیگروں، کو معقولات کی روشنی میں مطمئن کرنا ہے۔ اسی طرح دیوبندی ازم کی جتنی شاخیں ہیں۔ ان کا تعاقب اور ان سے علمی مواخذہ و محاسبہ وقت کا ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر پاسبان کے صفحات پر ایسے مضامین آپکی نظروں سے گذرتے ہوں تو اسے آپ میری بھول چوک سہو یا تسامح نہ سمجھئے اور نہ ہی اسے ہلکے پھلکے ہیکڑ یا لچر مضامین سے تعبیر کرنے کی کوشش کیجیے۔ یا پاسبان کے صفحات پر ایسے مضامین عمداً اور دیدہ و دانستہ لائے جاتے ہیں۔

میں آفس کے کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر شذرات کی ترتیب نہیں دیتا ملک کا بیشتر حصہ میرے تلوے اور قدموں کا پائمال کیا ہوا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ آج کی سنی دنیا پر کیسی کیسی یلغار ہے۔ اور انھیں کتنے مسائل میں الجھا لیا گیا ہے اس لئے پاسبان کو نہ تو "صدرہ اور شمس بازغہ" بنا لیا جائے گا۔ اور نہ ہی خوابوں کی جنت بلکہ کچھ حقائق ہیں۔ جن سے ہمیں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ورنہ اگر کسی رسالے کو چٹخارہ دار ہی بنانا ہو تو اس فن کو ہم سیکھتے نہیں۔ بلکہ دور تک اس کی واقفیت رکھتے ہیں علاوہ ازیں رسائل کی پالیسی مرتب کرنے میں پالیسی ساز گروپ کے ذہنی فکری اور طبعی رجحان کو بہت زیادہ دخل ہے۔ پالیسی بنانے والا دوسروں کے ذہن سے نہیں سوچتا ہزاروں اپنی آنکھوں پر مصنوعی عینک لگائے لیکن اگر نہ ہے! بندہ اور تڑپتا کلیجہ ہوگا تو روشنائی کی نہیں خون جگر کا شامل ہونا ضروری ہے اور اگر بعض مسائل سے بیگانگی اور فکری آزادی ہوگی۔ تو روشنائی کی بوند بوند میں ذہنی پراگندگی کی شمولیت ایک امر ناگزیر ہے۔

پاسبان کی پالیسی بہت سوچ سمجھ کر مرتب کی گئی ہے اب ہمیں اپنی شاہراہ کو چھوڑ کر کسی ڈگر پر نہیں چلنا ہے۔ خدا نخواستہ اگر پالیسی بدلنی ہی پڑی تو یہ پاسبان میرے نہیں۔ کسی اور کے ہاتھ ہوگا خدا ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے کہ ہم دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن کہہ سکیں۔

ہمارا مرکز بریلی ہے

تاریخ کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر زندہ قوم نے اپنے مرکز کی مضبوطی اور مرکز سے وابستگی کو ہمیشہ

مرکز توجہ بنایا ہے خدا کا شکر ہے کہ ہندستان کا کئی کروڑ سنی مسلمان مطلق العنان یا شتر بے لگام نہیں ہے بلکہ وہ مجدد دین وملت اعلےٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کو مرکزی شخصیت اور بریلی کو اپنا مرکز تصور کرتا ہے خدانخواستہ اگر بریلی میں منظر کی :م : اور منظہر کی : م : تک بھی نہ رہ جائے تو بھی بریلی کے مرکز ہونے میں کوئی فرق نہ آئے گا بریلی کی مرکزیت کسی بلند پایہ درسگاہ سے معنون نہیں ہے بلکہ اس کی مرکزیت امام احمد رضا سے منسوب ہے اس صدی میں مذاہب باطلہ کے مقابل حق بولتا، مسلک اگر بلا ہے تو امام احمد رضا کی بارگاہ کرم سے ملا ہے نہ تو ہم احسان فراموش ہیں اور نہ ہی محسن کش ہماری رگوں میں جو خون ہے اس کی بوند بوند میں بریلی سے جذبۂ وفاداری ہے ہم خواہ کتنے ہی بلند کیوں نہ ہو جائیں مگر جہاں ان کا تلوا ہے وہاں تک اپنے سر کی رسائی نہیں اب امام احمد رضا سے کسی ذات و شخص کا صرف تصور نہیں ہوتا بلکہ یہ نام ایک مسلک ایک نظریہ اور ایک عقیدہ پر دلالت کرتا ہے۔

اگر دار العلوم غریب نواز کی سند بجائے ایک فٹ کے ۱۲ فٹ کی کردی جائے تو یہاں کے فارغ علماء کو سند کے طول وعرض مہر کی زیبائی وخوشنمائی کی بنیاد پر ملازمت نہیں ملے گی تاوقتیکہ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تائید وحمایت نہ کردیں سنیوں کی اس مسلک میں چھوٹی بڑی جتنی بھی درسگاہیں ہیں ان کی آخری کڑی بریلی اور مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر درسگاہ کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی کارکردگی میں رطب اللسان ہو اور سا تھ اپنے علو میں خواہ وہ زمین وآسمان کے قلابے ہی کیوں نہ ملائے مگر کسی درسگاہ کو اس کا حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ اپنی اس طرح تعریف کرے جس سے بریلی کے عزت ووقار پر آنچ آئے۔ اگر کسی کا ایسا رویہ رہا۔ تو ہمارے اس یقین کے لئے اتنا ہی بہت کافی ہے کہ اس کے دل میں بریلی سے کد اکینہ اور بغض ہے۔ تو میری نظر میں ایک ناقابل معافی جرم اور خطا ہے۔ جماعتی طور پر اسے کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جن ذہنوں میں ایسے خیالات کی پرورش ہو رہی ہو۔ وہ لائق اصلاح اور قابل مذمت ہیں۔ اگر ایسے گندہ تصورات کو شہ دیدی گئی تو ہماری مرکزی وابستگی کمزور ہو جائے گی۔ جو یقیناً ہمارے مستقبل کا اجالا نہیں بلکہ اندھیرا ہے۔ اب تو اس ملک کا مزاج یہ ہو گیا کہ ہم جیسے لوگ ملک کے کسی صوبے یا کسی گوشے میں چلے جائیں۔ تو ہمارا تعارف الہ آبادی سے نہیں ہوتا بلکہ بریلوی سے ہوتا ہے گویا ذہنوں میں یہ بات رچ بس گئی کہ یہ آنے والا اپنا وطن لے کر نہیں آیا بلکہ امام احمد رضا کا مسلک اور عقیدہ لے کر آیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم ملک کے کسی گوشے میں ہوں لیکن مرکز سے ہماری وابستگی میں کوئی فرق نہ آئے۔ اس تحریر کا پس منظر یہ نہیں ہے کہ ہم پوری سنی برادری پر بریلی کے ڈکٹیٹر اور اس کی آمریت کو اس طرح مسلط کردینا چاہتے ہیں جس میں صلاح ومشورہ کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔ ایسا نہیں ہے جہاں ہم چھوٹوں کی اپنی کچھ ذمہ داریاں ہیں وہاں مرکز کی اپنی پاسداری بھی ضروری ہے۔ سال دو سال کی کسی بھی معینہ مدت میں مرکز کو چاہیئے کہ وہ جماعت کے ارباب حل وعقد اور جنہیں جماعت کا دل ودماغ سمجھا جاتا ہو۔ انھیں اکٹھا کرے تاکہ ہم سب مل جل کر ملکی حالات کا مختلف نہج سے جائزہ لیں۔ اس طرح اپنے وابستگان پر مرکزی گرفت ڈھیلی نہ ہوگی بلکہ مضبوط ہوتی رہے گی اور کام کی سہولتیں بڑھتی جائیں گی ہماری بہت سی تجاویز اور اپنے بہت سے منصوبے محض اس لئے ناکام ہو جاتے ہیں کہ ہماری مالی پوزیشن بہت کمزور ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہم کئی کروڑ سنی مسلمان اپنی مشترکہ جدوجہد سے کئی کروڑ روپے مرکز میں جمع کردیں جو کسی بورڈ کی نگرانی میں ہو اور اسی کی صوابدید کے تحت اس کے مصارف کا تعین ہوتا رہے یہ کام بظاہر مشکل ہے مگر ایسا بھی نہیں جسے ناممکنات میں شمار کیا جاسکے ضرورت ہے اخلاص کی جدوجہد کی اور باہمی اتحاد واتفاق کی خدا ہماری مدد فرمائے ۔ آمین ۔



پاسبان ملت کی بارگاہ میں

علماو دانشور کا خراج عقیدت

پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی عبقری، عہد ساز اور قد آور شخصیت عالم اسلام کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی ذات پوری ملت اسلامیہ کے لئے گوہر گرانمایہ اور درنایاب کی حیثیت رکھتی تھی آپ کے سانحۂ ارتحال سے سنیت کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی تقریبًا ناممکن ہے۔ آپکے وصال کے بعد ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تنظیمی، تبلیغی اور تعلیمی اداروں کے تحت تعزیتی جلسے اور محافل ایصال ثواب منعقد کی گئیں نیز علماء اور ارباب فکرونظر نے آپ سے متعلق اپنے اپنے قلبی جذبات واحساسات اور دلی تاثرات کا اظہار کیا جس کی ایک ہلکی رپورٹ اس نمبر میں شائع کی جارہی ہے تاکہ پاسبان ملت کی عظمت شان اور رفعت مکان کا اندازہ ہو سکے۔ (ادارہ)

ناقابل تلافی نقصان

——— استاذ العلماء صوفی نظام الدین صاحب خیریہ نظامیہ سہسرام

عزیزم مولانا مشتاق کی وفات یقینًا جماعت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا موصوف جیسا شاگرد مجھے کوئی دوسرا نہ ملا۔ وہ بہت ساری خصوصیات میں منفرد تھے۔ میں کیا بتاؤں کہ عزیزم مولانا مشتاق احمد کس کس طرح کی آزمائش و امتحان کی بھٹی میں تپ کر کندن بنے تھے۔

المناک حادثہ

گرامی قدر! سید محمد ولی الدین رضوی چیف ایڈیٹر نور مصطفیٰ پٹنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ضرور آپ تک

یہ خبر پہنچی ہوگی کہ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۹۰ء بروز دوشنبہ بوقت ۱۰-۱۱ بجے صبح پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اسی دن رات بعد نماز عشاء حسب وصیت دارالعلوم ہی کے ایک حجرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ حضرت کے عرس چہلم کے سلسلہ میں ہم ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کررہے ہیں اور اسی مبارک موقعہ پر دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طلبہ کی دستار بندی بھی عمل میں آئیگی۔

انوار نظامی

بعد نماز فجر...... قرآن خوانی گل پوشی ــــ چادر پوشی و فاتحہ... - - -

گیارہ بجکر چالیس منٹ پر... قل شریف ....

بعد نماز عشاء - - - علماء کرام و شعراء عظام کا خراج عقیدت و دستار بندی

ـــــ انوار نظامی ـــــ

دنیائے سنیت کیلئے صدمۂ عظیم

ـــــ مولانا قمر الزماں نوری، صدر مدرس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

۲۹ اکتوبر کی ایک شام تھی۔ سات بجکر ۲۰ منٹ ہوچکے تھے۔ اور چونکہ ان دنوں ملک کی سیاسی صورت حال بڑی نازک چل رہی تھی۔ جس کی بناء پر خبروں کی اہمیت بڑھ چکی تھی۔ یہی وجہ تھی ملک کا ہر شہری ملک کے اس سیاسی بحران کی اگلی منزل کی سمت معلوم کرنے کو بے قرار رہا کرتا تھا۔ میری بھی حالت کچھ اس سے مختلف نہ تھی۔ نیز یہ صورتحال صرف اور صرف ایودھیا کی بابری مسجد کو لیکر پیدا ہوئی تھی۔ لہذا ان دنوں بہار میں یوپی کی خبروں کی قدر اور بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ اور یہ ریڈیو سے لکھنؤ کی صوبائی خبروں کے نشر ہونے کا وقت تھا میں بھی کسی سیاسی صورتحال سے باخبر ہونے کیلئے ہمہ تن گوش کر کے خبر سننے میں مصروف تھا کہ اچانک یہ جانکاہ صدمہ آمیز خبر سننے کو ملی کہ ملک کے جانے مانے دھارمک نیتا حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی کا آج الہ آباد میں دیہانت ہوگیا۔ یہ سنتے ہی دل کو ایک دھکا لگا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ اور بے ساختہ میری زبان پر یہ کلمات ابھرنے لگے۔ دنیائے خطابت پر جسکی حکمرانی تھی عالم سنیت کو جس پر ناز تھا۔ فصاحت جس کے در کی کنیز تھی۔ افسوس وہ خطیب مشرق پاسبان ملت جاتا رہا۔ آہ علامہ نظامی بھی داغ مفارقت دے گئے۔

علامہ نظامی کی شخصیت پر لکھنے کے لیے دفتر چاہیئے کیونکہ علامہ موصوف کی شخصیت کا کوئی ایک محور نہیں کہ وہاں آکر گفتگو سمٹ جائے آپ کی شخصیت ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت ہے کہ جس کے اندر خطابت کی گھن گرج ہے تو انکی تحریر میں فصاحت کی طغیانی بھی موجود ہے۔ درسگاہ میں بیٹھ جاتے تو اپنے وقت کے عظیم شیخ المعقولات والمنقولات نظر آتے۔ مناظرہ کے اسٹیج پر پہنچ جاتے تو آمد کی خبر سنکر ہی ایوان باطل میں زلزلہ برپا ہوجاتا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خوبی ان کا بلند پایہ اخلاق تھا۔ میں نے علامہ نظامی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور شرف تلمذ بھی حاصل کیا ہے بہت سارے تقریری پروگرام میں حضرت کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے یہ محسوس کیا کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کے آپ مکمل مصداق نظر آتے تھے۔ مخالفین گستاخان رسول کے لئے آپ ننگی شمشیر تھے لیکن اپنوں پر اس قدر مہربان، شفیق تھے کہ چھوٹوں کو نوازنے بڑھانے کا جو جذبہ میں نے آپ کے اندر پایا وہ دور تک کہیں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ مسلک میں اس قدر متصلب تھے کہ بدمذہبوں کے ساتھ بیٹھنا تو دور کی بات ہے دیکھنا گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نوراللہ روڈ الہ آباد میں شیعوں کا کوئی بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا اور اس کا مشہور مجتہد اور نامور مقرر اس جلسہ میں آیا دارالعلوم غریب نواز کے طلبہ نے اس نیت سے کہ دیکھیں کیسا بولتا ہے جانے کا ارادہ کیا میرے ایک ساتھی مولانا عطار المصطفےٰ نے مجھے بھی مجبور کیا۔ اور بہ اصرار کے بعد آخر وہ مجھے لے گئے حضرت علامہ نظامی دارالعلوم میں تشریف فرما تھے حضرت کو اس بات کی خبر ہوگئی چنانچہ بے حد ناراض ہوئے اور صبح ہم لوگوں کو بلایا اور غصہ سے آپکی آنکھیں خون آلود ہورہی تھیں نہایت جلال کے عالم میں تھے ہم لوگ سہمے ہوئے پہنچے تو جلال بھری گرج دار آواز میں فرمایا

کیاتم دشمن صحابہ کی مجلس میں گئے تھے میں نے عرض کیا حضور ہم لوگوں کو عطار المصطفےٰ نے مجبور کیا اور زبردستی پکڑ کرلے گئے اب سارا جلال عطار المصطفےٰ پر برس پڑا اور ہم لوگوں سے فرمایا اچھا آپ لوگ ہمارے یہاں ابھی نئے طالب علم ہیں اور یہ پہلی شکایت ہے اسلئے معاف کرتا ہوں جان لیجئے بڑے سے بڑا جرم میں معاف کرسکتا ہوں مگر بدمذہب کی صحبت ہرگز ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ تو اس طرح آپ جلال اور جمال دونوں کے مظہر تھے۔

آخر میں بس یہ کہکر اپنی گفتگو سمیٹ لیتا ہوں کہ

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

—

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

—

آہ موت العالِم موت العالَم

— ناظر اشرف پورنوی، دارالعلوم احمدیہ، بغدادیہ ناگپور

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ کی شب میں لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے نشر شدہ اطلاع کے بموجب میرے ایک قریبی دوست نے یہ جانسوز، دلدوز خبر سنائی کہ جماعت اہلسنت کے پاسبان درسگاہوں کے نقیب ونگہبان، علوم و فنون کے مکمل فیضان دانشکدوں کے سچے میخوار اسلام اور اہلیان اسلام کے وفادار و وفاشعار، عالم باوقار، فن مناظرہ کے شہسوار، میدان صحافت کے گوہر آبدار، تصنیف وتالیف کا بلند مینارہ، خطابت کا درخشاں ستارہ، شریعت اسلامیہ کا مہ پارہ، علماء مشائخ کی آنکھوں کا تارا سنیوں کی کشتی کا کھیون ہارا، خطیب مشرق، پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی علیہ الرحمۃ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ نظامی علیہ الرحمہ مسلک اہلسنت کے اس بے باک داعی اور نڈر مجاہد کا نام ہے جس نے ابتداء سے لیکر دم واپسیں تک مسلک کی ترجمانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ گروہی عصبیت سے دور رہ کر اپنی بساط سے کہیں زیادہ دین حق کی تبلیغ وارشاد میں محو ومنہمک رہے۔ تقریباً چالیس پینتالیس سال تک ملک ہند کے طول وعرض میں اپنی بے مثال خطابت کے ذریعے سواد اعظم کو درس حیات دیتے رہے۔ وعظ وخطابت کے علاوہ تعمیری اور تحریری مصروفیتوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد۔ ادارہ شرعیہ بمبئی۔ اور سنی تبلیغی جماعت وغیرہ ان کی تعمیری مصروفیتوں کی زندہ وتابندہ مثالیں ہیں۔

مگر صد ہزاراں افسوس کہ شریعت ظاہرہ وباطنہ کا یہ بحر زخار تھم گیا اور ہماری آنکھوں کو ایک نہ تھمنے والا سلسلہ دے گیا۔ بیکراں غم واندوہ اس آفتاب سنیت کے غروب ہونے پر جسکی یاد اہلسنت وجماعت کے حساس وفعال متحرک اور دردمند افراد کو خون کے آنسو رلاتی رہے گی ہے

بہت روئے گی تیرے بعد میری شام تنہائی

اب آخر میں یہی دعا ہے کہ خدائے قدیر وکارساز ان کی قبر پر رحمت کی برکھا برسائے۔ رب ذوالجلال غفار وستار ان کے مرقد پر گوہر افشانی کرے اور علامہ نظامی جیسا مسلک اہلسنت کا دردمند رہنما عطا فرمائے۔

حادثۂ جانکاہ

— مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفرپوری دارالعلوم امام احمد رضا بمبئی

کون جانتا تھا کہ ۲۹ر اکتوبر کی صبح اپنے دامن میں ایک کربناک اور دلدوز پیغام لیکر طلوع ہوگی۔ اکتوبر کا مہینہ یوں بھی عالم اسلام کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھا مگر غم بالائے غم یہ کہ ۲۹ر اکتوبر کی شام لکھنؤ کی نشرگاہ سے عالم اسلام کی عظیم اور قدر آور شخصیت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کے وصال کی خبر دی گئی اتنا سننا تھا کہ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور پورا وجود دردوکرب میں ڈوب گیا۔

آہ نظامی! دنیائے سنیت کو روتا سسکتا، بلکتا اور تڑپتا چھوڑ کر اپنی آخری آرامگاہ کی طرف رخصت ہو گئے۔ بے شک تمہاری حیات کا ہر لمحہ ناموس رسالت، تحفظ شریعت اور قوم و ملت کی پرداخت میں گزرا۔ نظامی! تم کیا گئے گلشن صحافت ویران ہو گیا۔ خطابت کی روح فنا ہو گئی۔ علم کی آبرو رخصت ہو گئی، فکر کی انجمن سونی پڑ گئی، شعور و آگہی کی بزم اداس ہو گئی ادب کا لہلہاتا چمن نذر خزاں ہو گیا۔

نظامی: تمہاری ذات قوم کی ضرورت تھی۔ ملت کی آرزو تھی۔ اور عالم اسلام کی آبرو تھی۔ یقیناً اس حادثہ جانکاہ سے ہر آدمی جگر فگار، ہر انسان سوگوار، ہر قلب بیقرار اور ہر آنکھیں اشکبار ہیں۔

علامہ نظامی صف اوّل کے خطیب، صحافی، مبلغ اور مفکر اسلام تھے

اظہر القادری نائب صدر مجلس طلبائے اسلام۔ بہار

پاسبان ملت، خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی شخصیت ایک در نایاب کی حیثیت رکھتی تھی یہ چمنستان اسلام کی ایک ایسی کلی تھے جس پر موسم خزاں نے کبھی بھی اپنا اثر نہیں ڈالا گلشن رضا کے ایسے معطر پھول تھے۔ جو ہر ماحول میں بیلا اور چمیلی کی طرح مہکتے رہے زمانے کے باد مخالف اور نامساعد حالات نے اس کے نرم و نازک پتیوں کو مرجھانے کی تمام تر کوششیں کی۔ لیکن یہ پتیاں انکی بے پناہ مصروفیت کے باوجود خدمت خلق اور مسلک و مذہب کی بے لوث اشاعت کی وجہ سے تر و تازہ اور ہری بھری رہی آسمان خطابت پر ماہتاب بن کر زمانے کی اصلاح اور مسلک کا پرچار کر رہے تھے۔ یہ ماہتاب کسی بھی دور میں گہن آلود نہیں ہوا۔ اور نہ اس کی مقبولیت میں ہلکی سی کمی آئی بلکہ ہر دور میں صف اوّل کے خطیب، صحافی مبلغ، اور مفکر اسلام کی حیثیت سے پہچانے جاتے رہے۔ بستر علالت پر بھی ملت کا درد مسلک و مذہب کی خدمت کا جذبہ موجیں مارتا رہا اور اس حالت میں بھی میدان صحافت کے عظیم شہسوار بنکر رسالوں اور جریدوں کی آبرو بنکر چھپتے رہے۔ گویا آج محل صحافت، ایوان سنیت، مینارۂ اسلام کا ایک عظیم ستون گر گیا جسکی کمی کا احساس ملت کو صدیوں کرنا پڑے گا۔

علامہ نظامی کا عظیم کارنامہ

مولانا قمر ثاقب پوکھریروی

علامہ نظامی کی ذات بیشمار خصوصیتوں کی مرقع تھی جیسے صحافت خطابت، درس و تدریس، اخلاص و محبت، مسلک کی بے لوث خدمت ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا انھوں نے اپنی جائے پیدائش الہ آباد میں عظیم کارنامہ دار العلوم غریب نواز کی شکل میں چھوڑا ہے جو آج ایک یونیورسٹی کے مدمقابل نظر آرہا ہے۔ یقیناً انھوں نے دنیائے اسلام میں ایسے ایسے گوہر پیدا کیے ہیں جو مختلف ایوانوں میں اردو ادب، عربی ادب، فقہ اسلامی کی آبرو بن کر ابھر رہے ہیں۔ جس سے علامہ کی دینی و ملی خدمت کا پتہ چلتا ہے۔ علامہ نظامی کی تصانیف "خون کے آنسو" قہر آسمانی، ہند کے راجہ سوانح خواجہ، نسیم رحمت وغیرہ کے مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ علامہ ان خصوصیات کے حامل تھے جو دوسروں میں بہت کم پائی جاتی ہیں۔

سانحہ ارتحال

مولانا فرحت صدیقی مکتبہ فیضان مدینہ کریم نگر

۲۹ر اکتوبر رات گیارہ بجے آل انڈیا ریڈیو جے پور اسٹیشن سے حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کے سانحہ ارتحال کی خبر بڑے ملال نشر کی گئی۔ علامہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سنتے ہی دل و دماغ پہ سکتہ سا چھا گیا کہ دنیائے اسلام کا زبردست عالم دین، میدان مناظرہ کا شہسوار، صحافت کے عظیم مجاہد خطابت کے سرتاج، دار العلوم غریب نواز الہ آباد، سنی تبلیغی جماعت کے بانی و رہنما اور بیسیوں کتب کے مصنف علامہ نظامی ہم میں نہ رہے۔ حضرت علامہ کے سانحۂ ارتحال سے دنیائے سنیت میں جو خلا پیدا

ہوگیا ہے اس کو پر کرنے والا آج کوئی دوسرا دور دور تک نظر نہیں آتا کیونکہ علامہ باطل پرستی وشاتمان نبی کے لیے چیلنج اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے اپنی تقریری وتحریری نیز تدریسی مصروفیات وخدمات سے ہزاروں علماء سیکڑوں مقررین و دانشورانِ قوم بناڈالے۔

وفات حسرت آیات

———— نورعین احمد رضوی پورنیہ

آہ صد آہ۔ کس زبان سے کہوں اور کیسے لکھوں کہ حامی سنیت ماحی بدعت سرشکن نجدیت علمبردار رضویت مظہر اعلیحضرت سلطان المقررین امام المناظرین حضرت علامہ مولانا محمد مشتاق احمد صاحب قبلہ نظامی کے رخصت ہوتے ہی ایک عالم ان کے غم میں سوگوار نظر آتا ہے اسی لئے کسی نے سچ کہا ہے موت العالم موت العالم کی موت ایک عالم کی موت ہے۔

آپ کی شخصیت دنیائے اسلام میں محتاج تعارف نہیں آپکی شخصیت صرف آل انڈیا ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی شان امتیاز رکھتی ہے جس نے گورستان وہابیت کو سناٹا کردیا۔ گلستان دیوبندیت تاراج کردیا۔ نجدی قلعوں میں زلزلہ ڈالدیا۔ بڑے بڑے دیوبندی سورماؤں کو آپ سے مقابلہ کی تاب نہ تھی نجد کے بڑے بڑے وفادار اور منظور نظر اس شیر سنیت کے نام سے کانپتے لرزتے تھے اس شیر سنیت نے جس طرف رخ کردیا حق وصداقت کے ڈنکے بجادیئے۔ باطل کے پرخچے اڑادیئے جہاں بھی جاتے سنیت کا علم رضویت کا پرچم بلند کردیئے حضرت ممدوح نے وہ نمایاں شاندار دینی خدمات انجام دیں۔ جو رہتی دنیا تک آپکی زریں یادگار رہیگی اور امت پرجوان کا عظیم احسان کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

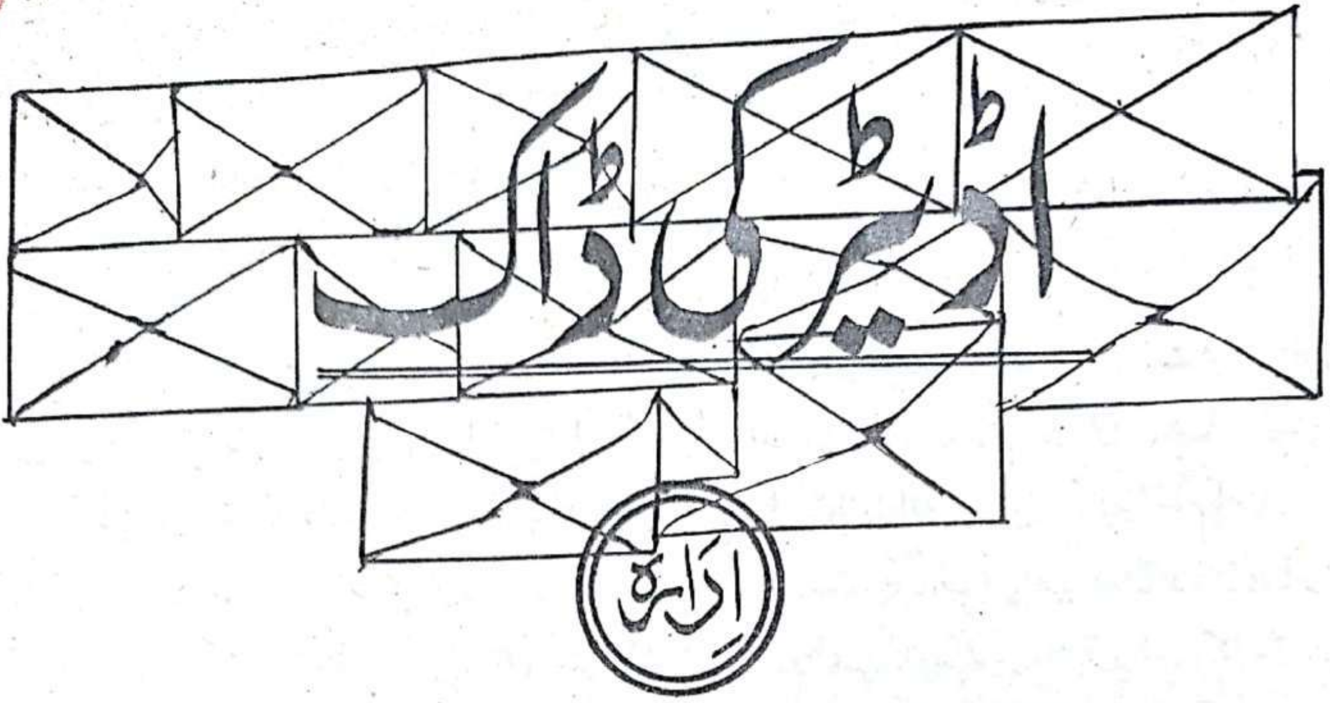
المناک خبر

———— نسیم بستوی مدرسہ انوارالاسلام سکندرپوری۔ بستی (یوپی)

۲۹ راکتوبر کی رات میں لکھنؤ اور دہلی ریڈیو سے یہ انتہائی المناک خبر موصول ہوئی کہ خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی آج ۷۰ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے اس خبر کے اچانک نشر ہوتے ہی مسلمانوں کے تمام طبقوں خصوصیت کے ساتھ سنی حلقوں میں سوگوارانہ فضا پیدا ہوگئی اور علامہ نظامی کا ہر قدرداں، عقیدت مند، اور آپکی دل نشیں، سامعہ نواز اور روح پرور تقاریر و خطابت سے مستفیض ہونے والے لاکھوں خوش عقیدوں سنی مسلمانوں کا کے گھروں اور ملک کے اکثر دینی درسگاہوں و مذہبی اداروں پر رنج وغم کا اندھیرا چھا گیا محبت والوں کا دل تڑپ اٹھا۔ اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)۔ ان کے دم قدم سے علم وفن اور مسلک مذہب کی انجمنوں میں بڑی رونق تھی۔ اور اس کے در و بام سے ایک عجیب ایمان افروز روشنی کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اب ان کے اٹھ جانے سے وہ اپنی آب وتاب کھوچکی ہیں اور عالم یہ ہے۔

وہ اٹھ کر انجمن سے کیا گئے ہیں
کہ جیسے روشنی گم ہوگئی ہے،





ادارہ

● عزیز گرامی قدر۔ سلام مسنون اور دعائیں

طالب خیریت بخیر ہے۔

آپ کی خواہش کی تکمیل میں مفروضہ عنوان پر مضمون حاضر خدمت ہے۔ علامہ نظامی کی جگہ پر آپ ،،پاسبان ملت،، خود بھی لکھ سکتے ہیں۔ چونکہ فروری کے پورے مہینہ میں بےحد مصروف رہونگا۔ اسلئے اپنی موجودہ مصروفیات سے وقت نکال کر جو بھی مجھ سے ہو سکا اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کے باوجود حاضر خدمت کر رہا ہوں پسند آئے تو شریک اشاعت فرمائیں گے۔ ورنہ واپس کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ شکریہ۔ کیوں کہ میں نے اس کی نقل اپنے پاس نہیں رکھی ہے۔ جو لکھا حاضر کر دیا۔

دعا گو

شبنم کمالی دربھنگہ

● مکرمی جناب سید ولی الدین صاحب و مولینا امجد رضا صاحب

تسلیمات بیکراں

پاسبان ملت کے تعلق سے آپ حضرات کے کئی خطوط پیہم وصول ہوئے اور میں واقعی اب تک ایک کا بھی جواب نہ دے سکا۔

یہ بات نہیں کہ پاسبان ملت کیلئے آپ حضرات کی جد و جہد اور بیتابی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یا خدانخواستہ حضرت پاسبان ملت پر کچھ لکھنے سے گریز کر رہا ہوں۔

جس قوم کا رشتہ ماضی سے جیسا استوار ہوتا رہتا ہے وہ قوم مستقبل میں منزل کی سمت بڑھنے کے لئے اتنی ہی توانائی پاتی ہے اور آپ حضرات کی ساری بیتابیاں اور جد و جہد اسی کیلئے ہے۔

حضرت پاسبان ملت تو وہ کسی کیلئے کچھ ہوں یا نہ ہوں کم سے کم میرے لئے ایمان کے داعی و دینی علوم سے سرفراز ہونے کی علت و باعث ہیں۔ جس پر کبھی تفصیلی گفتگو کروں گا۔ لیکن آپ حضرات کا سوال اب بھی اپنی جگہ باقی ہے۔ کہ آخر میں نے بار بار کے تقاضوں کے باوجود مضمون کیوں نہیں بھیجا۔ تو سچی بات یہ ہے کہ

دو دن کی زندگی میں کیا کیا کرے کوئی

ہے

تدریس، افتاء اور بعض عجلت کے متقاضی نہایت ہی ضروری اور اہم تصنیفات کے علاوہ گوناگوں نجی مصروفیات کی وجہ سے سکون کے وہ لمحات کبھی میسر ہی نہیں ہو پائے جس میں حضرت پاسبان ملت کے شایان شان کسی تحریر کا نذرانہ پیش کر سکوں۔ ایک دو بار تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر لکھنے بیٹھا بھی مگر ہوا یہ کہ ؎

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

کیونکہ عام طور پر کسی بھی انسان میں ایک آدھ خوبی ایسی ہوتی ہے کہ جو اسے اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور اس کے چاہنے والے اسی کو اپنے اپنے انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر ان سے وہ خوبی چھین لی جائے تو پھر چاہنے والوں کے پاس پیش کرنے کیلئے کچھ نہیں رہ جاتا۔ مگر حضرت پاسبان ملت میں بے شمار ایسے اوصاف تھے جو انہیں اپنے ہمعصروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ خطابت کے تو وہ شہنشاہ تھے ہی۔ مولانا ابو العلا صاحب مرحوم کے بقول ایک مرتبہ نیاز فتحپوری جیسے ادیب و نقاد نے یہ کہہ کر ان کی خطابت کا برملا اعتراف کیا تھا کہ "کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے۔"

مناظرے میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ جس کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے ان تمام حضرات نے کیا ہے جو ان کے مناظروں میں شریک رہے ہیں۔ اور جس پر "اس موضوع کے تعلق سے انکی تمام تصنیفات خصوصاً "خون کے آنسو" شاہد عدل ہے۔ اسی طرح تدریس و صحافت، تبلیغ و ارشاد، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، وہ کونسی ایسی خوبی تھی۔ جس میں وہ اپنی نظیر آپ نہیں تھے۔

یہ وہ وجوہات ہیں جن کی وجہ سے میں اب تک "پاسبان ملت" کے تعلق سے کچھ نہیں لکھ سکا۔ آئندہ اگر خدا توفیق دے اور فرصت کے کچھ لمحات میسر آئے تو آپ حضرات سے وعدہ کرتا ہوں کہ ممدوح کے شایان شان ایک وقیع مقالہ خود قلم بند کروں گا اور پہلی بار جس کی اشاعت کا حق صرف نور مصطفےٰ ہی کو ہو گا۔ خدا کرے آپ حضرات خیریت سے ہوں۔ والسلام

محمد مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی

● ناشر رضویت جناب سید ولی الدین صاحب رضوی

خلوص بیکراں!

مزاج ہمایوں!

عزیز القدر مولانا محمد قمر الزماں مظفر پوری فاضل اشرفیہ نے نہایت ہی مسرت افزا اور خوش کن خبر سنائی کہ ادارہ نور مصطفےٰ پٹنہ علامہ نظامی علیہ الرحمہ کے افکار و کارنامے، حیات و خدمات اور مصالح نظریات سے پورے عالم اسلام کو متعارف کرانے کیلئے روح پرور، معلومات افزا، اور ایک تاریخی دستاویز بنام پاسبان ملت نمبر شائع کرنے جا رہا ہے۔ یقیناً آپ کا یہ زریں اور خوبصورت کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کے اس قابل قدر اقدام کو جسقدر سراہا جائے کم ہے

اس میں قطعی شک نہیں کہ پاسبان ملت علیہ الرحمۃ کی عہد آفریں شخصیت ایک اقلیم صحافت کے تاجور، کشور خطابت کے بے تاج بادشاہ، صاحب طرز قلم کار، لاجواب مصنف، سنیت کے سچے ہمدرد ملت کے جانباز سپوت اور اپنے اکابرین کے صحیح جانشین کی حیثیت سے نگاہوں کے سامنے ابھرتی ہے۔ آپ کی صحافت کا مطمح نظر، خطابت کا مقصد اور تصنیف کا محور صرف اور صرف یہ تھا کہ وہ لوگ جو راہ حق سے گریزاں اور شریعت مصطفوی سے کشیدہ ہیں۔ ان کے دلوں میں راہ حق کی حقیقت، اسلام کی صداقت، اور امام اعظم ابو حنیفہ و امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کے مسلک کی حقانیت خوب خوب بٹھائی جائے۔ وہ ذات جو عمر بھر جہاد بالقلم اور جہاد باللسان سے گستاخان رسول کا دندان شکن جواب دیتی رہی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ وقت کے اس عظیم محسن کی بارگاہ عبقری میں عقیدتوں کے گوہر لٹائے جاتے۔ محبتوں کے گلدستے پیش کئے جاتے۔ خداوند قدوس آپ کی عقیدت کے اس گوہر تاباں کی چمک و دمک کو صبح قیامت تک سلامت رکھے۔ جو سلک تحریر میں پرو کر بارگاہ نظامی میں پیش کر رہے ہیں آپ نے وقت کی آواز کو نہ صرف پہچانا بلکہ اس پر لبیک کہتے ہوئے انکی

شخصیت سے متعلق ایک ضخیم مجلہ نکال کر ایک قومی اور ملی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ پروردگار آپ کی اس مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے (آمین)
تمام ارکان ادارہ کو سلام کہئے۔

فقط

خلوص آگیں

ڈاکٹر محمد اسماعیل رضوی کمہرار مظفر پور

● مکرمی جناب سید ولی الدین صاحب رضوی

سلام مسنون

مزاج گرامی!

اگرچہ انتہائی مصروفیت کے ایام میں ہوں اور گھر کے لئے پابہ رکاب ہوں تاہم آپ کی فرمائش پوری کر کے بھیج رہا ہوں۔ اتنا ضرور کیجیے گا کہ مضمون کی وصولیابی سے مطلع کر دیجیے گا۔ یہاں مسجد کے پتہ پر۔ اور رسالہ نمبر چھپنے کے بعد ایک عدد ضرور بھیج دیجیے گا۔ کیوں کہ فائل کاپی ضروری ہوتی ہے۔ آپ سے مخفی نہیں۔

بمبئی کی تشنہ ملاقات سے کچھ نہ ہوسکا تڑپ اب بھی باقی ہے خدا کرے کہ کبھی تفصیلی ملاقات ہو۔

محمد قمر الحسن قمر بستوی

کرلا بمبئی

● مکرمی سید ولی الدین صاحب رضوی

سلام مسنون

آپ کا مراسلہ بہت عرصہ قبل ملا۔ میں بمبئی جشن میں شرکت کیلئے چلا گیا تھا۔ واپسی کے پندرہ دنوں بعد مولانا قمر الزماں کا بھی خط آگیا۔

میرے خیال سے جو لوگ حضرت نظامی صاحب کے حالات و واقعات کے شاہد اور ان کو قریب سے دیکھنے والے ہیں۔ پہلے ان سے لکھانا چاہیئے اس سلسلہ میں الہ آباد، بمبئی وغیرہ کے وہ حضرات زیادہ مفید ہوں گے جو مختلف سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے میری ان سے چند ملاقاتیں ہیں۔ اور سماعی حالات بھی بہت کم یا نہیں کے برابر ہیں۔

دوسری طرف میرے ذمہ کچھ ایسے امور پہلے سے آچکے ہیں۔ جن کی تکمیل میں کوئی دوسرا شریک کار نہیں اور کسی سے امید۔ اس لئے اولیت تو ان ہی کو حاصل ہے۔ معذرت قبول فرمائیں تو نوازش نہ قبول فرمائیں تو بھی مجبور ہوں۔ سامنے بے بس ہوں۔

فقط والسلام

محمد احمد مصباحی، اشرفیہ مبارکپور

● محترم سید ولی الدین صاحب، سلام مسنون

عوافی مزاج گرامی!

ماہنامہ "نور مصطفےٰ" کا "پاسبان ملت نمبر" "شہدائے کربلا نمبر" کی طرح ایک وقیع شاہکار ہوگا کسی بھی شخصیت کی حیات و خدمات اور افکار و کارناموں کو اجاگر کرنے کیلئے "نمبر" سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے آپ کی یہ کوشش قابل تحسین و مبارک باد ہے۔ حسب حکم احقر نے بھی ایک مضمون "پاسبانِ ملت کا مختصر سوانحی خاکہ ——— سپرد قلم کیا ہے۔ جو "پاسبان ملت نمبر" میں اشاعت کیلئے حاضر خدمت ہے۔ خدا کرے مزاج عالی بخیر ہوں مولانا قمر الزماں مصباحی مظفر پوری سے سلام کہئے۔

والسلام

آلِ مصطفےٰ مصباحی

● برادرم مولانا قمر الزماں صاحب مصباحی زید مجدہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا محبت نامہ ملا یاد آوری کا شکریہ۔ یہ سنکر بیکراں مسرت ہوئی کہ ادارۂ نور مصطفےٰ" پٹنہ پاسبان ملت نمبر نکالنے جا رہا ہے۔ بلا شبہ یہ اقدام لائق تحسین و قابلِ ستائش ہے پروردگار نمبر کو زیادہ سے زیادہ پروقار بنائے آمین۔

پاسبان ملت کیلئے احقر بھی ایک مضمون ارسال کر رہا ہے پسند آئے تو ضرور شامل کریں۔ تمام پرسانِ حال سے سلام کہئے۔

والسلام

محمد شہاب الدین اختری غفرلہٗ، مدیر سنی دنیا بریلی شریف

● مکرمی جناب سید ولی الدین صاحب قبلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت طرفین نیک مطلوب ۔
نور مصطفیٰ کی طباعت وکتابت کی دیدہ زیبی دیکھکر دل باغ باغ ہو گیا ہمیں اس پر فخر ہے کہ ہمارے صوبہ بہار سے اتنا اعلےٰ اور شاندار رسالہ نکل رہا ہے ۔ اس کی کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہے دعا رہے مولیٰ تعالیٰ اس کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا کرے ۔ میں نے رسالہ میں یہ دیکھ کر مسرت محسوس کی کہ آپ پاسبان ملت شائع کر رہے ہیں ۔ علامہ نظامی کی شخصیت اس قدر عظیم اور ہمہ جہت ہے ۔ کہ ان پر ضخیم سے ضخیم تر نمبر شائع کیا جا سکتا ہے ۔ ہم سنیوں پر ان کا عظیم احسان ہے جس کو ہم ادا نہیں کر سکتے ایک مضمون ،، پاسبان ملت ایک ہمہ جہت شخصیت ،، لے کر حاضر ہو رہا ہوں امید کہ یہ مضمون آپ کے معیار پر اتر سکے ۔ اپنی مخصوص دعاؤں میں یاد رکھیں اور ارکان ادارہ کو سلام کہدیں ۔

فقط والسلام
محمد شمشاد حسین رضوی
شمس العلوم بدایوں

● محب گرامی مولینا المجد رضا صاحب

سلام مسنون

رقعہ بلاجان کر خوشی ہوئی کہ نور مصطفیٰ تا ہنوز اپنی پر کیف شعاعیں بکھیر رہا ہے ۔ اور پاسبان ملت کی تیاری ہو رہی ہے جناب سید ولی الدین صاحب رضوی کی ہمت مردانہ کو سلام کہیئے کہ حادثات کا مقابلہ نہایت ہمت استقلال اور پامردی سے فرماتے ہوئے نور مصطفیٰ کیلئے خون جگر کا آخری قطرہ تک نچوڑنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہے ،، حیات اعلیٰ حضرتؒ کی اشاعت نے ان کی للہیت اور جذبۂ صادق کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے مولیٰ تعالےٰ استقامت بخشے ۔ آمین

،، پاسبان ملت ایک سچے عاشق رسول ،، ارسال کر رہا ہوں شرکت فرما کر مشکور ہوں ۔

فقط والسلام
محمد انور نظامی مصباحی ۔ رکن المجمع العلمی ہزاری باغ ، بہار

● مولینا قمر الزماں مصباحی مظفر پوری زید اکرامکم

سلام مسنون

آپ کا محبت نامہ ملا ۔ پاسبان ملت سے متعلق ایک اہم نمبر کی پیش قدمی پر مبارکباد قبول کیجیئے ۔ آج کل ذہنی طور پر سخت پریشان ہوں ۔ میرے دونوں لڑکے ان دنوں بیمار ہیں جس میں ایک کی بیماری پریشان کن ہے ۔ دعا کریں کہ مولیٰ تعالےٰ دونوں کو صحت کاملہ عطا فرمائے ۔ آمین ۔

بہت افسوس ہے کہ میں اس نمبر میں شرکت سے قاصر ہوں حضرت پاسبان ملت اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد شخصیت کے مالک تھے مجھ سے کبھی بہت محبت فرماتے تھے ۔ دعا ہے کہ نور مصطفیٰ کا پاسبان ملت نمبر امید سے زیادہ وقیع ثابت ہو ۔

دعا گو
سبطین رضا غفرلہٗ
کانجیر ٹولہ بریلی شریف یوپی

● گرامی قدر سید ولی الدین رضوی صاحب

سلام مسنون

میں ماہنامہ ،، نور مصطفیٰ ،، کا دل سے شیدائی ہوں بمتعدد مصروفیات کے سبب نور مصطفیٰ کی بزم قلم میں شرکت کا موقع نہیں مل پاتا ہے ۔ آپ لائق صد مبارکباد ہیں کہ برابر کسی نہ کسی شخصیت پر نمبر شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں بلاشبہ ،، پاسبان ملت ،، دنیائے سنیت کی آبرو تھے ۔ اور جنہوں نے زندگی کی آخری سانس تک دین ومسلک کیلئے قربان کر دیا ضروری تھا کہ نمبر شائع کیا جائے ۔ اس سلسلے میں آپ کی پہلی پیشکش سراہنے کے قابل ہے خدا کرے نمبر وقیع اور جامع ثابت ہو ۔

فیضان احمد رضوی
سیوان

● محب مخلص مولینا محمد قمر الزماں مصباحی
سب ایڈیٹر نور مصطفیٰ پٹنہ

سلام مسنون

گرامی نامہ تشریف لایا۔ کرم فرمائی کا شکریہ۔ بے پناہ مسرت ہوئی کہ ،، ماہنامہ نور مصطفےٰ ابیٹھنہ پاسبان ملت پر ایک تاریخ ساز نمبر نکال کر عالم اسلام کو ان کی حیات و خدمات سے روشناس کرانے کا بیڑہ اٹھایا۔ دعا ہے کہ یہ نمبر کامل طور پر جامع ثابت ہو۔

آپ کے منتخب کردہ عنوان کے تحت ایک مختصر سا مضمون حاضر خدمت ہے۔ امید ہے پسند کریں گے۔

فقط والسّلام

محمد نذیر القادری مصباحی

دارالعلوم قادریہ نوریہ

سون کھیدر یوپی

● مکرمی سید ولی الدین صاحب رضوی زید مجدکم

سلام مسنون ! مزاج ہمایوں !

پاسبان ملت نمبر کے لئے مضامین دفتر کو موصول ہونے لگے اور میرا مضمون بھی آپ کو مل گیا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔ نمبر کی کامیابی کیلئے میری دلی دعائیں اور نیک خواہشات آپ حضرات کے ساتھ ہیں۔ پاسبان ملت سے متعلق چند اشعار بالکل تازہ نظم ہو گئے ہیں۔ اگر پسند آجائیں تو انہیں بھی شریک کر لیں۔ کرم ہوگا۔

فقط

حامد القادری وبثالی

● محترمی سید ولی الدین صاحب رضوی

ایڈیٹر ماہنامہ نور مصطفےٰ ابیٹھنہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید کہ مزاج بخیر ہے۔

کرم فرمائی کا شکریہ۔ خطیب مشرق، پاسبان ملت رحمۃ اللہ علیہ پر آپ خاص نمبر نکالنے جا رہے ہیں۔ بڑا مبارک کام ہے۔ اللہ آپ کو اچھی کامیابی سے نوازے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹا سا مضمون تیار ہو گیا ہے۔ معیار پر اترے تو شامل کر لیں۔

ماہنامہ ہر حیثیت سے مزید عروج حاصل کرے

فقط والسلام

محمد شفیع بی کام ٹھاکر گنج

● مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ نور مصطفےٰ ابیٹھنہ

ہدیہ سلام مسنون

کلکتہ کے ایک اخبار میں چھپی ایک خبر سے معلوم ہوا کہ آپ پاسبان ملت نمبر نکال رہے ہیں۔ پاسبان ملت سے متعلق منقبت کا ایک گلدستہ حاضر ہے پسند آئے تو شریک اشاعت کر لیں۔

فقط

آپ کا

نازاں فیضی گیاوی

● محب گرامی جناب سید ولی الدین صاحب رضوی

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

پاسبان ملت نمبر بڑا خوش آیند اور اہم اقدام ہے۔ جس کی تکمیل آپ کے مقدر میں آئی۔ یہ خوش نصیبی کاروان صحافت کے لئے لائق صد رشک ہے جس کے لئے آپ بے حد تبریک و تہنیت کے مستحق ہیں۔ خدا کرے نمبر کامیاب ہو۔ باقی حالات اطمینان بخش ہیں۔ تمام کارکنان ادارہ کو سلام عرض ہے۔

فقط آپ کا

مبارک حسین مصباحی

اشرفیہ مبارک پور

● گرامی قدر جناب سید ولی الدین صاحب رضوی

تسلیمات وافرہ

خطیب مشرق حضرت پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کی عبقری شخصیت پر "پاسبان ملت نمبر" نکالنا وقت کی اہم پکار تھی جس سے سبکدوشی کا سہرا آپکے سر سجا ۔۔۔ بلاشبہ آپکا یہ عظیم کارنامہ آئندہ

نسل کیلئے مشعل راہ کی حیثیت ہوگا آپ حضرات اس کیلئے لائق مبارکباد ہیں

فطرت انسانی کی جہد مسلسل اور سعی پیہم نے جہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہیں زبان وادب تقریر وتحریر کو اپنی فکری جولان گاہ بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی اس تناظر میں پاسبان ملت کی ذات بہت ہی اہم نظر آتی ہے۔ آپکی بے شمار دینی خدمتیں ہیں جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ گلشن تصنیف میں حسین سے حسین تر پھول کھلائے جس کی شامہ نوازی کی دنیائے علم وآگہی میں بڑی پذیرائی ہے۔ خاص طور پر خون کے آنسو جو آپ کی تحریر کا انداز اسلوب بیان، جدت بیانی، فکری جولانیت اور آپ کے تخیلات کی بلند پروازی کا مظہر اتم ہے۔

خدا کرے آپ کا مزاج عالی بعافیت ہو۔

فقط والسلام

محمد نوشاد عالم حنفی

● پرسوں سورت (گجرات) کے دورہ سے واپس آیا ڈاک میں ماہنامہ حسنی دنیا بریلی شریف بھی ملا۔ مختلف مقامات سے دیکھا ایک جگہ یہ اعلان پڑھکر نہایت مسرت ہوئی کہ آپ حضرت علامہ مولینا مشتاق احمد صاحب علیہ الرحمہ سے متعلق پاسبان ملت نمبر نکال رہے ہیں۔ خدا آپ کے عزم وارادہ کو کامیاب کرے اور دارین کے برکات سے نوازے۔ فقیر کی دلی دعائیں اور ہمدردیاں آپکے ساتھ ہیں۔

پاسبان نمبر کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور لکھ کر بھیجتا مگر اپنی علالت و ضیق وقت سے مجبور ہوں۔

اس میں کلام نہیں کہ حضرت علامہ پاسبان ملت مولینا مشتاق احمد صاحب علیہ الرحمہ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ حضرت مولینا کی ذات گرامی میں قائدانہ اور انتظامی صلاحیتیں خوب خوب موجود تھیں۔ بڑی ہی پرکشش ہستی تھی کہ عقیدت کیشوں اور احباب ومخلصین برابر کرم کی طرح رم جھم برستی تھی اور دل کی گہرائیوں کے ساتھ جذب ہوتی جاتی تھی شفقت ورافت کی فراوانی۔ خورد وکلاں کے ذہن سے بسا اوقات فراق مراتب کو محو کردیتی تھی۔

تبلیغ دین وسنیت کے میدان میں حضرت مولینا کے وسیع تر خدمات میں تھے۔ تبلیغ دین وسنیت واشاعت مسلک حق اہل سنت و جماعت کا جو کام تحریر وتقریر سے آپ نے کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

دینی بیداری، مذہبی فروغ کے لیے اپنی عمر کا مخصوص حصہ آپنے وقف کردیا تھا۔ حضرت مولینا اپنے سینے میں بڑا ہی مضطرب دل رکھتے تھے جو اپنی ذاتی ضرورتوں سے کہیں زیادہ بالاتر تھا۔

مولانا مشتاق احمد ایک تحریک کا نام تھا۔ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ایک روشن چراغ کا نام تھا۔

حضرت مولینا اخلاص ومحبت کے ایک پیکر تھے۔ دین و سنت کے ایک مینارۂ نور تھے۔ حضرت مولینا سراپا ایک تحریک تھے۔ موصوف کے سینے میں قوم وملت کیلئے ایک درد تھا۔

حضرت مولینا علیہ الرحمہ کی تقریر کی گھن گرج آج بھی کانوں میں گونج رہی ہے۔

فی الواقع آپ اسیر حبیب تھے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں

زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

ع۔

سبحان اللہ! جس پر حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ مہربان رہے ہوں جنھیں اپنی آغوش کرم میں لیکر علم وفضل عطا کیا ہو۔ جنھیں شب وروز تربیت دی ہو ان کا کیا کہنا۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے

فقط والسلام

محمد مظفر احمد داتا گنج بدایوں یوپی

